

Kashmir

کشمیر

۱۹۳۷ء سے ۱۹۷۷ء تک

ثناء اللہ بہت

Sanaullah Bat

DS
485
K2
B2671

© سنن اللہ بٹ ۱۹۸۰ء

پہلا ایڈیشن جولائی ۱۹۸۰ء

قیمت: تیس روپے

کتابت: بشیر احمد، بشیر احمد، محمد صدیق
ٹائٹل: جی، احمد

پرنٹرز پبلشرز

میسرز جے۔ کے۔ آفسٹ پرنٹرز 315 جامع مسجد، دہلی
تعمیم کنندگان برائے کشمیر:

میسرز علی محمد اینڈ سنز بک سیلز اینڈ پبلشرز، لال چوک، سرینگر۔ کشمیر
برائے دہلی:

ورلڈ اسلامک پبلیکیشنز، ۱۸-۱۷ گلیاں، جامع مسجد، دہلی - ۶

کشمیر ۱۹۴۶ء سے ۱۹۷۷ء تک

فہرست

۹	۱	پیش لفظ
۱۱	۲	پیر منظر
۲۱	۳	کشمیر چھوڑ دو
۳۱	۴	قیامی حملہ
۴۳	۵	کشمیر سلاطین کوئل ہیں
۵۱	۶	کشمیر میں جنگ بندی
۶۱	۷	لیاقت علی خان کے قتل کی سازش
۶۹	۸	۱۹۵۳ء کا غوثی اہفت سلاب
۸۳	۹	آزاد کشمیر میں مسلح بغاوت
۸۹	۱۰	کشمیر سازش کیس
۱۰۱	۱۱	موسے مبارک لکھی ٹیشن

۱۲	ایک نئے دور کا آغاز
۱۳	شیخ محمد عبداللہ کی دوبارہ گرفتاری اور ہند پاک جنگ
۱۴	تاشقند کانفرنس
۱۵	ہندو اکیٹیویشن
۱۶	پیپلز کنونشن
۱۷	الفتح
۱۸	۱۹۷۱ء کی ہند پاک جنگ
۱۹	بیک پارکھ سارنٹی مذاکرات اور شکستہ سمجھوتہ
۲۰	کمیشنر ایگوارڈ
۲۱	مجاذ رائے شماری توڑ دیا گیا
۲۲	کمیشنر پی پی سی منترسہ گورنر راج
۲۳	کون جیسا کون ہارا

۱۱۹
۱۲۹
۱۴۱
۱۴۹
۱۶۱
۱۸۱
۱۸۹
۱۹۹
۲۲۳
۲۴۷
۲۵۷
۲۶۹



انتساب

اُس عظیم فلسفی شاعر کے نام، جسے اپنے اس آبائی وطن سے بے پناہ
لگاؤ تھا اور جس کی بے قرار اور مضطرب روح اپنے فکر و خیال میں افلاک کی
بنڈیوں پر پرواز کرتے ہوئے بھی میسر کے درد کی عکاسی کرتی رہی جس نے میں
قوم پنجاب کو ہونے کا احساس دلایا۔ ہمیں اپنا درد و تکلیفات تلاش کرنے کیلئے
بعد و جہد کی جستجو اور ذہنی اور جسمانی حالت زار پر دست
ہوئے کہا۔

توڑا اُس درست جھانکشی کو یاد رکھیں جس نے
روح آزادی کی شیر کو پامال کیا

”کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۵ء تک“

آپ کے ہاتھوں میں کہتے اور اہل کشمیر کی تیس سالہ سیاسی تاریخ کے واقعات تلخ کر کے میں نے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے، جو سالہا سال سے میرے ذہن پر ایک بوجھ بنی رہی اور اس ذمہ داری کو پورا کر کے میں نے خود اپنے ضمیر اور عوام کے انصاف کیلئے کوشش کی تیس سالہ سیاسی تاریخ کے یہ واقعات اس سرزمین کی سیاست کے ظاہر و باطن کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت نہ تو کسی کمیٹی کے سیاسی لیڈر کی مخالفت کرنا مقصود ہے اور نہ حمایت۔ میں نے واقعات اور حقائق کو بالکل اسی انداز سے، جس انداز سے یہ میرے مشاہدے میں آئے، قلمبند کیا ہے۔ مجھے کشمیری تحریکی تاریخ و ادبی کے صنفِ اول کے تمام رہنماؤں کا قریب حاصل رہا ہے۔ ان میں جناب شیخ محمد عبداللہ کا نام سرفہرست ہے جن کے ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۵ء تک جب کہ وہ دوبارہ برسرِ اقتدار آئے، بہت قریب رہا اور ۱۹۷۵ء تک مجھے ان کا قریب ترین اور مستند صحافی قرار دیا جاتا رہا۔ ۱۹۷۳ء اور ۱۹۷۴ء میں نئی دہلی سے ان کے مذاکرات کے دوران انہوں نے مجھے سیاسی میدان میں اکران کے ساتھ کام کرنے کے لئے کہا لیکن میں نے یہی مناسب سمجھا کہ میں بطور صحافی ہی عوام کی بہتر خدمت کر سکوں گا۔ ۱۹۷۵ء میں برسرِ اقتدار آنے کے بعد شیخ صاحب نے دوسرے آفتاب کو اپنی پارٹی کا ترجمان بنانے کے لئے مجھ سے کہا۔ تاہم میں نے اسے بھی مناسب سمجھا۔ میرا وعظ مولانا محمد یوسف، چوہدری غلام عباس، خواجہ غلام نبی گلکار، مولوی عبدالرحیم، محمد یوسف قریشی، میر واعظ شویانی مولانا محمد عبداللہ، آغا شوکت علی، مولانا محمد نور الدین، مرزا محمد افضل بیگ، مولانا محمد سعید خاں، سحشی غلام محمد، خواجہ غلام محمد صادق، خواجہ غلام محی الدین قرہ، سید میر مستام

برگیدیز حبیب الرحمن اور جنرل اکبر خاں کے ساتھ بھی ایک طویل مدت تک میرے روالہ اور تعلقات رہے ہیں۔ چنانچہ یہ کتاب کہ شیر میں جنگ کی بندی سرحد کے دونوں طرف کے اہم واقعات اور خفائی پر مشتمل ہے جو خود میرے اپنے مشاہدے ہیں۔ آئے یا جو کثیر کی تحریک آزادی کے اہم ترین کرداروں نے مجھے بتائے۔ واقعات اور خفائی کو میں نے نہایت دیا اندازی اور غیر جانبداری کے ساتھ قلمبند کیا ہے اور ان کی اشاعت کا اس کے بوا اور کوئی مقصد نہیں کر یا سنت اور نارتھ سے دلچسپی رکھنے والے بالخصوص اور عوام بالعموم یہ جان سکیں کہ کثیر ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۷ء تک سرحد کے دونوں جانب کیسے کیسے لیشب و فراز سے دوچار رہا ہے اور لوگوں کی ایک بہت بڑی اکثریت ان خفائی اور واقعات سے کس طرح بیگانہ رہی ہے، جو پردے کے پیچھے رہنا ہوتے رہے اور جن کا نتیجہ ہاتھ اس سر زمین میں غلوٹے غلوٹے وقفے کے ساتھ رہنا ہوا۔ تبادلیوں میں کار فرما رہا ہے۔ مجھے تو قہر ہے کہ جس طرح ہر قسم کے سیاسی، نظریاتی اور جماعتی تعصب سے بالاتر ہو کر میں نے واقعت کو قلمبند کیا ہے، اسی طرح سیاسی، نظریاتی اور جماعتی تعصب سے بالاتر ہو کر انہیں پڑھ کر جلائے گا اور اگر لایا تو اس لیے اپنی زندگی کی سب سے بڑی دولت اور اپنے عوام کی سب سے بڑی خدمت سمجھوں گا۔

اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں جن اصحاب نے میری مدد کی ہے، میں ان کا بلکہ ممنون ہوں۔ خاص طور پر اپنے عزیز یلے مفت جمیل کا جنہوں نے اس کتاب کی تکمیل میں میرا ہاتھ بٹانے میں انتھک محنت کی میں میسرز علی محمد امین مسنر کا بھی بلکہ ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام اور اسے عوام تک پہنچانے میں میری مدد کی ہے۔

مفت

برگیدیز

ہمالیہ کے دامن میں اُبھرتے ہوئے چشموں، آبشاروں، لالہ زاروں، سرسبز و شاداب کھیتوں اور زعفران زاروں
 کی یہ طلسم پوشتر یا جیسی انتہائی پُرکشش اور قدرتی مناظر سے بھرپور سرزمین جسے بقول فلسفی شاعر اقبال اہل نظر نے ایرانِ صغیر
 سے تعبیر کیا ہے اور جسکی سرحدیں ہندوستان، پاکستان، روس، افغانستان اور چین کیساتھ ملتی ہیں، ہمہ قدیم سے ہی پوری دنیا میں
 مشہور ہے۔ اس کا محل وقوع اور جغرافیائی پوزیشن بھی اس سلسلے میں زبردست سیاسی اور فوجی اہمیت کی حاملہ
 ہے کہ تیرہویں صدی تک ایک تہذیب، ایک تمدن اور اپنا ایک جدا گانہ طرز زندگی اس کی ریت سے بڑی خوبی رہی ہے۔ اور ہمہ
 قدیم سے ہی اہل کشمیر اپنی انفرادیت اور آوازیں کے تحفظ کے خواہشمند رہے ہیں اور جب تک کسی بیرونی حملہ آور نے اس کے انتہائی
 دشمنان گنڈاپہاڑی دروں سے گذر کر اہل کشمیر کو محکوم بنانا چاہا تو اس سرزمین کے فلک ابوں کو ہماروں نے اس کے حقیقی دفاع کا
 کاکیا اور اس کے پورے باشندوں نے آسانی کے ساتھ بھی کمر بستہ ہو کر سامنے بھٹیا نہیں ڈالے۔ ہندوستان میں خاندانِ مغلیہ کی حکومت
 کے دوران بھی کشمیر ایک خود مختار مملکت کی حیثیت میں اپنا ایک علیحدہ وجود برقرار رکھے رہا، لیکن شہنشاہِ اکبر کی حوصلہ شکنیوں

نے کثیر کو بھی مغلوں کی توسیع پسندی کا ہدف بنایا۔ چنانچہ کثیر کی جڑی فوج اور مغلوں کے درمیان یکے بعد دیگرے دو فوجی جنگوں کے بعد راجہ بھگوان داس جو حملہ آور مغل فوج کی قیادت کر رہا تھا، نے اپنی عیاری اور چال بازی سے کثیر کے حکمران یوسف شاہ چمک کو گرفتار کر کے دلی دربار میں بھیج دیا اور کثیر کو مغل سلطنت کا ایک جھنڈ بنالیا گیا۔ مغلوں کے زوال کے بعد کثیر پر براہ راست کابل کا کنٹرول قائم ہو گیا۔ پٹانوں کا یہ دور حکومت واقعات کے لحاظ سے بطورہ خیر رہا ہے جس کا خاتمہ شاہ اسماعیل شہید اور ان کے ساتھیوں اور سکھوں کے درمیان بالاکوٹ کے معرکے کے فوراً بعد ہو گیا۔ بالاکوٹ کے اس معرکے میں شاہ اسماعیل شہید ہو گئے اور ان کی ناکامی کے بعد سکھوں نے اس سلسلے میں مالیاتی خطے کو اپنی سلطنت جس کا صدر مقام لاہور میں ہوا کرتا تھا، میں شامل کر لیا۔ ۱۸۴۶ء میں سکھ سلطنت کے خاتمے کے بعد انگریزوں نے کثیر کی تقدیر پچھتلا لکھ روپے (سکر راج الوقت نانک شاہی) کے عرصہ میں جن کے ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ کو سوئپ دی۔ کثیر کی تقدیر کا یہ سودا ایمانہ امرتسر کے نام سے مشہور ہے، جو پنجاب کے شہر امرتسر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے نمائندوں اور راجہ گلاب سنگھ کے درمیان ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کو طے ہوا تھا اور جسے علامہ اقبالؒ نے ایک انہائی دلنشین اور آہستہ آہستہ سوڈا قرار دیتے ہوئے کہا تھا۔

دہقان و کشت و جوئے و بیابان فروختند
قوئے فروختند و چہ ارزان فروختند

ملہ شاہ اسماعیل شہید سید احمد بریلوی کے ہمراہ جہاد کی اس تحریک کے بانی تھے، جس نے مغل سلطنت کے زوال کے بعد عبادین کی ایک بہت بڑی جماعت بنانا کی تھی۔ عبادین کی اس جماعت نے اپنے قائدین کی سربراہی میں سندھ اور بلوچستان سے ہوتے ہوئے کابل کے ساتھ پاکستان کے موجودہ شمال مغربی صوبے کے پہاڑی علاقوں میں منظم ہو کر صیغہ کاٹنے لگا۔ چنانچہ پٹانوں میں ہمارا وجودیت سنگھ کی فوج نے ان کا پہلا مرکز مہاج میں سکھوں کو شکست ہوئی اور عبادین نے پٹانوں اور قبیلہ کرلیا، لیکن بعد میں سکھ فوج نے جانی حاکم کے عبادین کو لپٹا کر پارا جھکیل دیا۔ سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل نے بعض افغان سرداروں کی مدد سے دلی پر مشتمل ہو کر کثیر کو جہاد کا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا۔ جب آپ عبادین کی ایک مختصر فوج لیکر کثیر آئے تھے تو افغان سرداروں نے سختی سے ان کو اس سلسلے میں شمولیت سے انکار کر دیا۔ چنانچہ سکھ فوج نے ۱۸۴۱ء میں بالاکوٹ کی ایک تنگ گھاٹی میں جو وادی کا خان کے جرنیل جس پر واقع ہے، عبادین کو گھیرے میں لے لیا۔ سکھ فوج کی تعداد عبادین کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی، لیکن ان کے باوجود عبادین نے پٹانوں پر جس طرح سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل اپنے جاننا سازیاں کیں وہ بالاکوٹ میں شہید ہو گئے اور اس کے نتیجے میں شمال مغربی صوبہ کے کثیر کا سارا علاقہ ہمارا جہادیت سنگھ کی عمارت میں چلا گیا۔ (بحوالہ شاہ اسماعیل شہید)

بیعتنامہ امرتسر (معاهدہ امرتسر)

اس معاہدہ کا ایک فریق حکومت برطانیہ اور دوسرا فریق ہمارا راجہ گلاب سنگھ آف جموں ہے اور یہ حکومت برطانیہ کی طرف سے فیڈرل کر دی اسکو یہ اور بریٹین میجر بریٹنی موننگری لائسنس، جو ایسٹ انڈیا کمپنی ان کے تمام معاملات کے کنٹرول اور ہدایت کیلئے آئینہ کمپنی کی طرف سے مقرر کئے گئے گورنر جنرل ہرنبرٹ کنگ جی جی کے ایک ہدایت آئینہ کمپنی کو اس رشتہ آئینہ کمپنی ہرنبرٹ ہارڈنگ جی جی کی ہدایت کے تحت کام کر رہے ہیں اور ہمارا راجہ گلاب سنگھ کی طرف سے بدست خود کے درمیان طے پایا۔

برطانوی حکومت دریا نے رندھ کے مشرق کی طرف سے اور دریا نے راوی کے مغرب میں بشمول چیمبرلینبیر (صفحہ ۱-)

لاہور تمام پہاڑی ملک جو ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کے بعد لاہور کے آئین میں کی دفعات کے تحت ریاست لاہور نے برطانوی حکومت کو سوئپ دیا ہے۔ اس کی خود مختاری سمیت ہمارا راجہ گلاب سنگھ اور اس کی ذات کے سرداروں کی آزادانہ تحویل میں ہمیشہ کے لئے رہے گی۔

(صفحہ ۲-)

صفحہ ۱- کے تحت ہمارا راجہ گلاب سنگھ کو منتقل کئے گئے علاقہ کی مشرقی سرحد کا اختیار بالترتیب برطانوی حکومت اور ہمارا راجہ گلاب سنگھ کی طرف سے اس مقصد کے لئے مقرر کئے گئے کمیشنروں کے ذریعہ ہوگا اور اس کی وضاحت، سروے کے بعد ایک علیحدہ معاہدہ سے کی جائے گی۔

(صفحہ ۳-)

صفحہ ۱- اور ۲- کے تحت ہمارا راجہ گلاب سنگھ اور اس کے وارثوں کے حق میں انتقال کے عوض برطانوی حکومت کو ہمارا راجہ گلاب سنگھ پچھتلا لکھ روپے (نانک شاہی) ادا کرے گا۔ ان میں سے پچاس لاکھ اس معاہدہ کی توثیق کے وقت اور پچیس لاکھ روال سال یعنی ۱۸۴۶ء کے یکم اکتوبر سے قبل ادا کئے جائیں گے۔

(صفحہ ۴-)

برطانوی حکومت کی مرضی کے بغیر ہمارا راجہ گلاب سنگھ کے علاقوں کی حدود کو کبھی وقت تبدیل نہیں کی جائیں گی۔

(صفحہ ۵-)

ریاست لاہور یا کسی اور ہمسایہ ریاست کے ساتھ کوئی تنازعہ جو جانے کی صورت میں ہمارا راجہ گلاب سنگھ شامل ہے کے لئے برطانوی حکومت سے رجوع کرے گا اور اس کے فیصلوں کا پابند ہوگا۔

(صفحہ ۶-)

ہمارا راجہ گلاب سنگھ اپنی اور اپنے وارثوں کی طرف سے اقرار کرتے ہیں کہ وہ اپنی تمام فوج برطانوی افواج میں

شامل کریں گے۔ جب وہ پہاڑوں میں یا مہاراجہ گلاب سنگھ کی حدود کے ساتھ ساتھ متعین ہوں

(دفعہ ۷۔)

مہاراجہ گلاب سنگھ انفرکرتے ہیں کہ وہ کبھی کسی برطانوی شہری یا کسی یورپی یا امریکی ریاست کے شہری کو برطانوی حکومت کی اجازت کے بغیر اپنی ملازمت میں متغیر نہیں کریں گے یا رکھیں گے۔

(دفعہ ۸۔)

مہاراجہ گلاب سنگھ ۱۱ مارچ ۱۸۴۶ء کو برطانوی حکومت اور لاہور دربار کے درمیان قرار پائے معاہدہ کے آرٹیکل ۵، اور ۶ کی دفعات کی اس کو منتقل کئے گئے علاقوں کے بارے میں پابندی کرنے کے کا اقرار کرتے ہیں۔

(دفعہ ۹۔)

بیرونی خطرات سے اپنے علاقہ تجارت کو محفوظ رکھنے کے لئے برطانوی حکومت مہاراجہ گلاب سنگھ کو امداد فراہم کرے گی۔

(دفعہ ۱۰۔)

مہاراجہ گلاب سنگھ برطانوی حکومت کے اختیار اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کی لٹ اندہی کے طور پر باج کی صورت میں ہر سال برطانوی حکومت کو ایک گھوڑا، بارہ مکیاں (۶ ماہ اور چھ مزا) اور تین بولے کی تیری شامل پیش کیا کریں گے۔

دفعات پر مشتمل یہ معاہدہ برطانوی حکومت کی طرف سے گورنر جنرل لارڈ آئرلینڈ سر ہنری ہارڈنگ جی سی بی کے زیر صدارت فریڈرک کٹلی اسکوائر اور سرینیٹ مسیجر ہنری مونٹگمری لارنس اور بذات خود مہاراجہ گلاب سنگھ کے درمیان طے پایا ہے اور مذکورہ معاہدہ کی توثیق لارڈ آئرلینڈ سر ہنری ہارڈنگ جی سی بی گورنر جنرل کی مہر سے آج ہوئی ہے۔

امرتسر ۱۳ مارچ ۱۸۴۶ عیسوی بمطابق ۱۷ ربیع الاول ۱۲۶۲ھ طے پایا ہے



بیجانہ امرتسر کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ نے مہاراجہ کالقب اختیار کر کے اپنی اس نئی مملکت کا نام "ریاست جتوں کشمیر" رکھ دیا۔ یہی وہ دن تھا جب جتوں کشمیر کی موجودہ ریاست وجود میں آئی۔ ڈوگرؤں نے کشمیر پر ایک سو ایک برس تک حکومت کی۔ اس خاندان کا آخری حکمران مہاراجہ ہری سنگھ تھا۔ اس کے تحت نیشنل یونیورسٹی کے وائیک برس بعد ہی کشمیر میں اندر ہی اندر جولاو ایک رہا تھا، اس نے سیاسی تحریک کا آغاز کر دیا۔ جب خاندانہ معاشی میں شاہ ہلال کے معنی کے اندر اور باہر میلے اور نیم میلے پھرن پہنچے ہوئے سینکڑوں کاری گروں، مزدوروں اور محنت کشوں پر مشتمل اس قوم عجیب نے جسے شاعر مشرق علامہ اقبال نے چربک درت و تر دماغ کہلے، اپنا روزمرہ کائنات ڈھونڈنے کی جدوجہد کے عزم کا اعلان کر دیا انہوں نے شاہ ہلال کے اس معنی میں اپنے ہاتھ اٹھا اٹھا کر جبر و استبداد کی ان طاقتوں کو لٹکارا، جنہوں نے اس قوم کو سیاسی، سماجی، اقتصادی اور دوسری تمام قسم کی آزادیوں سے محروم کر دیا تھا اور پھر ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے واقعہ نے پورے کشمیر کو جھوڑ کر رکھ دیا۔ ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو ایک شخص عبدالقدیر کی تاریخ پیشی مقرر تھی جس کے خلاف یہ الزام تھا کہ اس نے قانونی یا بدیل کو توڑ کر سیاسی تفسیر کی ہے اس کے خلاف قایم کئے گئے مقدمے کی سماعت سیکریٹری جنرل جیل کی چار دیواری کے اندر ہو رہی تھی اور لوگ گروہ درگروہ یہ جاننے کے لئے کہ عبدالقدیر کی تقدیر کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ بری مگر جنرل جیل کے باہر الگ الگ ٹولہ کی صورت میں جمع ہو گئے تھے؟ جس پر ڈوگرہ فوج کے پابھیوں کو جو جیل کی حفاظت کے لئے متعین تھے طیش آگیا اور انہوں نے سخت اور بے گناہ عوام پر گولی چلا دی۔ اس فائرنگ میں کم سے کم ۱۹ کشمیری ہلاک ہو گئے۔ ڈوگرہ فوج کی طرف سے معصوم لوگوں پر اس سفاک فائرنگ کی گونج جتوں کشمیر کے کونے کونے تک جا پہنچی اور ۱۳ جولائی کے شہیدوں کا خون رنگ لایا اور شہیدوں کا یہ خون ایک منظم سیاسی تحریک کی بنیاد بن گیا جس پر جتوں کشمیر مسلم کانفرنس کی عمارت کھڑی کی گئی

مسلم کانفرنس میں کشمیر کے تقریباً سبھی سرکردہ لوگ شامل تھے، ان میں میر واعظ مولوی محمد یوسف اور شیخ محمد عبداللہ خاص طور پر قابل ذکر تھے۔ مسلم کانفرنس کی تشکیل کے فوراً بعد مسیجر صاحب کے حلقہ احباب نے انہیں یہ یاد دلانے کی کوشش کی کہ اب تک تو ان کا خاندان کشمیر کی مسند قیادت پر فائز تھا لیکن اب اس بات کے آثار نظر آ رہے ہیں کہ میر واعظ خاندان کی قیادت چھین لی جائے گی چنانچہ تحریک کے قائدین کے درمیان اندر ہی اندر

اختلاف پر درخشاں پلٹ گئے۔ کچھ عرصہ بعد میر واعظ صاحب نے مسلم کانفرنس سے احمدیوں کو خارج کرنے کا مطالبہ کر دیا، جسے نوجوان مسلم قیادت نے نامنظور کر دیا۔ اس پر میر واعظ صاحب اور ان کے حامی مسلم کانفرنس سے الگ ہو گئے اور مسلم کانفرنس کی قیادت برہ راستہ شیخ محمد عبداللہ کے ہاتھ میں آگئی۔ بعد میں میر واعظ مولوی محمد یوسف صاحب اور ان کے حامیوں نے آزاد مسلم کانفرنس کے نام سے اپنی ایک پارٹی قائم کر لی اور اس طرح کثیر کی ریاست دو مختلف سیاسی نظریوں کی بجائے اس کے دو مرکزی کرداروں، ایک شیخ محمد عبداللہ اور دوسرے میر واعظ مولوی محمد یوسف کے درمیان بٹ گئی اور بعد میں شیخ محمد عبداللہ کے حامیوں کو "شیر" کہا جانے لگا اور میر واعظ مولوی محمد یوسف کے حامیوں کو "کبرا" کہا جانے لگا۔ دوسری عالمی جنگ کے آغاز یعنی ۱۹۳۸ء میں شیخ محمد عبداللہ اور جموں کے چوہدری غلام عباس اور دوسرے سرکردہ سیاسی رہنماؤں نے مسلم کانفرنس کی بجائے ایک قومی جماعت قائم کرنے کا منصوبہ کیا۔ چنانچہ ۱۹۳۸ء میں باقاعدہ طور پر نیشنل کانفرنس قائم کر لی گئی، لیکن نیشنل کانفرنس قائم کرنے والوں کے درمیان یہ اتحاد زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکا۔ چنانچہ بعد میں جموں کے سرکردہ سیاسی رہنما جن کی قیادت چوہدری غلام عباس کر رہے تھے اور جو نیشنل کانفرنس قائم کرنے میں سب سے زیادہ پیش پیش تھے، نیشنل کانفرنس سے الگ ہو گئے اور انہوں نے بعد میں میر واعظ مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ مل کر مسلم کانفرنس کو دوبارہ زندہ کر لیا۔ ادھر برطانوی ہند میں سرکوت کے ساتھ بدلتے ہوئے سیاسی واقعات کثیر پر بھی اثر انداز ہوتے گئے، اور دوسری عالمی جنگ کے دوران ال انڈیا مسلم لیگ اور انڈین نیشنل کانگریس دونوں جماعتوں کی طرف سے جموں کشمیر میں اپنا اثر و نفوذ پیدا کرنے اور اسے بڑھانے کی کوششیں ہوتی رہیں۔ تاہم ان کوششوں کے باوجود کثیر کی سیاسی تحریک بڑی حد تک الگ تھلک اور مقامی نوعیت کی رہی کڑی دوران ۱۹۴۵ء کا وہ واقعہ رونما ہوا۔ جب ال انڈیا مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح موم گرما کے دوران کثیر آئے۔ یہ وہ وقت تھا جب وادی میں مسلم کانفرنس برائے نام آگئی تھی اور عوام کی کثیریت نیشنل کانفرنس کے ساتھ وابستہ تھی البتہ جموں متوجہ بنی صورت حال اس کے بالکل برعکس تھی۔ چنانچہ جب جناح صاحب کثیر آئے تو نیشنل کانفرنس کی طرف سے ان کا استقبال کیا گیا۔ جناح صاحب کی آمد پر خود نیشنل کانفرنس کے صدر شیخ محمد عبداللہ نے سترنگ کی پر تاپ پارک میں ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے انہیں پیاسہ نہار پیش کیا۔ جناح صاحب سری نگریں بند کے قریب ایک

ہاؤس بوٹ میں بٹھرائے ان کی ہمیشہ فاطمہ جناح بھی ان کے ساتھ تھیں۔ ان کی آمد کے اگلے دن شیخ محمد عبداللہ ان سے ملنے ہاؤس بوٹ میں گئے۔ جہاں ان کے درمیان طویل بات چیت ہوئی۔ اس بات چیت کے دوران مسلم لیگ کے صدر نے شیخ صاحب کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ نیشنل کانفرنس کی بجائے مسلم کانفرنس کی قیادت سنبھالیں۔ شیخ صاحب نے جناح صاحب کی اس دسیل سے اگرچہ اتفاق کیا کہ کثیر میں زیادہ تر مسلمان ظلم میں ہیں اور آزادی کے لئے جدوجہد بھی وہی کر رہے ہیں لیکن شیخ محمد عبداللہ کا نظریہ یہ تھا کہ مسلم کانفرنس کے نام پر ہندو مہاراجہ کے خلاف جدوجہد کو چونکہ فرقہ وارانہ قسم کی تحریک تصور کیا جاتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا مفاد اس میں ہے کہ وہ اپنی تحریک کو ایک قومی تحریک بنا کر چلائیں لیکن مسلم لیگ کے صدر نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ دوسری طرف مسلم کانفرنس کے لیڈروں نے بھی جناح صاحب کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی اور انہیں بتایا کہ شیخ محمد عبداللہ اصل میں کانگریس کے ساتھ ہیں اور نیشنل کانفرنس کانگریس کی لکچر ہے۔ اختلاف کی بنا پر مسلم لیگ کے صدر اور نیشنل کانفرنس کے لیڈر شیخ محمد عبداللہ کے درمیان ایک ٹکراؤ کی صورت پیدا ہو گئی۔ سترنگ کی جامع مسجد میں مسٹر جناح نے شیخ محمد عبداللہ کے خلاف تقریر کے دوران انہیں غلط کارسیا تہان قرار دیا جس پر شیخ محمد عبداللہ کے حامیوں نے مہاراجہ کی حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ مسٹر جناح کو یہاں سے فوراً چلے جانے کو کہے، ورنہ یہاں خون خرابے کا خطرہ ہے جس کی تمام تر مزدوری حکومت پر عائد ہوگی۔ چنانچہ اس مطالبے پر مہاراجہ کی حکومت نے مسٹر جناح کو یہ مشورہ دیا کہ وہ چوتیس گھنٹے کے اندر اندر یہاں سے چلے جائیں نیشنل کانفرنس کی قیادت اور مسلم لیگ کے سزاہ کے درمیان یہ سیاسی ٹکراؤ ایک ایسی دشمنی میں تبدیل ہو گیا جو آگے چل کر نہ صرف کثیر بلکہ پورے برصغیر کی تاریخ کا رخ تبدیل کر دیا ایک بہت بڑا سبب بن گیا۔ مسلم لیگ کے صدر اور نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کے درمیان اس ٹکراؤ کا کانگریس کی قیادت نے خوب فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ چار سال بعد تہذیبی جواہر لال نہرو اور خان عبدالغفار خان جیسے سرکردہ کانگریسی رہنما بھی کثیر آئے اور انہوں نے نیشنل کانفرنس کی قیادت کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی۔ کانگریس کے یہ دونوں سرکردہ لیڈر نیشنل کانفرنس کے اس سالانہ اجلاس میں بھی شریک ہوئے جو سولہویں منعقد ہوا۔ اور اس طرح نیشنل کانفرنس کے لیڈروں نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ قومی کانگریس کے ساتھ ہیں اور ان کے اصولوں اور مقاصد کی حمایت کرتے ہیں۔ اس کے بعد نیشنل کانفرنس کے لیڈر اسٹیٹ پولیٹ کانفرنس کے اہم عہدوں پر فائز کئے گئے جو کانگریس

کے لیڈروں نے برصغیر میں ریاستوں کے اندر الگ الگ سیاسی تحریکوں کے ایک مشترکہ پلیٹ فارم کے لئے قیام کی
تھی۔

تقسیم ہند سے قبل کشمیر کی سیاسی صورت حال اور مذکورہ بالا واقعات زیر نظر کتاب کا سیاسی پس منظر تصور
کئے جانے چاہئیں۔ کیونکہ اسی سیاسی پس منظر میں آئندہ کے واقعات کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔



مارچ ۱۸۴۶ء میں بیغام امرتسر اور کشمیر پر ڈوگرہ خاندان کے تسلط کے پورے ایک سو برس بعد
 مئی ۱۹۴۶ء میں اس بیغمانے کو کشمیریوں نے چیلنج کر دیا، جب کہ نیشنل کانفرنس کے صدر شیخ محمد عبداللہ نے متعدد پبلک
 جلسوں میں پہلی مرتبہ اور اعلانیہ طور پر اس معاہدے کی منسوخی کا مطالبہ کر دیا۔ سری نگر کے مائیمہ بازار کے اس چوک میں
 جہاں ٹانگے ٹھہرنے کا ایک اڈہ تھا، ایک جیسے میں شیخ محمد عبداللہ نے ایک زوردار تقریر کی اور کشمیر کو چھوڑ دو، بیت
 امرتسر توڑ دو کا مطالبہ کیا۔ جب کشمیر چھوڑ دو، بیغام امرتسر توڑ دو کے مطالبے کی گونج جسٹسوں پہنچی تو مہاراجہ ہری سنگھ
 سخت پریشان ہو گئے، چنانچہ وہ ۲۰ مئی کو جیلوں سے سری نگر مپہنچے، اسی دن جب شیخ محمد عبداللہ ایک پرائیویٹ
 کار میں سری نگر سے راولپنڈی جا رہے تھے تو سری نگر راولپنڈی شاہراہ پر ۸۴ ویں میل کے قریب انہیں گرفتار کر لیا گیا۔
 ان کی گرفتاری کی اطلاع ٹیلیفون پر مہاراجہ کو ان کے محل میں پہنچائی گئی۔ شیخ محمد عبداللہ کی سرینگر سے راولپنڈی
 کے لئے اچانک روانگی کے بارے میں خود شیخ صاحب نے آج تک کسی کو یہ نہیں بتایا ہے کہ وہ کشمیر میں اس نئی تحریک
 کے آغاز ہی میں باہر کیوں جا رہے تھے۔ البتہ سیاسی حلقوں میں دو قسم کی قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں۔ ایک یہ کہ وہ ارس

مطالبہ کے حق میں ہندوستان کی رائے عام کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے کشمیر سے باہر جا رہے تھے اور دوسری یہ کہ وہ گرفتاری سے بچنے کے لئے ریاست سے باہر رہنا چاہتے تھے۔ شیخ محمد عبداللہ کو گرفتار کر کے سرینگر لایا گیا اور بادامی باغ کی فوجی چھاؤنی میں رکھا گیا۔ ان کے خلاف بغاوت کے الزام میں جو مقدمہ چلایا گیا۔ اس کی سماعت بھی بادامی باغ کی فوجی چھاؤنی میں ہی ہوئی۔ اس مقدمے میں ۱۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو انہیں تین برس قید اور پانچ سو روپے جرمانے کی سزا سنائی گئی اور بعد میں انہیں بادامی باغ کی چھاؤنی سے بھدر داہ جیل منتقل کر دیا گیا۔

اسی آثار میں آل بسوں کشمیر مسلم کانفرنس کا جو سالانہ اجلاس سرینگر میں طلب کیا گیا تھا۔ حکومت نے اسے منعقد کرنے کی اجازت نہیں دی لیکن مسلم کانفرنس کے لیڈروں نے اجلاس منعقد کر لیا جس کی پاداش میں اس کے صدر چودھری غلام عباس اور ان کے چند ساتھیوں کو گرفتار کر کے بری نگر سنٹرل جیل بھیج دیا گیا۔ چودھری غلام عباس کی اس اچانک گرفتاری سے مسلم کانفرنس کو سخت سیاسی نقصان پہنچا اور اس کے جو لیڈر جیل سے باہر نہ گئے تھے ان کے درمیان سر پھول شروع ہو گئی۔ چودھری غلام عباس کی گرفتاری کے بعد میر واعظ مولوی محمد یوسف صاحب نے اعلان کیا کہ وہ مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر ہیں لیکن چونکہ مسلم کانفرنس کی لیڈر شپ کے ایک حصے میں میر واعظ صاحب کی سیاسی پوزیشن کچھ مشتبہ سی تھی اس لئے انہوں نے میر واعظ صاحب کو قائم مقام صدر تسلیم نہیں کیا اور چودھری حمید اللہ خان کو قائم مقام صدر بنا دیا۔

ایک طرف کشمیر میں ۱۸۴۷ء کے بغاوت ام تر کو پسلیج کیا جا رہا تھا اور دوسری طرف برطانوی حکومت ہندوان کو آزادی دینے کے سوال پر ہندوستانی لیڈروں کے ساتھ بات چیت کر رہی تھی۔ اس بات چیت کا آغاز برطانوی وزیر اعظم میرٹر چرچل کے معتمد صومی میرٹر کرس نے ہندوستان آکر کیا تھا۔ میرٹر کرس نے مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو کے علاوہ میرٹر محمد علی جناح اور دوسرے سرکردہ سیاسی قائدین کے ساتھ ملاقاتیں کیں لیکن وہ کوئی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔ ان کی ناکامی کے بعد حکومت برطانیہ نے گفت و شنید کے لئے ایک کینیڈین ٹرن ہندوستان بھیجا۔ ٹرن کے نمبروں اور ہندوستانی لیڈروں کے درمیان طویل مذاکرات کے باوجود کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکا۔ اسی

دوران ہندوستان کے وائسرائے جنرل ویول نے برطانوی حکومت کے بار پر خود بھی ہندوستانی لیڈروں کے ساتھ یہی بات چیت شروع کر دی جنرل ویول کو دوسری عالمگیر جنگ کے دوران مشرق وسطیٰ کے محاذ پر جرمن فوج کے ہاتھوں پہلے درپے شکستوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اس محاذ پر ناکام ہونے کے بعد انہیں ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا گیا تھا۔ جنرل ویول ہندوستان آکر سیاسی بات چیت میں بھی ناکام رہے اور میرٹر محمد علی جناح نے ان کے خلاف عدم اعتماد کا اظہار کر کے الزام لگایا کہ وہ کانگریس کی طرف داری کر رہے ہیں۔ ان کی غیر جانبداری چونکہ مشتبہ ہو گئی تھی اس لئے برطانوی حکومت نے برطانیہ کے شاہی خاندان کے ایک رکن اور جنوب مشرقی ایشیا میں برطانیہ کے بحری بیڑے کے کمانڈر انچیف لارڈ مونٹ بیٹن کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا اور انہیں ہندوستان کے لیڈروں کے ساتھ سیاسی بات چیت کا رٹن سپر دیا گیا۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے کانگریس ٹیم لیگ اور بعض دوسری سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں کے ساتھ مذاکرات کے بعد برطانوی حکومت کو جو رپورٹ پیش کی۔ اس میں انہوں نے برطانوی حکومت کو بتا دیا کہ اگر برطانیہ ہندوستان کی تقسیم پر آمادہ ہو جائے تو وہ کانگریس اور مسلم لیگ کے لیڈروں کے درمیان سیاسی سمجھوتہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حکومت برطانیہ کی منظوری حاصل کرنے کے بعد لارڈ مونٹ بیٹن نے ہندوستان کی تقسیم کے لئے کانگریس اور مسلم لیگ لیڈروں کو ایک سمجھوتے پر آمادہ کر لیا۔ جس کی بنیاد پر برطانوی پارلیمنٹ نے برصغیر ہند کو آزادی دینے کا ایک مسودہ قانون پاس کر دیا۔ جسے ”انڈین انڈی پنڈنس ایکٹ“ کہا گیا۔ اس مسودہ قانون کی رو سے ہندوستان کو تقسیم کر کے بعض شرائط کے تحت مسلم اکثریت کے صوبوں پر مشتمل اس کے انتہائی مغرب اور انتہائی مشرق کے علاقوں کو پاکستان کا نام دیا گیا۔ شرائط مندرجہ ذیل تھیں۔

۱۔ صوبہ پنجاب جس میں مجموعی طور پر مسلمانوں کی اکثریت تھی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے اور اس صوبے کی ہندو اکثریت کے ضلع ہندوستان میں شامل رہیں۔ صوبوں کی تقسیم کا کام ایک بااختیار کمیٹی کے سپرد کیا جائے۔

۲۔ شمال مغربی سرحدی صوبے میں اس بات پر ریفرنڈم کروایا جائے کہ کیا اس صوبے کے

لوگ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا نہیں (ریفرنڈم میں پٹھانوں نے پاکستان کے حق میں فیصلہ دیدیا)

۲۔ موہن جگال کو بھی مسلم اکثریت اور ہندو اکثریت کے علاقوں کی بنیاد پر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

۴۔ برصغیر ہند میں جو ریاستیں تھیں ان کے مستقبل کا فیصلہ ریاستوں کے حکمران کمنے کے مجاز قرار دیئے گئے، البتہ انہیں اپنی اپنی ریاست کی رعایا کی خواہشات اور جزئیاتی اور دوسرے حالات مد نظر رکھنے کو کہا گیا۔

صوبوں کی تقسیم کے لئے یہ اصول طے کیا گیا تھا کہ جس ضلع میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی، وہ پاکستان کو دیا جائے گا اور جس ضلع میں غیر مسلموں کی اکثریت ہوگی، وہ ہندوستان میں شامل رہے گا۔ چنانچہ ریڈ کلف کمیشن نے جسے پنجاب کی تقسیم کا کام سونپا گیا تھا، ضلع گرداسپور کے سوا سارے پنجاب کی تقسیم اسی اصول کے تحت عمل میں لائی لیکن ضلع گرداسپور جس میں مجموعی طور پر مسلمانوں کی اکثریت تھی، کو تحصیلوں کی بنیاد پر تقسیم کیا گیا، اس طرح وہ تحصیل جس میں چھٹا ٹکٹ بھی شامل تھا، کے ہندوستان میں شامل رکھنے کی گنجائش پیدا ہو گئی۔ اگر طے شدہ اصول کے تحت گرداسپور کا ضلع پاکستان کو دیدیا جاتا، تو ریاست جموں کشمیر اور ہندوستان کے درمیان سرحدی ریشہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا، لیکن ضلع گرداسپور کو اس کی تحصیلوں میں آبادی کی اکثریت اور اقلیت کی بنیاد پر تقسیم کر دیا گیا۔

اسی اثناء میں جبکہ گورداسپور برصغیر ہندو مسلم فسادات اور ملک کی تقسیم کی وجہ سے تذبذب، غیر یقینی اور نا ارامی کا شکار ہو رہا تھا، جولائی ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ مونت بیٹن نے دہلی سے کشمیر آئے۔ وہ ایک خاص مشن پر کشمیر آئے تھے اور یہاں مہاراجہ ہری سنگھ کے مہمان رہے۔ اپنی آمد کے دوسرے روز لارڈ مونت بیٹن نے مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ ملاقات کی۔ مونت بیٹن مہاراجہ ہری سنگھ کو بہت پہلے سے جانتے تھے۔ ان کی پہلی ملاقات پرنس آف ویلز کی جموں میں آمد کے موقع پر ہوئی تھی جہاں مہاراجہ ہری سنگھ اور مونت بیٹن نے ایک ساتھ پلوکھیا تھا

اور دونوں میں دوستی ہوئی تھی۔ ہندوستان کے وائسرائے جس خاص مشن پر کشمیر آئے تھے، یہ مشن مہاراجہ کو کشمیر کا الحاق ہندوستان سے کرنے کی ترغیب دینے کا تھا۔ اگرچہ مونت بیٹن کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اس ریاست کی نوے فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اس کی بیش تر سرحدیں پاکستان سے ملتی ہیں، اس لئے تمام دریا پاکستان کی طرف بہتے ہیں اور اس کا محل وقوع ایسا تھا کہ اسے پاکستان میں شامل ہونا چاہیئے تھا، لیکن اس کے باوجود مونت بیٹن کی یہ خواہش تھی کہ کشمیر ہندوستان کے ساتھ الحاق کرے، انہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ اپنی پہلی ملاقات میں ان سے یہ بھی کہا کہ اگر وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں تو ہندوستان کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ لیکن مہاراجہ نے اس سے صاف انکار کر دیا اور کہا: "میں کسی بھی حالت میں پاکستان کے ساتھ الحاق نہیں کرنا چاہتا"۔ چنانچہ ہندوستان کے وائسرائے نے اس پر مہاراجہ سے کہا: "یہ آپ کے ہاتھ میں ہے، اگر آپ پاکستان سے الحاق نہیں کرنا چاہتے تو پھر آپ کو ہندوستان کے ساتھ الحاق کر لینا چاہیئے، اس صورت میں آپ کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے میں ایک ڈیوٹن فورج بھیجنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن مہاراجہ نے جواب دیا: "میں ہندوستان کے ساتھ بھی الحاق نہیں کرنا چاہتا، بلکہ خود مختار رہنا چاہتا ہوں۔" مہاراجہ کے اس جواب پر مونت بیٹن خفا ہو گئے اور انہوں نے مہاراجہ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ ان کے لئے ممکن نہیں ہوگا اور اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ اپنا تخت و تاج کھو بیٹھیں گے، لیکن مہاراجہ ان کی باتوں سے قائل نہیں ہوا، تاہم مہاراجہ ہری سنگھ نے اس مسئلے پر مونت بیٹن سے بات چیت جاری رکھنے پر رضامندی ظاہر کر دی، لیکن علاوہ اس سے کتراتے رہے۔ کشمیر سے واپسی کے قبل مونت بیٹن نے اپنے مشیروں سمیت مہاراجہ ہری سنگھ اور ان کے مشیروں کے ساتھ ایک مشترکہ اجلاس منعقد کرنے کی تجویز پیش کی، تاکہ الحاق کا مسئلہ طے کیا جائے لیکن مہاراجہ ہری سنگھ نے پیش کا بہانہ بنا کر اس اجلاس میں شمولیت سے معذرت ظاہر کی۔ چنانچہ ہندوستان کے وائسرائے اپنے مشن میں ناکام ہو کر واپس دہلی چلے گئے۔

لارڈ مونت بیٹن کی ناکامی کے بعد یکم اگست ۱۹۴۷ء کو مہاتما گاندھی کشمیر آئے، ایک ڈرامائی انداز میں مہاتما گاندھی نے ۳۰ جولائی کو اپنی ایک ہزار تھن سبھا میں جب یہ اعلان کیا کہ وہ کشمیر جارہے ہیں، تو ان سے پوچھا گیا کہ کیا وہ

مہاراجہ ہری سنگھ اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان مصالحت کروانے اور کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ الحاق کھڑانے کا فیصلہ کیا گیا۔ لیکن مہاتما گاندھی نے بظاہر اس کی تصدیق نہیں کی۔ ان کی خاموشی کے باوجود ان کے اس دورے کو برصغیر کے اخبارات میں بڑی زبردست اہمیت دی گئی اور یہ قیاس آرائیاں شروع ہو گئیں کہ وہ مہاراجہ ہری سنگھ کو ہندوستان کے ساتھ ریاست جموں کشمیر کا الحاق کروانے کی ترغیب دینے کیلئے کبیشتر آئے ہیں۔ مہاتما گاندھی سرینگر میں تین دن ٹھہرے اور واپسی سے قبل انہوں نے کنگار محل میں مہاراجہ سے ملاقات کی جو ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہی۔ اس ملاقات کے موقع پر مہاراجہ نے بھی موجود تھیں۔ مہاتما گاندھی جب شاہی محل میں آئے تو انہیں مہاراجہ کی طرف سے دو دھ کا ایک گلاس پیش کیا گیا، لیکن مہاتما گاندھی نے دو دھ کا یہ گلاس پینے سے انکار کیا اور کہا: ”جس راجا سے اُس کی پر جانا راض ہو اُس کے ہاں کچھ نہیں کھانا چاہتا۔ اس مرحلے پر مہاراجہ نے اپنی نشست سے کھڑے ہو کر مہاتما گاندھی کو یہ یقین دلایا کہ گاندھی جی معاملات کو مدبھانے کے لئے جو بھی ارشاد فرمائیں گے اُس کی تکمیل ہوگی۔ مہاراجہ نے بھی اس کی تائید کی جس پر مہاتما گاندھی دو دھ پینے پر رضامند ہو گئے۔ گفتگو کے دوران مہاتما گاندھی نے مہاراجہ کو نصیحت کی کہ وہ ایک تجربہ کار، محبوب وطن اور ملک کا سپوت ہونے کے ناطے اس ملک کو مضبوط بنانے اور مختلف مسائل حل کرنے کے کام میں تعاون کریں۔ انہوں نے مہاراجہ کو یہ مشورہ دیا کہ وہ شیخ محمد عبداللہ کو براہ کمر کے انہیں ملک کی سیاست میں اپنا رول ادا کرنے کا موقع فراہم کریں۔ گفت و شنید کے دوران مہاراجہ نے گاندھی جی کی نصیحت اور مشوروں پر عمل کرنے اور کچھ دوسرے معاملات کے بارے میں اپنی مشکلات کا حل تلاش کرنے کے لئے ان کی رہنمائی حاصل کرنے کا اہمیت یقین دلایا۔

مہاتما گاندھی کی مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ ملاقات اور کشمیر سے گاندھی جی کی واپسی کے بعد ریاست کی سیاسی اور انتظامی صورت حال بڑی سرعت کے ساتھ تبدیل ہونا شروع ہو گئی۔ چنانچہ الگست کو میٹر رام چندر کاک کو وزارت بر اعظمی سے برطرف کر دیا گیا اور ان کی جگہ مہاراجہ نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار کھنک سنگھ کو وزیر اعظم مقرر کر دیا۔ میٹر رام چندر کاک اور کشمیر کے انگریزوں کے درمیان براہ راست دشمنی کا تاثر عام تھا۔ مہاراجہ ہری سنگھ کی

اس خواہش کی تکمیل کے سلسلے میں کہ وہ ریاست جموں کشمیر کو ہندوستان اور پاکستان سے الگ ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے طور پر رکھنا چاہتے تھے، پندت رام چندر کاک دو بار میٹر محمد علی جناح سے ملاقات بھی کر چکے تھے اور ہر ارگٹ ۱۹۴۷ء کو برصغیر کے مسلم علاقوں پر مشتمل حاکمیت پاکستان کا قیام عمل میں آگیا اور اس کے اگلے دن یعنی ۱۵ اگست کو ہندوستان کی آزادی عمل میں لائی گئی۔

برطانوی ہند کے ان واقعات سے کشمیر میں سیاسی بے چینی بڑھتی چلی گئی اور اسی انتشار میں مہاراجہ کی حکومت اور حکومت پاکستان کے درمیان STRAND STALE ”یعنی جوں کے توں حالات برقرار رکھنے کا معاہدہ بھی ہو گیا اور پاکستان کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم رہے۔ یاد رہے کہ کشمیر کی تمام تجارت کے راستے ان علاقوں سے ملتے تھے جو علاقے پاکستان میں شامل ہو گئے تھے۔ اس کا مواصلاتی نظام بھی ان علاقوں کے ماتحت تھا، جو پاکستان میں شامل ہو گئے تھے، چنانچہ اسی بنا پر سری نگر کے ڈاک ڈنار گھر کے اوپر پاکستان کا پرچم نصب کیا گیا۔ برصغیر میں برق رفتاری کے ساتھ رونما ہونے والی تاریخی اور سیاسی تبدیلیوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کو سخت پریشان کر دیا، اور وہ اس ریاست کے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے تھے۔ اسی دوران حکومت ہندوستان کے کچھ اعلیٰ افسر سری نگر آئے اور انہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ ان کے محل میں گفت و شنید کی، لیکن اس کے باوجود مہاراجہ ہری سنگھ کوئی فیصلہ کرنے میں ہچکچا رہے تھے اور پھر ۱۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو اچانک اور ڈرامائی انداز میں شیخ محمد عبداللہ کو بھدر رواہ جیل سے سری نگر لایا گیا اور انہیں یہاں بادامی باغ فوجی چھاؤنی میں رکھا گیا، جہاں بہت سے لوگوں نے ان کے ساتھ ملاقاتیں کیں جو لوگ بادامی باغ چھاؤنی میں ان سے ملے ان میں نئے وزیر اعظم میٹر ک سنگھ بھی شامل تھے۔ انہیں بھدر رواہ سے بادامی باغ چھاؤنی میں منتقل کرنے کے ۴ روز بعد یعنی ۲۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو براہ کمر دیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ کی رہائی کے فوراً بعد کشمیر کے ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق کا مسئلہ شدت اختیار کر گیا۔ شیخ محمد عبداللہ کی رہائی سے قبل ریاست کے بعض سرحدی علاقوں میں مسلمانوں اور دوگرہ فوج کے درمیان مسلح جھڑپیں بھی شروع ہو گئی تھیں۔ ان سرحدی علاقوں میں امن وامان کی برقراری کا سارا کام دوگرہ

فوج کے سپرد تھا جس نے بعض علاقوں میں مسلمانوں پر مظالم ڈھائے تھے اور جس کی خود شیخ محمد عبداللہ نے بھی اپنے بیانات میں تصدیق کی تھی۔ شیخ محمد عبداللہ کی رہائی سے قبل ہی مسلم کانفرنس کے بعض راہنما مسلم لیگی لیڈروں کے ساتھ کشمیر کے معاملے پر تبادلہ خیال کرنے پاکستان جا چکے تھے۔ ان راہنماؤں میں میر واعظ مولانا محمد یوسف بھی شامل تھے جو ستمبر کے تیسرے ہفتے میں لاہور پہنچے تھے۔ پاکستان کے کچھ لیڈر جن میں میاں افتخار الدین، بریگیڈیئر حبیب الرحمن، سر ناصرہ صدیقی اور ڈاکٹر تاثیر بھی شامل تھے، سری نگر آئے اور یہاں شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ طویل بات چیت کی۔ سری نگر میں اس بات چیت کے نتیجے میں نیشنل کانفرنس کا ایک وفد جس کی قیادت خواجہ غلام محمد صادق کر رہے تھے، سری نگر سے مسلم لیگی لیڈروں سے الحاق کے سوال پر بات چیت کرنے لاہور گیا اور انہوں نے لاہور میں نواب افتخار حسین خاں محدوٹ اور دوسرے مسلم لیگی راہنماؤں سے ملاقاتیں کیں۔ میر واعظ مولوی محمد یوسف صاحب اور ان کے کچھ رفقاء لاہور ہی میں تھے، کہ اسی دوران ہم اکتوبر کو خواجہ غلام نبی گلکار نے انور کا لقب اختیار کر کے جموں کشمیر کے لئے ایک متوازی حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان لاہور کے اخبارات میں شائع ہوا، جس کے فوراً بعد گلکار صاحب راولپنڈی کے راستے سری نگر آ پہنچے۔ ان کی روانگی کے دو دن بعد میر واعظ مولانا محمد یوسف بھی سری نگر کے لئے روانہ ہو گئے، لیکن وہ قری سے آگے نہیں آ سکے، کیوں کہ انہیں بتایا گیا کہ گلکار لاہور سری نگر کے درمیان ٹرانسپورٹ کا چلنا بند ہو گیا ہے اور یہ سارا راستہ غیر محفوظ ہے۔ راستہ بند ہو جانے کی وجہ سے نیشنل کانفرنس کا وہ وفد بھی جو مسلم لیگی لیڈروں سے بات چیت کرنے لاہور گیا تھا اسی راستے سے واپس سری نگر نہیں آ سکا۔

لہ پاکستان کے ان لیڈروں اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان بات چیت کی رویداد مجھے بریگیڈیئر حبیب الرحمن نے راولپنڈی میں بتائی جو شیخ صاحب سے ملنے کے بعد بے حد مایوس ہو گئے تھے۔ بریگیڈیئر حبیب الرحمن میر پور کے رہنے والے تھے اور انہوں نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں سربط بھاش چندر بوس کے دوش بدوش کام کیا تھا اور انڈین نیشنل آرمی کو متظم کرنے میں ان کا زبردست دخل تھا۔





”من تو محمد ، تو من مشدی
 سرنگر کے لال چوک میں جب جواہر لال نہرو اور شیخ صاحب نے کشمیر اور ہندوستان
 کے درمیان عہد و پیمان کیا۔



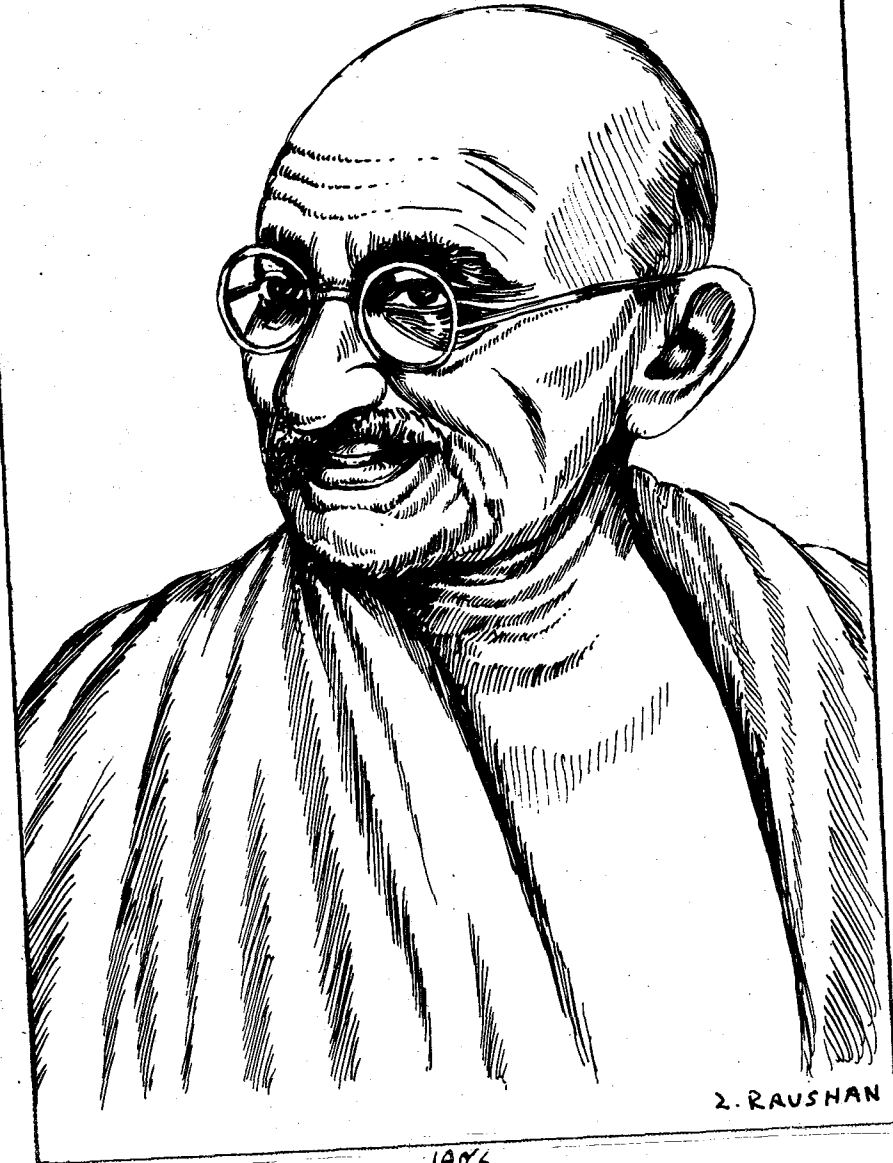
مہاراجہ ہری سنگھ



شیخ محمد عبد اللہ

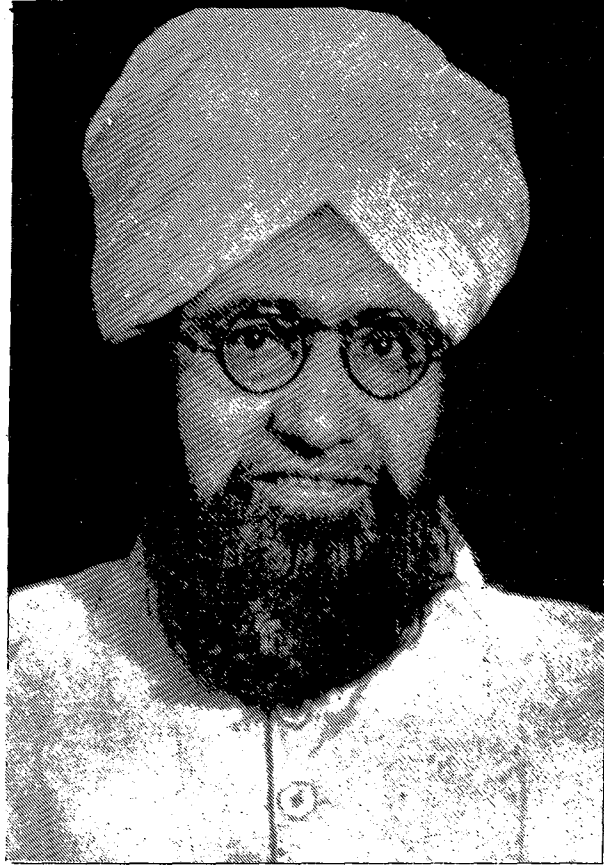


پنڈت جواہر لال نہرو جن کی کشمیر سے غیر معمولی دلچسپی نے سیاسی حالات کا
رُخ بدل کر رکھ دیا۔



2. RAUSHAN

۱۹۴۷ء
گاندھی جی — جو تقسیم ملک سے صرف دو ہفتے قبل کشمیر آئے اور جن کے کشمیر کے
دورے کے بڑے دور رس نتائج برآمد ہوئے۔



میر واعظ مولانا محمد یوسف



خواجہ غلام نبی گلکارا آؤرا جنہوں نے ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جہوں کشمیر کیلئے ایک
منتوازی حکومت کے قیام کا اعلان کیا اور جس کے وہ خود آؤر کے نام سے سربراہ تھے۔



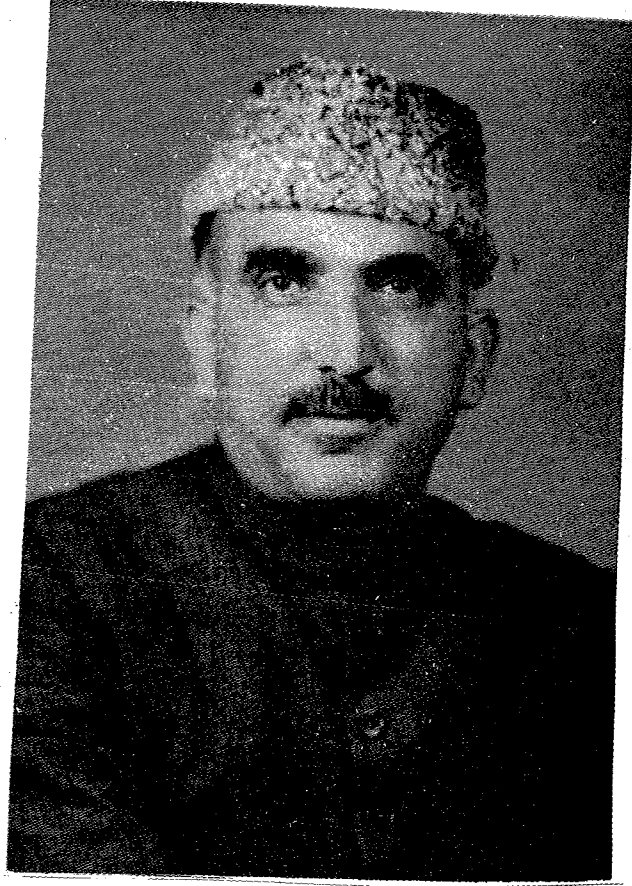
نئی دہلی لارڈ مونت پیٹن جوارالہ ہر کووندہ ستان کے پیپلز پریکٹس کے مورچہ صحت وادارہ میں



لیاقت علی خان کپہی بارغ (راولپنڈی) کے جلسے میں شرکت کیلئے آئے ہیں



لیاقت علی خان کی خدمت میں کپہی بارغ (راولپنڈی) کے جلسے میں پیاسا نامہ پیش کیا جا رہا ہے



بخشی غلام محمد



لیاقت علی خاں پاکستان کے پہلے وزیر اعظم جنہیں ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو ایک جلسہ عام میں قتل کر دیا گیا۔



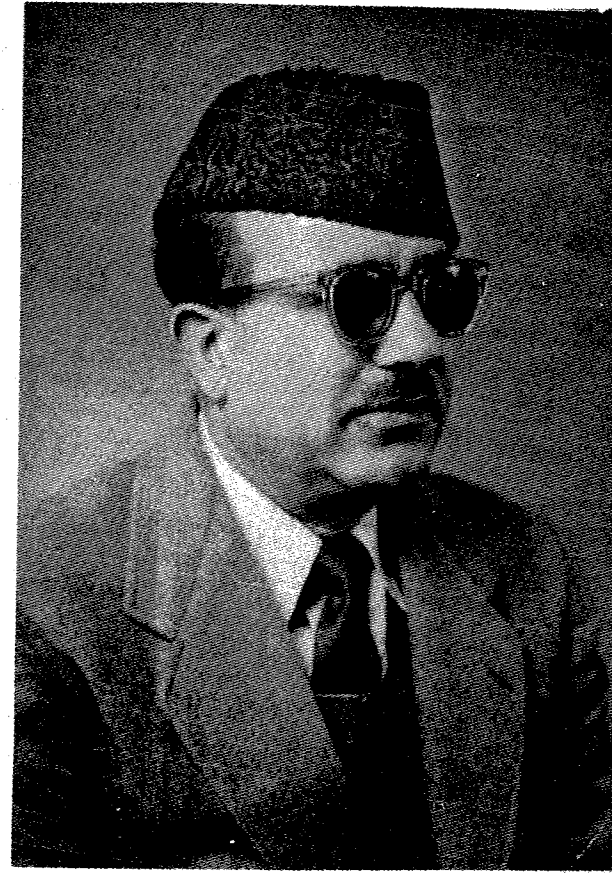
لیاقت علی خاں پر گولی چلانے کے بعد
سعید الدیکری لاش کو کمپنی بارغ میں پڑی ہوئی ہے



صدیوں پرانی درگاہ حضرت بل کی عمارت، جہاں سے مولے مبارک پھرائے گئے



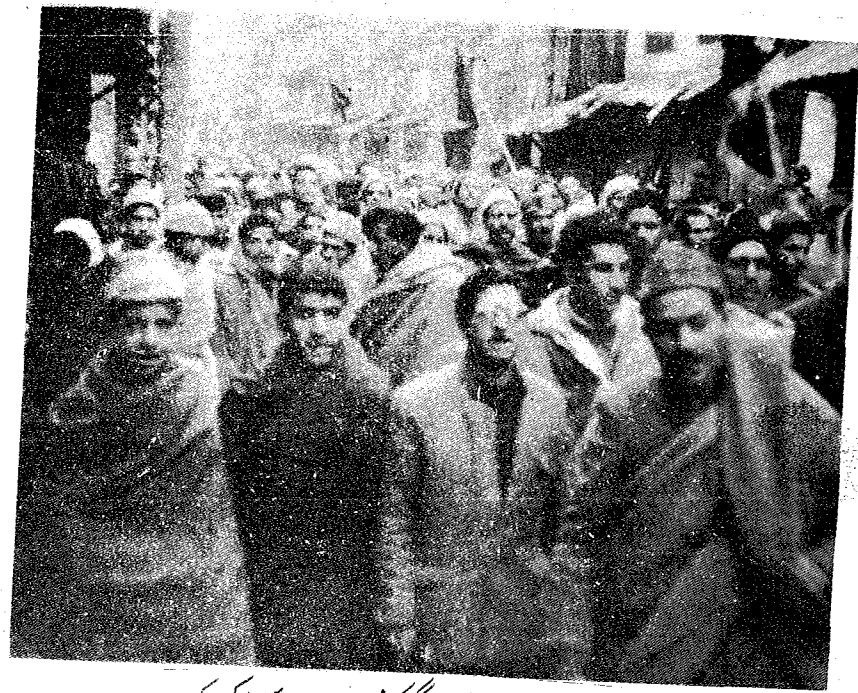
ہزارہا کی شہر کی عید گاہ سر سیکریس مولے مبارک کی واپسی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔



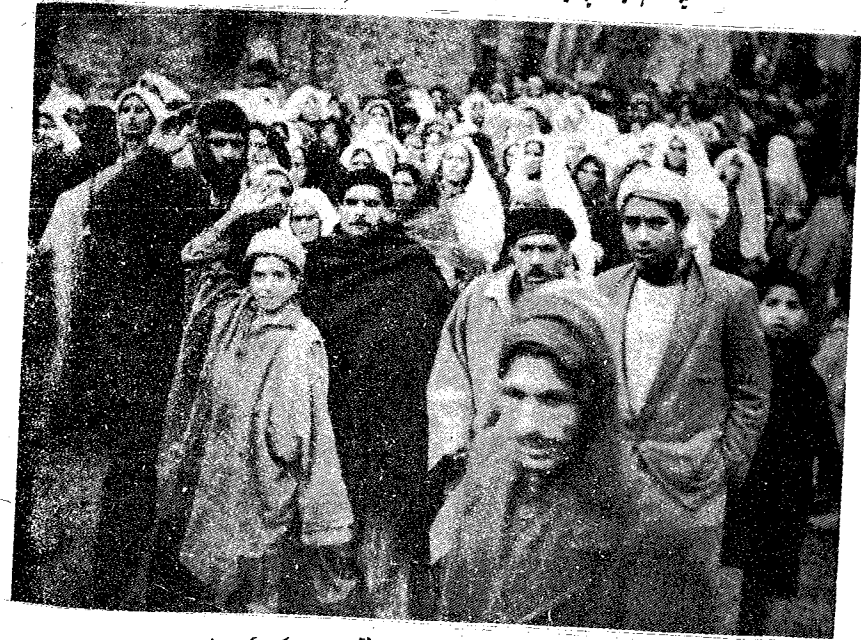
غلام محمد صادق



شمس الدین



جنوری ۱۹۶۲ء میں ہزاروں افراد کے سرنگیر کی شاہراہوں پر موئے مبارک کے چوری ہو جانے پر زبردست احتجاج کا ایک اور منظر۔



جنوری ۱۹۶۲ء میں سرنگیر کی شاہراہوں پر مرد اور خواتین موئے مبارک کی چوری پر احتجاج کرتے ہوئے۔

۱۵ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنے ایک دوست اور ایک سرکردہ قانون دان مسٹر مہر چند مہاجن کو اپنا وزیر عظم مقرر کیا۔ ۱۵ اکتوبر کو مہر چند مہاجن کی بطور وزیر اعظم کی تقرری کے ایک دن بعد یعنی ۱۶ اکتوبر کو شیخ محمد عبدالرشاد پانکٹ یہاں سے نئی دہلی گئے اور وہاں ایک ہفتے تک قیام کیا۔ انہوں نے نئی دہلی میں اپنے قیام کے دوران مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، مسٹر رفیع احمد قذافی، مسٹر آصف علی اور سردار دلچمپ بھائی پٹیل جو اس وقت ہند کے وزیر داخلہ تھے، کے ساتھ ملاقاتیں کیں اور ان ملاقاتوں میں مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے حکومت ہند کو بھیجی گئی وہ دستاویز الحاق زیر بحث آئی، جو حکومت ہند کے ایک اعلیٰ افسر مسٹر ڈی بی ہینن کھنیرا کو اور مہاراجہ کے ساتھ طویل مذاکرات کے بعد مرتب کر کے اپنے ہمراہ دہلی لے گئے تھے اور جس میں مہاراجہ ہری سنگھ نے ہندوؤں کے ساتھ دنا، مواصلا، اور امور خارجہ کے معاملات میں الحاق کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

ہینن لارڈ مونٹ پیٹن کے مشیر اعلیٰ تھے اور انہوں نے والیان ریاست اور والیس رائے کے درمیان ہندوؤں سے مختلف

ریاستوں کے الحاق کی بات چیت میں ایک اہم رول ادا کیا تھا۔ حکومت ہند نے شیخ محمد عبداللہ سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ کی دستاویز الحاق اس شرط کے تحت قبول کر لی کہ جموں کشمیر میں صورت حال معمول پر آئے ہی ہندوئین سے جموں کشمیر کے الحاق کے مسئلے پر ریاستی عوام کی رائے معلوم کی جائے گی۔

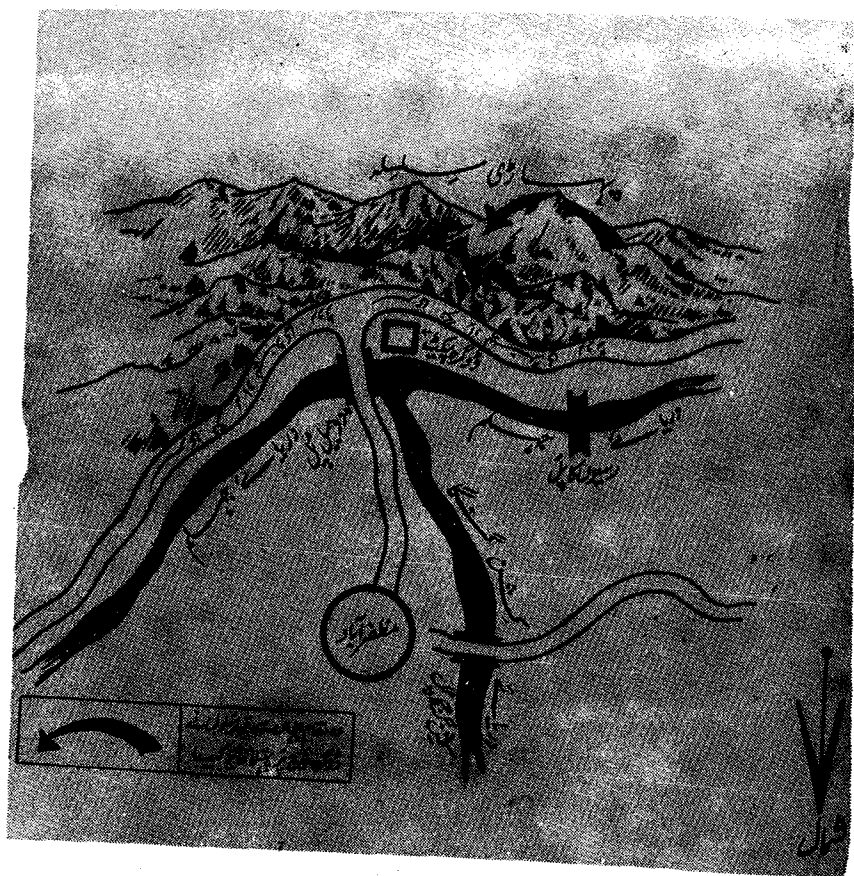
شیخ محمد عبداللہ اور ہندوستان کے لیڈروں کے درمیان جموں کشمیر کے مستقبل پر بات چیت جاری تھی کہ اسی دوران ۲۷ اکتوبر کی صبح کو جنرل اکن لیک نے جو ہندوستان اور پاکستان کی مشترکہ افواج کے سپریم کمانڈر تھے، حکومت ہند کو مطلع کیا کہ اُسے پاکستان کی بری فوج کے قیام کا منڈران چیف جنرل گریسی کی طرف سے یہ اطلاع ملی ہے کہ مسلح قبائلیوں کے ایک لشکر جس کی تعداد پانچ ہزار ہے، کشمیر پر حملہ کر دی ہے۔ وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے اس معاملے سے شیخ محمد عبداللہ کو باخبر کر دیا۔ چنانچہ وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان گفتگو کے نتیجے میں یہ طے ہوا کہ مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے جموں کشمیر کے ہندوئین سے الحاق کی دستاویز حکومت ہند کے لئے اس شرط کے تحت قابل قبول ہے کہ ریاست کے ہندوئین سے الحاق کا معاملہ تکٹ عارضی اور عبوری نوعیت کا ہے کہ جب تک ریاستی عوام سے استصواب رائے کے فیصلے اس کی توثیق نہیں کر دئی جاتی۔ اس کے ساتھ ہی جموں کشمیر میں حکومت کی تشکیل نو اور فوجی امداد کی مقبضین و کمافی کے معاملات طے کرنے کے بعد اگلے روز یعنی ۲۸ اکتوبر کو شیخ محمد عبداللہ ایک خصوصی فوجی طیارے میں نئی دہلی سے برنگر واپس پہنچے۔ ان کی برنگر میں واپسی کے بعد شہر کے ریاستی حلقوں میں یہ خبر گشت کرنے لگی کہ شیخ صاحب کو ہر چند مہاجن کی جگہ وزیر اعظم بنایا جا رہا ہے چنانچہ ۲۸ اکتوبر کو کو نہایت ڈرامائی انداز میں مہاراجہ ہری سنگھ نے جو سرنگر سے فرار ہو کر جموں جا چکے تھے، شیخ محمد عبداللہ کو جموں کشمیر کی ایڈمنسٹریشن کا ناظم اعلیٰ مقرر کرنے کا پیغام بھیجا۔ دوسری طرف اُس وقت تک قبائلی بارہاؤ پر قاضی ہو چکے تھے اور ۲۸ اکتوبر کو آزاد کشمیر حکومت کے قیام کا باقاعدہ اعلان بھی ہو چکا تھا۔ آزاد کشمیر حکومت کی باقاعدہ تشکیل کے سلسلے میں حکومت پاکستان نے سارا معاملہ شمال مغربی سرحدی مہاجرین کے ذرائع اعلیٰ یعنی خان عبدالغفور خان اور نواب اختر حسین خان آف مہاراجہ کی صوابدید پر چھوڑ دیا تھا چنانچہ انہوں نے راولپنڈی کے کشمیر مسٹر عبدالرحیم سے اس بارے میں ضروری کارروائی کرنے کو کہا۔ مسٹر عبدالرحیم حکومت پاکستان کی خواہش کے مطابق آزاد کشمیر کی پہلی انتظامی حکومت کا سربراہ میرزا عطاء مولا محمد

یوسف صاحب کو بنا چاہتے تھے، اس مقصد کے لئے انہوں نے میرزا عظیم صاحب سے قری اکثر ملاقاتیں کی اور انہیں آزاد کشمیر حکومت کی سربراہی قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میرزا عظیم صاحب اس پر آمادہ نہیں ہوئے۔ انہوں نے اس بارے میں یہ خدشہ ظاہر کیا کہ چونکہ ان کے بیوی بچے برنگر میں ہیں، اسلئے اگر وہ متوازی حکومت کے سربراہ بن جاتے ہیں تو اس سے ان کے اہل خاندان کو برنگر میں تکلیف پہنچنے کا احتمال ہے اور اس طرح حکومت پاکستان ایک غیر معترف اور جوئیز مسلم کانفرنسی لیڈر میرزا ابراہیم کو آزاد کشمیر حکومت کا صدر بنانے پر مجبور ہو گئی حالانکہ اس کے صرف چند ماہ بعد خود میرزا عطاء مولا محمد یوسف کی استدعا پر انہیں صدر ابراہیم کی کامیابی میں درخیریم بنایا گیا۔

اہل قبائلی

اس میں کوئی شک نہیں کہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء سے پہلے قبائلی پٹھانوں کی ایک خاصی تعداد پراپیٹ چمکڑوں اور لہلوں میں رابطہ آباد کے رستے مظفر آباد کے قریب و جوار میں پہنچ چکی تھی لیکن نہ تو ان کی تعداد پانچ ہزار تھی اور نہ ہی یہ کسی فوج کے ساتھ کسی جگہ ان کا ٹکڑا ہوا تھا جیسا کہ پاکستان کے انگریز قیام کا منڈران چیف جنرل گریسی نے اپنے انگریز سپریم کمانڈر جوائس وقت دہلی میں تھا کو اطلاع دی تھی جو قبائلی غیر منظم طور پر واپسی ساخت کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر پراپیٹ لہلوں اور چمکڑوں میں ایٹھ آباد کے رستے مظفر آباد کے دیہات میں آئے تھے ان کی زیادہ سے زیادہ تعداد دو ہزار تھی وہ دو دن تک مظفر آباد کے مغرب میں دریائے جہلم اور دریائے کشن گنگا کے کنارے پر واقع بعض علاقوں میں ہی رہے۔ ۲۳ اور ۲۴ اکتوبر کی درمیانی شب کو مظفر آباد کے قریب تقریباً ایک میل کے فاصلے پر جنوب کی طرف مسلح قبائلیوں کی دو گزیاں دریائے جہلم پر پلے گئے ریلوں کے پل پر رات کے اندھیرے میں گذر کر دھاکے مشرقی کنارے پر آئے۔ ریسول کا یہ پل جس پر نیک وقت ہر ایک ایک آدمی چل سکتا تھا اسول آبادی کے عبور و مرور کے لئے پہلے سے بنا ہوا تھا۔ دریا عبور کرنے کے بعد مسلح قبائلیوں کا یہ گروہ چھپ چھپا کر اُس چھوٹی سی پہاڑی کے اوپر پہنچ گیا جس کے دامن میں عین دریائے جہلم کے کنارے کو ڈال جانے والی سڑک پر دو میل پل سے صرف چند فلائنگ کے فاصلے پر دو گروہ فوج کا سرحدی کیمپ تھا۔ فوج کے کچھ سپاہی مظفر آباد میں رسول انتظامیہ کی مدد کے لئے بھی موجود رہتے تھے اور دوسری جانب دریائے کشن گنگا کے پل پر بھی ان کی ایک حفاظتی فوج تھی۔

مسلح قبائلیوں کا جو گروہ دو گروہ فوج کے کیمپ کی عقب الی پہاڑی پر پہنچا تھا اس نے ۲۴ اکتوبر کو صبح ہونے سے



پہلے دو گروہ فوج کے کیمپ پر فائرنگ کی۔ اس اچانک غیر متوقع اور عقب سے فائرنگ نے فوجی کیمپ میں زبردست جھگڑا اور ہنگامہ
 پیدا کر دی اور صرف چند گھنٹوں میں دو گروہ فوج کا یہ سرحدی کیمپ خالی ہو گیا۔ فوج گاڑیوں میں سوار ہو کر وہاں سے بیکسر راولپنڈی
 شاہراہ کے رستے بیکسر کی طرف بھاگ گئے مگر اور قبائلی بھی اسی آٹا میں پھنسلے اور پراپیٹیٹ لیسوں میں سوار ہو کر ان کے تعاقب
 میں چل پڑے۔ دو میل کے پل سے اوٹری تک دو ایک مقامات پر دو گروہ فوج اور قبائلیوں کے درمیان معمولی جھڑپیں ہوئیں لیکن
 دو گروہ فوج کسی بھی جگہ جم کر نہیں لڑ سکے۔ اوٹری پہنچنے کے بعد دو گروہ فوج نے وہ پل تباہ کر دیا جو اس شاہراہ پر بڑی اہمیت کا حامل
 تھا۔ اور جس کی تباہی قبائلیوں کی پیش قدمی میں رکاوٹ بن گئی۔ اب پل کے ایک کنارے پر دو گروہ فوج مورچہ بند تھی اور دوسرے
 کنارے پر قبائلی لشکر جمع ہو رہا تھا۔ سارا دلن عاشق طاری رہی۔ رات کے وقت قبائلیوں نے فائرنگ شروع کر دی اور بہت
 سے قبائلی پیدل دریا عبور کر کے اُس علاقے میں آ پہنچے جہاں دو گروہ فوج متعادل کر رہی تھی۔ پانچویں قبائلیوں کی آمد اور فائرنگ
 پر دو گروہ فوج پیا ہو کر بڑی سرعت کے ساتھ بارہمولہ کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔ گرد و نواح کی دیہاتی آبادی نے صرف ایک
 دن اور ایک رات میں قبائلیوں کی گاڑیوں کے لئے (DIVERSION) بنادی اور وہ ریاستی فوج کے تعاقب میں
 بارہمولہ کی طرف چل پڑے۔ دو گروہ فوج بھاگتے ہوئے بارہمولہ پہنچے جہاں اس نے کئی کانیں لوٹ لیں اور مسلمان خور و نوش
 حاصل کیا۔ قبیلے کی بیشتر آبادی قبائلی حملے کے پیش نظر اپنے گھر خالی کر کے محفوظ مقامات پر منتقل ہو گئی تھی جب دو گروہ فوج
 کو قبائلیوں کے دامن تک آنے کی اطلاع ملی تو وہ ان کی آمد سے پہلے ہی بارہمولہ خالی کر کے سرحد کی طرف فرار ہو گئی اور قبائلیوں
 نے فائرنگ کرتے ہوئے چلائے بارہمولہ پر قبضہ کر لیا۔ اور چھپراٹھوں نے بھی لوٹ مار شروع کر دی۔ بظہر آباد سے برق رفتاری کے
 ساتھ صرف دو دن میں بارہمولہ پہنچنے والے قبائلی بارہمولہ سے آگے نہیں بڑھے اور وہیں قیام کیا تا وقتیکہ ۱۲ اکتوبر کی صبح
 کو ان کی آمد کو روک دیا۔ دوام خبریں نشر ہوئیں۔ ایک یہ کہ ہمارا بھری نگہ نے ریاست جموں کشمیر کا الحاق ہندوؤں سے کر لیا
 اور دوسرا کہ ہندوستان نے ہمارا بھری درخواست قبول کرتے ہوئے ریاستی فوج کی مدد کے لئے انڈین آرمی بھیجا شروع کر دی
 اور تیسری اہم خبر جو آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوئی وہ یہ تھی کہ شیخ محمد عبداللہ نے ریاست جموں کشمیر کی ایڈمنسٹریشن کے
 لئے ہندوستان سے کچھ عرصہ بعد ہمارا جسٹس شیخ محمد عبداللہ کو باقاعدہ اپنا وزیر اعظم مقرر کیا اور انہوں نے
 ان کا بیڑہ بنائی۔ اُس میں شیخ غلام محمد نائب وزیر اعظم، مزار احمد افضل ریگت وزیر مال اور نذرت شیام لال آفران

وزیر محنت بنائے گئے۔ اس کا بیت میں جموں کے گروہاری لال دو گروہ اور کرنل پرست محمد بھی شامل تھے۔

جنرل طارق سرنگر کے وطن پر

۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء - عمار ادنیٰ ہندوستانی فوج طیاروں کے ذریعے سرنگر کے ہوائی اڈے پر اترتی رہی۔ ریاست جموں کشمیر کے ہندوؤں کے ساتھ الحاق کے باقاعدہ اعلان سے پاکستان کے حکمران شش برج میں پرگئے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ چنانچہ وزیر اعظم لیاقت علی خان فوراً کراچی سے لاہور آئے اور انہوں نے دہلی اعلیٰ سیاسی لیڈروں اور فوجی افسروں کی مشترکہ کانفرنس طلب کی اس کانفرنس میں شمال مغربی سرحدی صوبہ کے وزیر اعلیٰ خان عبدالقدیم، پنجاب کے وزیر اعلیٰ نواب ممدوٹ، سرحد کی حیات خان، میجر جنرل سکندر راجا جاس وقت وزارت وفاق میں جوائنٹ سیکریٹری تھے، بریڈیئر شرف خان اور بریڈیئر اکبر خان بھی شریک ہوئے، اس کانفرنس میں فوجی افسروں نے صورت حال کے پیش نظر فوری طور پر جموں پر قبضہ کرنے کی تجویز پیش کی لیکن وزیر اعظم نے اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا۔ کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ ایسی صورت میں ہندوستان، پاکستان پر حملہ کرے گا۔ اور ان کے لئے سنگین خطرے پیدا ہو جائیں گے، البتہ اس کانفرنس میں حملہ آور قبائلیوں کی ابداد، انہیں گولہ بارود فراہم کرنے اور مزید لوگوں کو کشمیر میں لڑنے کے لئے بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس ہجم کا سربراہ بریڈیئر اکبر خان کو مقرر کیا گیا اور انہوں نے جنرل طارق کے نام سے ایک بڑے ترتیب بکھری ہوئی، غیر منظم اور سابق فوجیوں اور قبائلیوں پر مشتمل فوج کی کمان سنبھال لی۔ اس سلسلے میں سب اہم اور دلچسپ بات یہ ہوئی کہ جوں ہی پاکستان کے گورنر جنرل برٹرہڈ علی جناح کو جموں کشمیر کے ہندوستان سے باقاعدہ الحاق کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے پاکستان کی بری فوج کے اگر زیر سربراہ کو حکم دیا کہ وہ فوری طور پر جموں پر قبضہ کر لے۔ گورنر جنرل کے بلٹی سیکریٹری نے جب یہ احکامات بری فوج کے کمانڈر انچیف تک پہنچائے تو اس نے اس پر عمل کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں دونوں ملکوں یعنی ہندوستان اور پاکستان کی مشترکہ فوجی کمانڈ کے پیریم کمانڈر جنرل آگن لیک کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔ جنرل طارق ۲۹ اکتوبر کو راولپنڈی سے سرنگر کی طرف روانہ ہوئے اور بغیر کسی مزاحمت کے بارہولہ پہنچ گئے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ قبائلی ۲۶ اکتوبر کی صبح کو ہی اگرچہ بارہولہ پہنچ چکے تھے، لیکن ۲۸ اکتوبر تک بارہولہ ہی میں رُکے رہے۔ جنرل طارق کو اس پر تعجب ہوا اور انہوں نے اس بارے میں جب پوچھا تو انہیں بتایا گیا کہ قبائلی لشکر کا پر سالار میجر خورشید بھٹہ حکومت پاکستان نے اس عہدے پر فائز کیا تھا، وہ دن

بمقام بارہولہ میں اس لئے رکھا، کیونکہ اُس نے مزارا برہم کو بارہولہ آنے کا پیغام بھیجا تھا تاکہ اُس کے ساتھ ریل طے کیا جاسکے کشمیر کی حکومت میں میجر خورشید کی پوزیشن کیا ہوگی میجر خورشید کو یقین تھا کہ قبائلی بارہولہ سے پیش قدمی کرنے کے چند گھنٹے بعد ہی دار الحکومت سرنگر پر قابض ہو جائیں گے۔ لیکن اُسے یہ معلوم تھا کہ ان دونوں کے دوران جو کچھ ہوا، اُس نے تاریخ کا دھارا بدل ڈالا ہو سکتا تھا کہ اگر قبائلی بارہولہ سے اُسی دن سرنگر آجاتے تو کشمیر کی کہانی بالکل مختلف ہوتی۔ جنرل طارق نے بتایا کہ وہ تقریباً نصف شب تک بارہولہ ہی میں ٹھہرے اور اس کے بعد وہاں سے اپنی فوجی جیپ گاڑی میں سرنگر کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہوں نے بتایا کہ بارہولہ سے سرنگر تک انہیں کسی جگہ کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا البتہ جب وہ سرنگر کے قریب پہنچے تو فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ سرنگر سے تقریباً چار میل دور ملٹن پر رُک گئے۔ کیونکہ اس سے آگے جیپ گاڑی میں آنا ممکن نہ تھا۔ انہوں نے وہ ایک مقامات پر قبائلیوں کو سرنگر کی جانب فائرنگ کرتے دیکھا جس سے انہیں یقین ہو گیا کہ وہ محاذ جنگ پر پہنچ چکے ہیں جنرل طارق نے اسی جگہ ایک مکان میں اپنی قیام گاہ بنالی اور سرنگر میں داخل ہونے کے منصوبے باندھنا شروع کئے لیکن چونکہ سرنگر کے باہر کے علاقے میں پانی ہی پانی تھا اور کھیت بھی پانی سے بھرے تھے اور بعض جگہ پانی بائیں کا پانی جمع ہو گیا تھا جس سے یہ سارا علاقہ ایک جھیل کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ اس لئے جنرل طارق انسانی کے ساتھ سرنگر میں داخل نہیں ہو سکے۔ انہوں نے جب ہر طرف بالوئی کے آثار دیکھے تو قبائلیوں کے ایک گروہ کو سرنگر کے راستے بلے بریڈیئر اکبر خان المعروف جنرل طارق سے میرا تعارف بریڈیئر حبیب الرحمن نے راولپنڈی میں اپنی قیام گاہ پر کر دیا تھا۔ وہ اکثر دہاں آجایا کرتے تھے۔ اور سیاسی مائل پر محبت و مباحثہ کیا کرتے تھے بعض اوقات ان کے ہمراہ ان کی بیوی سیکیم سیم اکبر بھی ہوا کرتی تھی۔ اس بحث و مباحثے میں عبدالرحمن آفریدی جو سرنگر سے ہجرت کر کے راولپنڈی میں مقیم تھا بھی حصہ لیا کرتا تھا۔ بریڈیئر اکبر خان کو کشمیر کی زبردست تڑپ تھی اور وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ کشمیر لیاقت علی خان کی غلطیوں کی وجہ سے پاکستان کے ہاتھ سے چلا گیا چنانچہ اپریل ۱۹۵۱ء میں جنرل اکبر خان کو جو اُس وقت پاکستان کی بری فوج کے چیف آف سٹاف تھے، حکومت پاکستان کا فخر اٹھنے کی سازش کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا اور ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ بعد میں وہ باعزت طور پر ہی گئے جنرل اکبر خان جنرل عبدالرحمن خان کے درمیان شروع سے ہی اختلافات چلے آئے تھے، چنانچہ پاکستان میں جنرل عبدالرحمن خان اور جنرل علی خان کے اختلاف کے خاتمے کے بعد برٹرہڈ جنرل اکبر خان کو برطانیہ میں پاکستان کا سفیر بنا کر بھیجا۔ جہاں وہ ۱۹۵۸ء میں انتقال کر گئے۔

فوج کے مورچے پر سامنے سے اور براہ راست ہل بول دینے کا حکم دیا تاکہ سرنگ میں داخل ہونے کا راستہ صاف ہو جائے۔ قبائلیوں نے فوج کی پوسٹ پر سامنے سے جوں ہی زوردار حمل کیا تو مشین گنز، مارٹر گنز اور رائفلوں نے اُن سب کو جھوٹ کے رکھ دیا اور یہ جانا کام ہو گیا۔ جنرل طارق وں کو اسی علاقے میں پھنپ کر رہتے۔ انہوں نے اپنی گاڑی کو درختوں سے کاٹی ہوئی ٹہنیوں اور جھاڑیوں سے ڈھانپ دیا تھا اور شام کے بعد جبکہ ہوائی حملے کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہتا تھا وہ اپنی فوجی سرگرمیاں شروع کر دیتے جنرل طارق نے ہندوستانی فوج کے بارے میں تقریباً ساری معلومات حاصل کر لیں اور بریگ کے دفاع کے بارے میں انہیں یقین ہو گیا کہ اگر اُن کے پاس صرف ایک ٹیالین فوج ہو تو وہ بریگ پر قبضہ کر سکتے تھے، اُن کا انٹیلیجنس بریگ تھا ایک دو بار انہوں نے نشستوں کے ذریعے بریگ میں داخل ہونے کا منصوبہ بنایا لیکن چونکہ اس کے لئے مقامی لوگوں کی مدد کی ضرورت تھی اور کسی مقامی شخص نے ایسی مدد فراہم کرنے پر ڈر کے مارے اکادگی ظاہر نہیں کی۔ اس لئے اس مدد کی عدم موجودگی میں اُن کا یہ منصوبہ بھی ناکام ہو گیا۔ تیسری شام کو جب سورج غروب ہو گیا اور طیاروں کا خطرہ ٹل گیا۔ تو جنرل طارق نے اپنی حیثیت گاڑی نکالی اور واپس روانہ ہو گئے۔ راولپنڈی پہنچ کر انہوں نے جنرل بیڈ ٹھاکر کے کوارٹر ماسٹر سے رابطہ قائم کیا اور متعلقہ افسر سے دو کٹرینڈ گاڑیاں اور فوج کی ایک جمنٹ مانگی۔ انہیں یقین تھا کہ صرف اس فوجی جمعیت سے وہ بریگ پر قبضہ کر لیں گے اور متعلقہ افسر سے سب کچھ لینے کے لئے تیار بھی ہو گیا تھا لیکن ریگڈیر شیرخان نے یہ مطالبہ مسترد کر دیا۔ قبائلی بے یار و مددگار چھوڑ دیتے گئے اور وہ بالوس ہو کر راہِ سفر را اختیار کرنے لگے۔ وہ جس برق رفتاری کے ساتھ بریگ کو پہنچے تھے، اُسی تیزی کے ساتھ پسپا ہوتے ہوئے اوڑی جاپہنچے اوڑی میں بھی اُن کی معمولی سی تعداد ڈھنڈھری اور باقی لوگوں نے اپنا راستہ لیا۔ کوئی ایک ہفتے بعد حکومتِ پاکستان نے جنرل طارق کو دوبارہ محاذ جنگ پر آنے کے لئے آواز دے کر لیا جتنا خوب وہ پھر شہر آئے، اوڑی تک کا سارا علاقہ ابھی قبائلیوں ہی کے قبضے میں تھا جنرل طارق نے اوڑی پہنچ کر منتشر قبائلیوں اور کچھ بے ہوشے سابق فوجیوں کو دوبارہ اکٹھا کر کے محاذ قائم کر لیا۔



کشمیر میں جنگ چھڑنے کے دو ماہ بعد ہندوستان نے جنوری ۱۹۴۸ء کے پہلے ہفتے میں کشمیر کا سوال اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل میں پیش کر دیا اور اقوام متحدہ سے یہ استدعا کی گئی کہ چونکہ آئینی اور قانونی لحاظ سے ریاست جمل کشمیر ہندوئین کا ایک حصہ بن چکی ہے اور پاکستان نے ہندوستان کے اس علاقے پر جب احاد حملہ کیا ہے، اس لئے اقوام متحدہ پاکستان کو خارج مسئلہ دیکر اس علاقے سے نکل جانے کی ہدایت کرے۔

چنانچہ جب لائتی کونسل میں اس مسئلے پر بحث شروع ہوئی تو ہندوستان کے نمائندے نے سرگوبلا سوامی آئی جی اور پاکستان کے نمائندہ وزیر خارجہ چوہدری نرمل غفر اللہ خان نے اس بحث میں حصہ لیا۔ دلائل اور جوابی دلائل سننے کے بعد ۲۱ اپریل ۱۹۴۸ء کو سلامتی کونسل نے کشمیر پر اپنی پہلی قرارداد پاس کی جس کے ذریعے ایک کمیشن کا قیام عمل میں لایا گیا اور اسے یہ کام سونپا گیا کہ وہ صغیر حاکم وہاں صورت حال اور حقائق کا جائزہ لینے کے بعد سلامتی کونسل کو اپنی رپورٹ پیش کرے اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندو پاکستان کے ممبر یہاں آئے، انہوں نے کراچی اور نئی دہلی کے علاوہ سری نگر اور مظفر آباد کا بھی

دورہ کیا۔ کمیشن کے کچھ ممبرینہ طور پر مجاز جنگ پر بھی پہنچے اور حقائق معلوم کرنے کے بعد انہوں نے سلامتی کونسل کو اپنی رپورٹ پیش کر دی۔ ۱۹۶۸ء کے دوران سارا سال کئی بار سیکورٹی کونسل کا اجلاس ہوا۔ اس میں کثیرہ بحث ہوتی رہی اور دوسری طرف کثیرہ کے اہم شعری علاقوں میں جنگ جاری رہی۔ اس کے علاوہ بھی ہندوستان اور پاکستان کثیرہ میں جنگ لڑنے کی بجائے گفت و شنید کے ذریعے اس مسئلے کو طے کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

اس کے ساتھ ساتھ خود کثیرہ میں بھی وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ اور مسلم کانفرنس کے رہنما چوہدری غلام عباس جو اس وقت سرسبز نرمل جیل سے جیل میں منتقل کئے جا چکے تھے، کے درمیان متعدد بار تبادلہ خیال ہوا۔ وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ نے جنوری اور فروری ۱۹۶۸ء کے مہینوں میں جب کہ ریاست کا صدر مقام موسم سرما کے سلسلے میں سری نگر سے جیل منتقل ہو چکا تھا، جوں جوں میں چوہدری غلام عباس کے ساتھ نین بار ملاقات کی اور تیسری ملاقات کے دوران دونوں سیاسی لیڈر ایک فاموسے پرمٹفق ہو گئے۔ چنانچہ وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ نے ۲۶ فروری ۱۹۶۸ء کو اپنے نائب بخشی غلام محمد کو جن کی تحویل میں لائیڈز آرڈر کا مسکہ تھا، اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا کہ وہ چوہدری غلام عباس کو جیل میں سے رہا کرنے اور سوچیت گٹھ کے راستے پاکستان بھیجنے کا انتظام کریں۔ چنانچہ ۲۸ فروری ۱۹۶۸ء کو چوہدری غلام عباس جیل سے رہا کر دیے گئے اور ۲۸ مارچ کے پاکستانی اخبارات میں ان کی رہائی اور سوچیت گٹھ کے راستے ان کے سیالکوٹ پہنچنے کی خبر شائع ہوئی۔ چوہدری غلام عباس کے خوش واقارب اور بڑی بچے سیالکوٹ ہی میں تھے، جو ستمبر ۱۹۶۴ء کے فسادات کے دوران جیل سے جبراً کر کے سیالکوٹ گئے تھے۔ چوہدری صاحب ہر شخص سے ملنے پہے تو کثیرہ کے بہت سے کردہ سیاسی لیڈر اور پاکستان کے کچھ معانی سیالکوٹ ان سے ملنے گئے۔ چوہدری صاحب ہر شخص سے ملنے پہے لیکن انہوں نے اپنی آمد اور اپنے مشن کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا بلکہ سارا معاملہ صیغہ رازی ہی میں رکھا۔ جب اخباری نمائندوں نے انہیں کچھ بتانے پر مجبور کیا تو انہوں نے بڑے پراسرار انداز میں یہ کہا کہ۔۔۔ ”جب تک میں کراچی جا کر قاید اعظم سے نہیں ملتا میں کوئی بات ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے قائد اعظم سے ملنے دیکھنے پھر سب کچھ آپ کو بتا دوں گا۔“ مختلف قسم کی قیاس آرائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ہر شخص اس بات کا منتظر رہا کہ وہ کب کراچی جاتے ہیں؟ سیالکوٹ میں کچھ عرصہ تک قیام کے بعد چوہدری غلام عباس سیالکوٹ سے لاہور پہنچے، وہاں دو دن گزارنے کے بعد وہ کراچی روانہ ہو گئے۔ چوہدری غلام عباس

کراچی پہنچے اور انہوں نے قاید اعظم محمد علی جناح کے ساتھ ملاقات بھی کی اور کوئی ایک ہفتے تک کراچی میں ٹھہرنے کے بعد جب واپس لاہور پہنچے۔ اور بعض صحافیوں کو ان کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے چوہدری غلام عباس کی قیام گاہ پر جا کر ان سے کچھ پوچھنا چاہا۔ چوہدری غلام عباس نے ان صحافیوں کو سرسری طور پر بتایا کہ وہ کل اخباری نمائندوں کو ساری صورت حال کے سے آگاہ کریں گے لیکن وہ اس دن شام کو کچھپنے سے لے گاڑی میں سوار ہو کر لاہور سے واپس آئے۔ سیالکوٹ جا پہنچے اور پھر خاموش ہو گئے۔ جب برس کے بعد جب چوہدری صاحب ایبٹ آباد کی قیام پذیر تھے تو ایک دن میں نے اس بارے میں ان سے استفسار کیا کہ آپ جب کثیرہ سے سیالکوٹ آئے تھے تو آپ نے بتایا تھا کہ آپ اپنے مشن کے بارے میں اس وقت تک کسی کو کچھ نہیں بتانا چاہتے تھے جب تک کہ آپ قاید اعظم سے نہ مل لیں، لیکن بعد میں قاید اعظم سے ملنے کے باوجود آپ نے اپنے مشن کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا کہ آخر آپ کی جیل میں سے رہائی اور پاکستان میں آمد کا پس منظر کیا تھا؟۔۔۔ چوہدری غلام عباس اس معاملے کو ٹال گئے البتہ وعدہ کیا کہ وہ یہ ساری بات اپنی رفیقینف کتاب ”کشمکش“ میں ظاہر کر دیں گے۔ جب ”کشمکش“ شائع ہوئی تو ان میں کئی اس معاملے کا کوئی ذکر نہ تھا۔ چنانچہ ایک دن موقع پا کر میں نے چوہدری غلام عباس کو یاد دلایا کہ وہ ”کشمکش“ میں بھی اپنی جیل میں کئے رہائی اور پاکستان میں آمد کے مشن کا مسئلہ ٹال گئے ہیں اور پھر میں نے انہیں بتایا کہ مجھے آپ کے مشن کے بارے میں اگر سب کچھ نہیں تو بہت کچھ معلوم ہے کیونکہ وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ کا سیکورٹی افسر سطر ملہر یا کثیرہ سے پاک اتان آچکا ہے اور اس نے مجھے جیل میں آپ کے اور شیخ صاحب کے درمیان ملاقاتوں کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔۔۔ چنانچہ چوہدری صاحب نے مجھ سے یہ قول و قرار لینے کے بعد کہ میں اس بارے میں اخبار میں کچھ بھی نہیں شائع کروں گا یہ اکتان کیا کہ۔۔۔ میرے اور شیخ صاحب کے درمیان بہت سے

۱۔ چوہدری غلام عباس سے میری پہلی ملاقات لاہور میں انارکلی کے دہلی مسلم ہسپتال میں ہوئی، جہاں چوہدری صاحب کے کراچی روانہ ہونے سے پہلے وہ وہاں تھے اور اس کے بعد ۱۹۵۶ء تک بار بار ان کے ساتھ میرے ملاقات ہوئے۔

۲۔ سطر ملہر یا جیل کے رہنے والے تھے اور جیل کثیرہ پولیس میں سب سے بڑے تھے۔ وہ کثیرہ میں جنگ بندی کے بعد پاکستان چلے گئے جہاں انہوں نے نوجوب میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔

معاہدوں پر بات چیت ہوتی تھی۔ اس بات چیت کے دوران ہم دونوں اس بات متفق ہو گئے تھے کہ کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے کسی نہ کسی طرح ختم کیا جائے (یاد رہے کہ ان دنوں زیارت میں جنگ ہو رہی تھی) چنانچہ ہم دونوں کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ۔۔۔ کشمیر میں ہندوستان اور پاکستان جنگ بڑھ کر دیں اور جوں کی بھینس کی ۱۵۔ اگست ۱۹۴۷ء کی پوزیشن بحال کر دی جائے۔ ریاست میں جو بڑی دور کے لئے نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کی ایک ملی جلی حکومت انتظام سمجھا لے اور ریاست کے دونوں ملکوں کے ساتھ تجارتی تعلقات اور راستوں کی آمد و رفت بحال کر دی جائے تین برس کے بعد اس مقصد کے لئے رائے شماری کروائی جائے گی کہ ریاست کے لوگ اپنی پوزیشن کو کدائی شکل دینا چاہتے ہیں، یا ہندوستان اور پاکستان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں۔ ان تمام مسایلیں اور امور کو طے کرنے کے لئے ہندوستان اور پاکستان کے باہمی اربابوں، شیخ محمد عبداللہ میرے اور ہم دونوں کے رفقاء کی ایک گول میز کانفرنس کی تجویز پر بھی اتفاق رائے ہو چکا تھا۔

جوہدری غلام عباس نے مجھے بتایا کہ۔۔۔ میں نے جب یہ سارا معاملہ قائد اعظم کے سامنے رکھا تو انہوں نے اس معاملے پر شبہات ظاہر کرتے ہوئے یہ فیصلہ لا سکا کہ یہاں کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا اور کہا کہ چونکہ کشمیر کا معاملہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ہے، اس لئے ہمیں عالمی ادارے کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے۔

چنانچہ میں نے "قومی مفاد کے پیش نظر ہر مرحلے پر اپنے اس مشن کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتانا چاہا۔۔۔" انہوں نے یہ بھی انکشاف کیا کہ۔۔۔ "جب اپریل ۱۹۵۳ء کے دوسرے ہفتے میں امریکہ کے نائب صدر سٹراٹیلانی میٹروپولیٹن راولپنڈی آئے تھے تو خود انہوں نے ہی پاکستانی حکام کے ذریعے مجھے یہ پیغام بھیجا تھا کہ میں ان سے ملوں، چنانچہ میں ایسٹ آباد سے راولپنڈی گیا، جہاں سرٹ ڈاؤس میں سٹراٹیلانی سٹیٹس کے ساتھ ملاقات کے دوران ان فارمولے پر کئی بات چیت ہوئی تھی اور سٹراٹیلانی نے مجھے بتایا تھا کہ شیخ محمد عبداللہ نے انہیں اس فارمولے اور میری رائے وغیرہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔" یاد رہے کہ سٹراٹیلانی میٹروپولیٹن جو امریکہ کے نائب صدر اور صدر انتخابات میں امریکی صدر کے ہونے کے امیدوار تھے، جب اس برصغیر کے دورے پر آئے تو وہ نئی دہلی سے رینگ بھی گئے تھے۔ یہاں انہوں نے اپنے مختصر قیام کے دوران وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ سے بھی ملاقات کی تھی۔ ان کی آمد سے پہلے ہی دہلی میں مستقین

امریکی سفیر نے بھی سرنگر کر حالات کا جائزہ لیا تھا اور شیخ محمد عبداللہ کے علاوہ کچھ دوسرے لوگوں سے بھی ملاقاتیں کی تھیں۔

۱۹۴۸ء کی ابتدا میں بھی ایک مرحلے پر وزیر اعظم ہند نہرو جواہر لال نہرو نے بھی اس مسئلے کو سیاسی گفت و شنید کے ذریعے حل کرنے کے لئے دونوں ملکوں کے درمیان ایک رائونڈ ٹیبل کانفرنس کی تجویز پیش کی تھی، انہوں نے اپنی اس تجویز میں کہا تھا کہ اگر گول میز کانفرنس میں ہندوستان اور پاکستان کے گورنر جنرل یعنی لارڈ مونت بیٹن اور سر محمد علی جناح، دونوں ملکوں کے وزرائے اعظم یعنی پتہ جواہر لال نہرو اور خان اسیت علی خان اور مسز ارجہ ہری سنگھ اور جموں کشمیر کے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ شامل ہوں۔ تجویز میں باہمی صلاح مشورے کے سبب لوگوں کی کانفرنس میں شمولیت کی گنجائش بھی رکھی گئی تھی۔ حکومت پاکستان نے اس تجویز پر غور کرنے کے بعد بے بسی کے تحت قبول کر لیا تھا۔ لیکن علی خان نے اس سلسلے میں حکومت ہند کو بتایا کہ چونکہ گورنر جنرل پاکستان کی طبیعت نامناسب ہے۔ اس لئے وہ نئی دہلی نہیں آسکیں گے۔ پاکستان جو نہ گول میز کانفرنس لاہور میں منعقد کرنے پر آمادہ ہے اور حکومت ہند کی طرف سے اس کانفرنس میں شمولیت کے لئے جو نام تجویز کئے گئے ہیں، ان میں سے جوں کی بھینس کے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کے ہوا سارے نام پاکستان کے لئے قابل قبول ہیں۔ لیکن بعد میں یہ گول میز کانفرنس منعقد نہیں ہو سکی

جولائی ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندوپاکستان نے دونوں ملکوں کی حکومتوں کو جوں کی بھینس جنگ بندی اور اس تنازعے کے تصفیے کے بارے میں اپنی تجویز پیش کی، جنہیں دونوں ممالک نے قبول کر لیا۔ اسکے چند ہفتے بعد یعنی ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو گورنر جنرل پاکستان سر محمد علی جناح انتقال کر گئے اور کچھ روز بعد ہی ہندوستان کی فوج حیدرآباد میں داخل ہو گئی۔



۶



کمیشنر کے معاملے پر اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندو پاکستان نے دونوں ملکوں کے ساتھ طویل بات چیت کے بعد جنگ بندی کا جو مجبورہ تجویز کیا، اس میں یہ طے ہوا کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں پر کمیشنر جنگ بندی کر دیں، جس کے بعد جنگ بندی کی نگرانی کے لئے اقوام متحدہ کے فوجی مبصرین تعینات کئے جائیں گے اور اس کے بعد ریاست میں معمول کی صورت حال بحال کرنے کے لئے دونوں جانب مسلح سپاہیوں کی تعداد بالکل کم کر دی جائے گی اور جب معمول کی صورت حال بحال ہو جائے گی تو اقوام متحدہ کی نگرانی میں اس بات پر استصواب رائے کروایا جائے گا کہ جموں کشمیر کے لوگ ہندوؤں میں رہنا چاہتے ہیں یا پاکستان سے الحاق کرنا چاہتے ہیں یا پھر ایک خود مختار ملک کی حیثیت اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ فائر لائن ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں نے منظور کیا جس کے مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۴۸ء رات کے بارہ بجے کمیشنر کے پورے محاذ پر جنگ بندی کا اعلان ہوا چنانچہ ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کو یکسوئی کونسل نے دونوں ملکوں کے درمیان مجبورہ کی توثیق کے سلسلے میں ایک قرارداد پاس کر دی، جس کے مطابق جنگ بندی کی نگرانی کے لئے اقوام متحدہ

کے فوجی ممبرین بشیر آنا شروع ہو گئے۔ جب جنگ بندی ہوئی تو اس وقت ریاست کی صورت حال یہ تھی کہ ضلع میرپور کا تقریباً نصف علاقہ جو پاکستان کی سرحد کے ساتھ ملتا تھا، ضلع پونچھ کا تقریباً نصف علاقہ جو پاکستان کی سرحد کے ساتھ ملتا تھا۔ اور ضلع مظفر آباد کا وہ بیشتر علاقہ جو پاکستان کی سرحد کے ساتھ ملتا تھا، پاکستان کی تحویل میں چلا گیا اور باقی ساری ریاست ہندوستان کی عملداری میں آگئی۔

جبوں کشمیر میں جنگ بندی کے سوال پر پاکستان کی مسلح افواج کے بعض جنرلوں اور وزیر اعظم لیاقت علی خاں کے درمیان اتفاق رائے نہیں تھا۔ فوجی انٹرول کا خیال تھا کہ جنگ بندی اس وقت ہونی چاہیے تھی۔ جب پونچھ کا بیشتر علاقہ پاکستان کے قبضے میں تھا اور پاکستان کی فوج یاد پور کے سلسلہ کوہ سے بارہمولہ کی طرف پیش قدمی کر رہی تھی۔ یہ صورت حال جنگ بندی سے صرف ۳ ماہ پہلے کی تھی اور غالباً حکومت ہند اس امر سے بخوبی واقف تھی کہ ڈیڑھ دو مہینے میں جنگ بند ہو جائے گی، اس لئے اس نے کشمیر میں ایک ایسا زوردار حکم کیا، جس میں اس نے فوجی اہمیت کے بہت سے مقامات پاکستانیوں سے چھین لئے لیکن دوسری طرف پاکستان کی حکومت اور کشمیر میں لڑنے والے ان کے ہلکار اسے معاملات سے بالکل بے خبر تھے چنانچہ جب جنگ بندی کے بارے میں فوجی انٹرول سے صلاح مشورہ کیا گیا تو انہوں نے پاکستان کے وزیر اعظم کو یہ مشورہ دیا کہ وہ جنگ بندی کو کم از کم دو ایک ماہ کے لئے ملتے رہیں تاکہ پاکستان دوبارہ صف بندی کر کے محاذ جنگ پر ایسی پوزیشن اختیار کر لے جو سیاسی مذاکرات میں پاکستان کی بات مٹانے کا سبب بن سکے لیکن لیاقت علی خاں نے یہ مشورہ مسترد کر دیا۔ اور جنگ بندی کے سمجھوتے پر دستخط کر دیے گئے۔

جبوں کشمیر میں جنگ بندی کے بعد جب مسئلے کے حل کی طرف کوئی پیش قدمی نہیں ہوئی تو پاکستان کی درخواست پر پھر سلامتی کونسل کا اجلاس ہوا اور کونسل نے ایک قرارداد پاس کی جس کی رو سے اسٹریٹجک ایک فائلز دان ہر دونوں ڈکس کو فریقین کے درمیان مصالحت کرانے اور کشمیر کا تنازعہ حل کرانے کے لئے مقرر کیا گیا۔ مقرر ڈکس ۲۰ مئی ۱۹۴۵ کو جیفر آئے۔ انہوں نے ہندوستان اور پاکستان کے علاوہ کشمیری لیڈروں سے بھی اس مسئلے کے تقریباً تمام پہلوؤں پر طویل مذاکرات کئے اور ان مذاکرات کے نتیجے میں مسئلے کے تصفیے کے لئے ایک پلان پیش کیا۔ ڈکس پلان کے مطابق وادی کو آزاد کشمیر اور جموں کے بعض علاقوں سے الگ لکھنے اور اسے ایک مختصر مدت تک خود مختاری دینا مقصود تھی اور اس

مختصر مدت کے خاتمے پر ساری ریاستی آبادی کی مجموعی رائے حاصل کر کے اس مسئلے کا کوئی پائیدار حل نکالنا بھی ڈکس پلان کا منشا تھا اور خود جب کہ کشمیر کے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ نے بھی ڈکس پلان کی حمایت کی تھی اور اس سلسلے میں انہوں نے ایک برطانوی اخبار "ایز روز" کو ایک انٹرویو بھی دیا تھا۔ جس پر نئی دہلی کو تشویش لاحق ہوئی۔ چنانچہ شیخ صاحب کو نئی دہلی بلایا گیا۔ جہاں انہوں نے اس قسم کے انٹرویو سے لائق ظاہر کر دی۔ ڈکس کی ناکامی کے بعد سلامتی کونسل نے ایک اور مصالحت کنندہ ڈاکٹر گرام کو برصغیر بھیجا اور وہ بھی ناکام ہو گیا۔ اس کے بعد بھی سلامتی کونسل کے اجلاس ہوتے رہے اور اس مسئلے کا کوئی حل تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی رہی۔ چنانچہ پاکستان کی درخواست پر ۱۹۵۶ء میں سلامتی کونسل کا چوتھا اجلاس ہوا۔ اس میں طویل صلاح مشورے کے بعد ۲۲ جنوری ۱۹۵۷ء کو ایک قرارداد کونسل کے گیارہ ممبروں (اس وقت کونسل کے صرف گیارہ ممبر ہوا کرتے تھے) میں سے دس کی حمایت سے منظور کی گئی جس میں یہ کہا گیا تھا کہ چونکہ ہندوستان اور پاکستان سلامتی کونسل کی تیار دافوں پر عمل کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ اس لئے کشمیر سے دونوں ممالک کی افواج کو واپس بلالیا جائے اور ان کی جگہ ان وظائف کی برقراری کے لئے اقوام متحدہ کی فوج اس وقت تک کشمیر میں متعین کی جائے، جب تک کشمیری عوام ایک آزادانہ رائے شماری کے ذریعے اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں۔ لیکن روس نے اس قرارداد کو وٹو کر دیا۔ ایکے بعد بعض ممبروں کے ساتھ ایک دوسری قرارداد پیش کی گئی اور اسے بھی روس نے وٹو کر دیا۔ تاہم کونسل کا اجلاس تھوڑے تھوڑے وقفے سے جاری رہا اور پھر کونسل میں ایک اور قرارداد پیش کی گئی جس میں کونسل کے اس وقت کے صدر مہٹیارنگ کو کشمیر کے تنازعے کا تصفیہ کرانے کے لئے مصالحت کنندہ مقرر کرنے کی تجویز دی گئی اور انہیں یہ کام سونپا گیا کہ وہ کشمیر سے فوجوں کے انخلا کا مشفقہ کار بھی طے کریں۔ اس قرارداد کے حق میں بھی گیارہ میں سے دس ووٹ آئے۔ البتہ چونکہ روس غیر جانبدار رہا۔ اس لئے قرارداد منظور ہو گئی اور مہٹیارنگ بھی اس تنازعے کو طے کرانے کے لئے کشمیر آئے اور طویل مذاکرات کے بعد ناکام ہو کر واپس لوٹ گئے۔

جبوں کشمیر میں جنگ بندی کے بعد داخلی طور پر ریاست کا ایک نیا باب بھی شروع ہو چکا تھا۔ ہندوستان کی عملداری جس علاقے میں تھی وہاں نیشنل کانفرنس کی حکومت تھی اور جو علاقہ پاکستان کی تحویل میں چلا گیا اس میں مسلم کانفرنس کی حکومت تھی۔ نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس اس ریاست کی دو بڑی سیاسی پارٹیاں تھیں اور آہستہ آہستہ ان

دولوں بڑی سی ای پاریٹوں کے لیڈروں میں پھوٹ پڑنے لگی چنانچہ چوہدری غلام عباس نے لیانیت علی خان کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ آزاد کشمیر میں سردار ابراہیم خان کی حکومت برطرف کر دی جائے اور اس علاقے کے معاملات چوہدری صاحب کے سپرد کئے جائیں۔ سردار محمد سدا بہیم خان کی بطنی کے بعد چوہدری غلام عباس خود صدر نہیں بنے کیونکہ وہ آزاد کشمیر کے صدر کے ہونے کے لئے شایان شان نہیں سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے میر لود کے ایک ریٹائرڈ فوجی انسٹر علی احمد شاہ کو آزاد کشمیر کی حکومت کا صدر بنایا اور خود اس حکومت کے سپریم کورم ہیڈ بن گئے۔ شرم کانفرنس کے لیڈروں میں پھوٹ بڑھتی چلی گئی۔ سردار ابراہیم چوہدری غلام عباس کے خلاف برسہا برس پکار رہے تھے کہ شرم کانفرنس کے جنرل سیکریٹری آغا شوکت علی اور شرم کانفرنس کے مانیول میں سے ایکس ایم رہنما میر واعظ مولانا محمد یوسف جو اس وقت وزیر تعلیم تھے، نے پارٹی اور حکومت دونوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اختلافات زور پکڑنے لگے اور ان کے سبب بعض کثیرینی رہنماؤں کی روزی کی سبیل پیدا ہو گئی۔ وہ اس طرح کہ مولوی عبدالرحیم، میر واعظ محمد عسک اللہ شاہ شوبانی، پیر ضیاء الدین بدکانی اور محمد یوسف قریشی کے لئے معقول بلانہ تنخواہیں مقرر کر کے چوہدری غلام عباس نے انہیں اپنے ساتھ ملا لیا لیکن اس کے باوجود چوہدری صاحب کو اطمینان اور چین میں نہیں آسکا کیونکہ پاکستان کے وزیر نے انہیں آزاد کشمیر میں ان کے ساتھ گورمانی ان کے خلاف تھے۔ گورمانی صاحب کا ہنا تھا کہ جس طرح ایک میان میں دو تواریں نہیں سما سکتیں اسی طرح ایک ملک میں دو قائدیت نہیں ہو سکتے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ قائدیت لیانیت علی خان کی موجودگی میں غلام عباس کی حیثیت ہی کیسا ہے کہ وہ قائدیت بنا پھر رہے۔ لیکن غلام عباس لیانیت علی خان کے قتل اور خواجہ نظام الدین کے پاکستان کا وزیر عظم بننے پر لڑائی میں شک اور ملک کے مرکزی وزیر داخلہ بننے لگے تو انہوں نے صرف چار ماہ کی مدت کے اندر اندر چوہدری غلام عباس کی نمکدوشی کا انتظام کر لیا اور میر واعظ مولانا محمد یوسف کو آزاد کشمیر کی نگران حکومت کا صدر بنا دیا گیا۔ میر واعظ صاحب خود اور حکومت سے جو محبائل ناواقف تھے اسلئے انہوں نے اپنے چچا زاد بھائی مولوی محمد نواز الدین، محمد یوسف بڑھ اور مولوی عبد الرحیم کو اپنا مشترکہ

میر واعظ صاحب کو دستک دیا گیا

مرکز محمد یوسف بڑھ اس سے پہلے چوہدری غلام عباس سپریم ہیڈ آف آزاد کشمیر گورنمنٹ کے پرسنل سیکریٹری اور مولوی عبدالرحیم چوہدری صاحب کے مشیر خاص تھے۔ میر واعظ صاحب کی نگران حکومت صرف

گھیارہ مہینے چل سکی۔ کیونکہ پاکستان کی وزارت امور کشمیر کے سیکریٹریوں اور میر واعظ صاحب کے درمیان بے اعتدالی پیدا ہو گئی تھی۔ ان لئے انہوں نے کراچی کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ میر واعظ صاحب کی جگہ آزاد کشمیر کے کسی باشندے کو صدر بنایا جائے۔ ان ہی دولوں آزاد کشمیر کا سالار بھٹ نا کر امور کشمیر کے جو اینٹ سیکریٹری جن کا دفتر راولپنڈی میں ہوا کرتا تھا، کو منظوری کے لئے بھیجا گیا تھا چنانچہ جو اینٹ سیکریٹری نے میر واعظ صاحب کو راولپنڈی آکر اس بجٹ پر بات چیت کرنے کے لئے کہا۔ میر واعظ صاحب راولپنڈی گئے، جہاں حکومت پاکستان کے جو اینٹ سیکریٹری برائے امور کشمیر نے انہیں ایک متبادل بجٹ کا مسودہ پیش کیا اور انہیں بتایا کہ پاکستان کے اہلکاروں نے جو بجٹ تیار کیا ہے اس میں آزاد کشمیر کی ترقی کے لئے زیادہ امدادی رقمات منظور کی جا رہی ہیں۔ میر واعظ صاحب نے گفت و شنید کے دوران بھٹو نے سے پس و پیش کے بعد اس بات کے اتفاق کر لیا کہ حکومت پاکستان کی وزارت امور کشمیر جو بجٹ جو تیار کیا آزاد کشمیر کے لئے تیار کرے گی، وہ میر واعظ صاحب کیلئے قابل قبول ہوں گی۔ چنانچہ اگلے دن جو اینٹ سیکریٹری نے میر واعظ صاحب کی قیام گاہ انصرال روڈ راولپنڈی میں ٹیلیفون پر میر واعظ صاحب سے استعفا کی کردہ۔ انہیں آزادہ کو بھی جہاں وزارت امور کشمیر کے دفاتر تھے، تشریف لائیں تاکہ انہیں آزاد کشمیر کے بجٹ کا گوشوارہ پیش کیا جاسکے۔ میر واعظ صاحب بعد دوپہر وزارت امور کشمیر کے سیکریٹری میں گئے، جہاں جو اینٹ سیکریٹری نے ان کا پرچہ غیر مقدم کرتے ہوئے انہیں اپنے کمرے میں لے کر آزاد کشمیر کے بجٹ کا انگریزی مسودہ دکھایا اور اس کے ساتھ ہی اس گوشوارے کی کچھ اہم باتیں پڑھ کر میر واعظ صاحب کو اطمینان دلادیا۔ اس کے بعد جو اینٹ سیکریٹری نے میر واعظ صاحب کو بتایا کہ اگر وہ اسے قبول کرتے ہیں تو وہ اس کی منظوری دیدیں۔ تاکہ اسے وزارت خزانہ سے منظوری حاصل کرنے کے لئے کراچی بھیجا جاسکے۔ میر واعظ صاحب نے جہاں جہاں جو اینٹ سیکریٹری نے انہیں بتایا کہ دستخط کرنا مطلوب ہیں، بڑی سادگی کے ساتھ دستخط کر دیئے۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ اسی روز شام کو آزاد کشمیر ریڈیو سے اعلان کیا گیا کہ آزاد کشمیر کے نگران صدر میر واعظ محمد یوسف صاحب نے سے استعفا دی ہے۔ آزاد کشمیر ریڈیو کے اس اعلان سے خود میر واعظ صاحب بھی ششدر ہو کر رہ گئے، کیونکہ انہوں نے ان کو اس سے استعفا دینے کا حکم نہیں دیا تھا چنانچہ جب ان کے سیکریٹری میر لودیت اللہ نے اس بارے میں ریڈیو سٹیشن اور امور کشمیر کے جو اینٹ سیکریٹری سے ٹیلی فون پر بات چیت کی تو انہیں بتایا گیا کہ میر واعظ صاحب واقعی استعفا دے چکے

ہیں، بعد میں معلوم ہوا کہ انگریزی میں ٹائپ کرنے کے بجائے "کے جس سوڈے پر پیر واعطا صاحب سے دستخط لے گئے تھے اس میں ان کا استغفیٰ بھی شامل تھا، اور چونکہ میر واعطا صاحب انگریزی نہیں جانتے تھے، اس لئے انہوں نے جو اینٹ سیکریٹری کی گفتگو پر اعتبار کر کے اس پر بھی دستخط کئے تھے۔ اب آزاد کشمیر حکومت کی باگ ڈور ایک ریٹائرمنٹ وار میجر (جسے اعزازی طور پر کرنل بنالیا گیا تھا) شیر احمد خاں کے ہاتھ میں دے دی گئی۔ آزاد کشمیر میں سیاسی قیادت کی یہ چوتھی تبدیلی تھی اور سرحد کی دوسری جانب جہاں نیشنل کانفرنس کی حکومت تھی، حالات اس سے بھی زیادہ مایوس کن تھے۔ نیشنل کانفرنس کے لیڈروں میں آخرت لافانات وسیع ہوتے جاتے تھے اور نئی دہلی اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان بھی اعتماد کم ہوتا جا رہا تھا۔ انڈی انڈر تصویرت حال یہ تھی اور نظائر کشمیر میں غیر یقینی پوزٹ ایوپلے کے لئے ایک آئین ساز اسمبلی کے قیام کا فیصلہ بھی کیا گیا تھا۔ اس اسمبلی کے لئے اگرچہ یہ طے پایا کہ یہ بالآخر حق رائے دہی کے اصول پر منتخب کی جائے گی لیکن جب اس کے لئے انتخابات کا مرحلہ آیا تو حکمران پارٹی جس کی قیادت شیخ محمد عبداللہ کے ہاتھ میں تھی، نے وادی میں کسی ایک نشست کے لئے بھی کسی مخالف امیدوار کو کھڑا نہیں ہونے دیا اور وادی کی بیالینس کی بیالینس سٹیوں پر نیشنل کانفرنس کا مقابلہ تالیف ہو گئی۔ اس اسمبلی کا قیام ۱۹۵۱ء میں عمل میں لایا گیا تھا۔ اس کا ایوان ایک ممبروں پر مشتمل تجویز کیا گیا تھا جس کی پچیس نشستیں جنہیں آزاد کشمیر کے لئے مخصوص کیا گیا تھا، خالی کھینچی تھیں۔ آئین ساز اسمبلی کے اعزازی مقاصد کے بارے میں بھی نئی دہلی اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان بنیادی اختلافات تھے۔ اس کے قیام پر جب شیخ محمد عبداللہ نے یہ اعلان کیا کہ ریاست کی یہ آئین ساز اسمبلی جنوں کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کی مجاز ہوگی تو پاکستان نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے سیکورٹی کونسل کی توجہ اس طرف مبذول کروائی جس پر ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے پارلیمنٹ کے ایوان میں یہ دانشکات اعلان کیا کہ جنوں کشمیر میں بنائی گئی آئین ساز اسمبلی کی بھی طرح اس ریاست کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں اور حکومت ہند اقوام متحدہ کی ان قراردادوں کی پابند ہے جن میں کشمیر کا سوال رائے شماری کے ذریعے حل کرنا طے پایا ہے۔ ہندوستان کے وزیر اعظم نے یہ بھی اعلان کیا کہ اگر جنوں کشمیر میں بنائی گئی آئین ساز اسمبلی کشمیر کے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے گی تو حکومت ہند اس فیصلے کی پابند نہیں ہوگی ہندوستان کے وزیر اعظم کی طرف سے اس واضح اور واضحکات اعلان کے بعد ریاست کی آئین ساز اسمبلی میں

بنیادی اصولوں (BASIO PRINCIPLES) سے متعلق رپورٹ — شیخ محمد عبداللہ نے جنوں کشمیر کی آئین ساز اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ریاست کے مستقبل کے بارے میں جو تین متبادل راستے ہمارے سامنے ہیں۔ ان میں سے جہاں تک پاکستان کے ساتھ الحاق کا تعلق ہے، اس کا بالکل سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جہاں تک خود مختاری کا راستہ ہے، ایسا ہونا کشمیر کی جغرافیائی اور سیاسی پوزیشن کے پیش نظر بالکل ممکن نہیں۔ اس لئے ہمارے سامنے صرف ایک ہی راستہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہ اسمبلی ہندوستان کے لئے گئے الحاق کی توثیق کر کے اسے دائمی شکل دے دے۔ اس آئین ساز اسمبلی نے جہاں جنوں کشمیر میں دو گروہ خاندان کی موروثی حکومت کے خاتمے اور ۱۹۴۹ء میں نافذ کی گئی زرعی اصلاحات کے فیصلوں کی توثیق کر دی وہاں بعد میں جنوں کشمیر کے ہندوؤں کے الحاق کے اس فیصلے کی بھی توثیق کر دی جو نیشنل کانفرنس کے لیڈروں نے ۱۹۴۷ء میں کیا تھا۔ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ان تمام تر کاروائیوں کے باوجود نئی دہلی کو کشمیر کی قیادت کی طرف سے پورا اطمینان حاصل نہیں تھا اور وہ کشمیر میں زیادہ سے زیادہ انتظامی، سیاسی اور مالی اختیارات حاصل کرنے کی خواہاں تھی۔ خود نیشنل کانفرنس کی قیادت بھی بے اطمینانی اور پھوٹ کا شکار ہو رہی تھی۔

چنانچہ ۱۹۵۳ء کے شروع میں خواجہ غلام محمد الدین ترہ نے اعلانیہ نیشنل کانفرنس کی قیادت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ اور ان کے دوسرے قریبی رفقاء کے درمیان بھی آخرت لافانات شدید ہوتے گئے اور کشمیر میں مسلسل سیاسی غیر یقینی اور سسے کے برابر لٹکتے رہنے سے نیشنل کانفرنس عوام میں اپنی تمام تر ساکھ کھو بیٹھی تھی۔ خود شیخ محمد عبداللہ کے سیاسی نظریات بھی تبدیل ہو رہے تھے جس کا پہلا اشارہ واضح طور پر اس وقت سامنے آیا جب شیخ محمد عبداللہ نے موسم بہار کی آمد کے سلسلے میں سیگرم میں ایک تقریر میں خطاب کرتے ہوئے یہ کہا "کشمیر ایک خوبصورت باغ ہے اور ساری دنیا اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر قہقہے کھینچ رہی ہے۔ کشمیری عوام چاہتے ہیں کہ یہ خوبصورت باغ اس برصغیر میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان نفرت اور دشمنی کی بجائے دوستی اور محبت کا پل بن جائے۔" وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نیشنل کانفرنس میں پھوٹ بڑھتی چلی گئی اور نئی دہلی اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان اختلافات بھی نمایاں ہوتے گئے چنانچہ وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو ۱۹۵۳ء کے موسم بہار کی ابتدا میں سری نگر لائے اور انہوں نے کشمیری قیادت اور نئی دہلی کے درمیان اختلافات کو کم کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ دوسری طرف ریاست کا ایک

نیامنے سامنے آیا جب کہ شیخ محمد عبداللہ کی تقریر سننے کے لئے لوگوں کے بڑے بڑے مجمعے دیکھے گئے حالانکہ اس سے قبل
 لوگ شیخ محمد عبداللہ کی تقریر سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔ اور ان کے جلسوں میں تنخواہ دار سرکاری ملازمین اور دو چار
 سوشلسٹ کانفرنسی کارکنوں کے سوا اور کوئی نہیں ہوا کرتا تھا۔ اسی دوران شیخ محمد عبداللہ نے زبیر بھٹو کو یہ گماندہ اور خانیہ
 میں بڑی اہم تقریر کی۔ اپنی ان تقریروں میں شیخ محمد عبداللہ نے نہایت واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دیا کہ — چونکہ
 ہندوستان اور پاکستان اس بات پر متفق ہو چکے ہیں اور یہ اقرار کر چکے ہیں کہ کشمیری عوام اپنے مستقبل اور اپنی تقدیر
 کا فیصلہ کرنے کے خود مجاز ہیں اس لئے اب وقت آ گیا ہے کہ انہیں یہ موقع فراہم کیا جائے کہ وہ اس بات کا فیصلہ کریں۔
 کہ وہ ہندوستان میں رہنا چاہتے ہیں یا پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا کوئی اور راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں؟
 ان کی ان تقریروں سے نہ صرف کشمیر بلکہ سارے ہندوستان اور پاکستان میں ایک پل پل یں گئی۔ اس بل چل کا زیادہ تر
 سبب یہ تھا کہ شیخ صاحب اس وقت تک کشمیر میں رہنے کی ہمت نہ کر پائے تھے اور نہ ہی ان کی زندگی میں ان کے
 لئے ایسی سیکڑوں تقریروں، بے شمار بیانات، اعلانات یہاں تک کہ تو اس متحدہ کی سیکڑوں کونسل میں بھی یہ اعلان کیا تھا
 کہ یہ کسی عوام نے اپنی تقریر ہمیشہ کے لئے ہندوستان کے ساتھ وابستہ کر دی۔ اس فیصلے پر نظر ثانی نہیں ہو سکتی۔ اسی
 اشتیاق میں خواجہ غلام محی الدین قرہ نے سہ ماہی لڑاؤ لڑاؤ میں ایک جلسہ عام منعقد کیا۔ اس جلسے کے بارے میں تمام مسلم بائیں
 مشہور ہو رہی تھیں کہ اس میں قرہ صاحب پاکستان کا انفرنگائیں گے، اس میں قرہ صاحب کشمیر کی خود مختاری کا مطالبہ
 کریں گے چنانچہ اس جلسے میں حقوق و حقوق لوگ شامل ہو گئے اور جب اس کی اطلاع وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کو ملی تو وہ اس
 جلسے کی کارروائی بذات خود سننے کے لئے مجھے نئے لڑاؤ لڑاؤ میں جا پہنچے اور انہوں نے خواجہ غلام محی الدین قرہ کی
 تقریر کا ایک ایک لفظ خود سنا۔ جلسے میں قرہ صاحب نے اپنی تقریر کے اختتام پر جب لوگوں سے کہا — میں
 کشمیری عوام کے فطری رجحان کی ترجمانی کرنے کے لئے میدان میں آیا ہوں۔ اس لئے آپ واضح طور پر بتائیں کہ آپ کیا چاہتے
 ہیں؟ — تو اس پر جم غفیر نے ایک زبان ہو کر کہا — پاکستان — ایسے تین ایک روز بعد ہی خواجہ غلام محی الدین قرہ
 کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔

۷



اُدھر پاکستان میں اپنی سیاسی حکمت عملی میں ناکامیوں کے بعد اور اس احساس کے تحت بھی کہ اقوام متحدہ شاید ہی کبھی میں اپنی
 قرار دادوں پر عمل درآمد کر دے۔ وزیر اعظم پاکستان خاں لیاقت علی خان کے طرزِ فکر میں کچھ ایسی تبدیلیاں رونما ہو رہی
 تھیں جن سے یہ اندازہ لگایا جاتا تھا کہ لیاقت علی خان اینگلو امریکی ہلاک کی بجائے ماسکو کی طرف رجوع کرنا چاہتے
 ہیں اور انہوں نے اپنی دو ایک تقریریں میں برطانیہ کو بُری طرح کٹھنہ چینی کا ہدف بنایا جس سے اس خیال کو تقویت
 پہنچی کہ لیاقت علی خان اب اینگلو امریکی ہلاک پر زیادہ بھروسہ نہیں کرنا چاہتے چنانچہ اکتوبر ۱۹۵۱ء میں جب وہ مسلم لیگ
 کے صدر کی حیثیت سے مغربی پاکستان کے مختلف علاقوں کے دورے پر تھے تو اس دورے کے سلسلے میں وہ ارلنڈی
 بھی گئے جہاں ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء بعد دوپہر بجے انہیں کمپنی بارغ ڈیجس اب لیاقت گاڑن کہا جاتا ہے، میں ایک
 جلسہ عام سے خطاب کرنا تھا۔ جلسہ گاہ میں سینج غیر معمولی نوعیت کا تھا۔ اس سینج پر انیک کے عقب میں ہر ایک
 کوڑی کھی گئی تھی اور اتنی سینج خالی رکھا گیا تھا۔ سینج پر مسلم لیگ کے کچھ عہدیدار فرش پر بیٹھے تھے۔ لیاقت علی خان مقررہ
 وقت پر جلسہ گاہ میں تشریف لائے جہاں ان کا پُر تپاک استقبال کیا گیا۔ اور انہیں پھول مالائیں پہنائی گئیں۔

میں اس سیٹج پر اپنی ٹانگیں نیچے کی طرف لٹکائیے تاکہ کے بائیں جانب بیٹھا تھا۔ اور جب وہ سیٹج پر آئے اور وہاں گھٹی گئی واحد کرسی پر بیٹھ گئے تو راولپنڈی مسلم لیگ کے صدر مہر محمد عمر نے مائیک پر کونختر الفاظ میں اُن کا غیر مقدم کیا اور ذریعہ اعظم سے رشتہ عالی کہہ جلسے سے خطاب کریں اس پر مہر لیاقت علی خان کھڑے ہو کر مائیک پر آئے وہ اپنی وقت سیر کے آغاز میں مشکل

”برادرانِ ملت“

کے الفاظ ادا کر رہے تھے کہ جلسہ گاہ کی طرف سے اُن پر فائر کیا گیا۔ گولی اُن کے سینے میں بائیں طرف جا لگی اور فوراً ہی بعد اُن پر دوسرا فائر بھی کیا گیا جبکہ گاہ جس میں سناٹے کا عالم تھا۔ میں یہ بات کسی کے دہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ لیاقت علی خان کو گولی ماری گئی ہے۔ لیاقت علی خان — ”برادرانِ ملت“ کہنے کے بعد خاموش ہو گئے اور جو نبی میری نگاہیں مائیک کی طرف گئیں تو میں نے دیکھا کہ وہ لڑکھڑائے رہے ہیں اور اُن کے سینے نے خون کے فوارے سے اُل رہے ہیں۔ میں اُسی وقت سیٹج کے عقب سے ٹین گولوں کی فائرنگ کی آواز سنی گئی۔ یہ فائرنگ ہوا میں کی گئی تھی اور یہ اُس سکیورٹی ٹانف کی طرف سے کی گئی تھی جو ذریعہ اعظم کی آمد کے سلسلے میں سیٹج کے عقب میں متعین تھا۔ اِن ڈرامائی اور مصیبت ناک واقعات نے حالت گاہ جس میں تقریباً ۲۰ ہزار لوگ تھے۔ میں سرسبکی بھگدڑ اور اتھری اور محشر کا عالم بپا کر دیا۔ لوگ افزائری کے عالم میں بھاگ رہے تھے جیسے کہ اپنا کٹ قیامت آگئی ہو۔ ایک دوسرے کو کھینچتے اور دھکیلنے ہوتے سب بھاگ رہے تھے۔ خود میں تقریباً حواس باختہ ہو چکا تھا۔ مجھے یہ تک معلوم نہیں کہ میں کس حالت میں سیٹج سے گرا دیا گیا۔ اور میں نیم جان سا سیٹج کے نیچے خالی جگہ پر پڑا رہا۔ کچھ دیر بعد میں نے خود کو سمجھا لیا تو مجھے ششوں ہوا کہ ایک سکونت ساطاری ہے خوف و دہشت کے اسی عالم میں میں نے خود کو سمجھا لے کی کوشش کی اور سیٹج کے قریب بعد شکل خود نوٹھرا کر لیا۔ میرے سامنے عجیب منظر تھا۔ سیٹج کے بائیں سامنے پولیس کے کچھ سپاہی لٹھیاں لئے ایک دائرہ سناٹے کھڑے تھے اور ان کے درمیان ایک لاش پڑی ہوئی تھی جس کا پہرہ تقریباً مسخ ہو چکا تھا۔ یہ سعید اکبر کی لاش تھی جس نے پاکستان کے ذریعہ اعظم کو گولی ماری تھی۔ میں سکت کھڑا اس جلسہ گاہ کی طرف دیکھ رہا تھا جس میں میں پچیس منٹ قبل تقریباً ۲۰ ہزار لوگ تھے لیکن اب پولیس کی ایک کمرہ اُن کے

درمیان پڑی ایک لاش اور اس پاس ٹوپوں، ڈوٹوں، بوتلوں، چیلوں اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کے چھوٹے چھوٹے سے انبار تھے جو شاید بھگدڑ کے دوران لوٹ میں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

چنانچہ خود کو سمجھا لے کے بعد میں آہستہ آہستہ کمپنی باغ سے باہر آگیا۔ اور جب میں سرکٹ پر آگیا تو لوگوں کے گروہ راولپنڈی صدر کی طرف رخ کئے ہوئے تھے دریافت کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ لیاقت علی خان کو زخمی حالت میں کمپنٹن ٹریڈی ہسپتال میں لے جایا گیا ہے۔ یہ معلوم ہوتے ہی میں بھی اُسی جانب چل پڑا اور تقریباً ۸ بجے رات ہسپتال کے قریب پہنچا جہاں ہزاروں لوگ ہسپتال کے باہر انتظار کا محبوس بنے بیٹھے تھے تقریباً ۱۸ بجے آٹھ بجے نوبل متاق احمد گورانی جو لیاقت علی خان کی کابینہ میں وزیر امور کوشش تھے۔ ہسپتال سے باہر آئے جب وہ ہسپتال کے پھانٹ پر پہنچے تو میں نے دیکھا اُن کے ہاتھ میں ایک سفید رومال تھا جس سے وہ اپنے آنسو پونچھ رہے تھے۔ وہ کبھی کو کچھ بتاتے بغیر اپنی کامیابیوں سوار ہو کر چلے گئے اور ہسپتال کے باہر لوگوں میں مایوسی اور تنہا شدت ہو گیا۔ اور انہوں نے غور سے بلند گونا گونا گونے اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ایک فوجی ڈاکٹر ہسپتال کے پھانٹ پر آیا اور بڑے غمناک لہجے میں کہا — ”میرے بھائیو! ہم نے ذریعہ اعظم کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن ہم کامیاب نہ ہو سکے اور وہ الٹ کو مارے ہو گئے۔“ اس پر مجھے نے بلند آواز میں ”إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ“ پڑھا اور مجھ مایوسی کے عالم میں آہستہ آہستہ بکھر گیا۔

بعد میں لیاقت علی خان کی میت کو راولپنڈی کے سرکٹ ہاؤس پہنچا یا گیا۔ اُس وقت تقریباً رات کے ساڑھے دس بجے تھے۔ جب میں سرکٹ ہاؤس پہنچا تو وہاں کچھ شہری اور سرکاری آفیسر سرکٹ پر تھے۔ دس یا پندرہ منٹ بعد خواجہ ناظم الدین جو پاکستان کے گورنر جنرل تھے اور کوہ مری کے قریب تھیں گلی میں تعطیلات منانے گئے تھے اپنا کٹ اپنی نوٹ کار میں سرکٹ ہاؤس کے گیٹ پر پہنچے۔ اُن کی کار گیٹ کے اندر نہیں گئی۔ وہ سرکٹ پر ہی کار سے باہر آئے۔ خواجہ ناظم الدین دوسرے تھے اور اسی حالت میں سرکٹ ہاؤس میں داخل ہو گئے۔ اُن کی آمد کے تقریباً نصف گھنٹے بعد فوجی آفیسر لیاقت علی خان کی میت جو پاکستان کے قومی پرچم میں لپی ہوئی تھی ایک بڑے سبز پر پناہ لائے۔ اور اُسے فوجی گاڑی میں رکھ کر ہوائی اڈے پر لے گئے جہاں سے اُن کی میت کو ایک جھنڈی طیارے میں کراچی پہنچا یا گیا۔ اور تجزیہ و کفین کے بعد

اُسے پھر درخاک کیا گیا۔

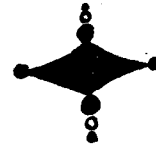
بعد کے واقعات، حالات اور دوسری تبدیلیوں کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ لیاقت علی خان کا قتل ایک منصوبے کے تحت ہوا اور ہو سکتا ہے کہ قتل اسی منصوبے کی ایک کڑی تھا جس کے تحت ۱۹۷۵ء میں مہر کے وزیر اعظم مہر پاشا، ۱۹۷۸ء میں مہر کے وزیر اعظم مسٹر نقرشی پاشا اور ۱۹۵۱ء کے شروع میں ایران کے وزیر اعظم ہزل علی زرم آرا اور پھر مشرق اردن کے حکمران شاہ عبداللہ کو پُر اثر طور پر پوت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔

سعید اکبر — جس نے پاکستان کے وزیر اعظم کو قتل کیا تھا۔ اس میں ایک انجان باشندہ تھا اور بڑے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ کوئی معمولی شخص نہ تھا۔ میں نے اس کے بارے میں جو معلومات حاصل کیں ان کے مطابق سعید اکبر ایک مرتبہ افغانستان میں حکومت کا تختہ الٹنے اور اہل اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کر چکا تھا۔ اپنی اس کوشش میں ناکامی کے بعد وہ فرار ہو کر بلطانی ہند میں آ گیا تھا اور برطانیہ نے اُسے سیاسی پناہ دی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی اُس کے لئے مالہ الاؤنس بھی مقرر کر دیا تھا۔ ۱۹۷۴ء کے بعد برصغیر میں بلطانی اقتدار کے خاتمہ پر سعید اکبر کو پاکستانی علاقے میں تھا اس لئے معاہدے کے مطابق پاکستان نے اُس کا وظیفہ بڑے راز رکھا۔ جو ۱۹۵۱ء میں گیارہ سو پونے پانچ سو روپے ماہوار تھا۔ البتہ سعید اکبر کی نقل و حرکت پر کچھ پابندیاں تھیں اور وہ ایٹ آباد، جہاں وہ راتیں پذیر تھا۔ سے باہر جاتے وقت متعلقہ پولیس تھانے کو اس کی اطلاع دیے کا پابند تھا۔ سعید اکبر نے ۱۲ اکتوبر کو متعلقہ تھانے کو اطلاع دی کہ وہ چند روز کے لئے قری جاؤں گے۔ جب وہ ایٹ آباد سے قری گیا۔ تو اس کے ساتھ اُس کا بچا چھ سالہ بیٹا بھی تھا۔ قری میں دو دن قیام کے بعد وہ کئی کو اطلاع دیتے بغیر راولپنڈی گیا جہاں وہ ایک ہوٹل میں ٹھہرا۔ غالباً اُسے معلوم تھا کہ لیاقت علی خان اگلے دن راولپنڈی آ رہے ہیں چنانچہ پولیس کی ابتدائی تفتیش کے مطابق سعید اکبر ۱۱ اکتوبر کو تقریباً ۳ بجے دوپہر اپنے بچے کو ہوٹل میں چھوڑ کر کوئی باغ کے جلسے میں گیا۔ خود پولیس کے بیان کے مطابق اُس کے پاس بلطانی سخت کا ایک ریو اور تھا۔ سعید اکبر نے گاہ میں پہلی صف میں جا بیٹھا۔ وہ ایک سفید چادر اوڑھے ہوئے تھا جو چھان لوگ عام طور اوڑھے رہتے ہیں اور اُس نے عین اُس وقت جب لیاقت علی خان مائیک پر نمودار ہوئے اور جلسہ گاہ میں موجود تمام لوگوں کی نگاہیں مائیک پر جم گئیں اپنے لیو آؤر سے یکے بعد دیگرے فائر کر کے لیاقت علی خان کو قتل کر دیا۔ بجگڑ کر کے دوران راولپنڈی کے ٹی ٹی بی ٹریننگ سنٹر

پولیس نجف خان جو سیٹج کے قریب کھڑا تھا نے لیاقت علی خان پر فائرنگ کے فوراً بعد اپنا ریو الزکا لا۔ اور سعید اکبر کے سر میں گولی ماری۔ اور وہ وہیں گر گیا۔ لوگوں نے بھی اُسے تاراج پولیس نے اُس پر لاکھٹیاں برسائیں جس سے اُس کا چہرہ اسخ ہو کر رہ گیا۔ اور لباس جینٹیل طول میں تبدیل ہو گیا۔ نجف خان نے لیاقت علی خان کے قاتل کو یقیناً ایک طے شدہ منصوبے کے تحت ہلاک کر دیا تاکہ اُس سازش پر سے پردہ اٹھنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ جو لیاقت علی خان کے قتل کے لئے کی گئی تھی۔ اور اس کا ثبوت اُس تعجب خیز اقدام سے ملا جس کے مطابق لیاقت علی خان کے قتل کے کچھ ہی عرصے بعد نئے گورنر جنرل ملک غلام محمد کی منصوبی سفارش پر ڈی، ایس پی نجف خان کو ڈی پی ایس کے جنرل پولیس بنا دیا گیا۔

اس پر اسرار احمد معنی خیز قتل کے بعد پاکستان میں درامتی تبدیلیاں شروع ہو گئیں۔ خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم اور ملک غلام محمد گورنر جنرل بنائے گئے۔ نواب مشتاق احمد گورانی جو وزیر امور کشمیر تھے، مرکزی وزیر داخلہ بنائے گئے۔ گورنر جنرل کے عہد کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک غلام محمد نے نہایت پُر اثر طور پر اور بغیر کسی وجہ کے خواجہ ناظم الدین کی وزارت کو برطرف کر دیا اور ان کی جگہ پر محمد علی بوگرہ جو ان دنوں ڈاکٹر میں پاکستان کے سفیر تھے کو پاکستان کا نیا وزیر اعظم مقرر کیا۔ ملک غلام محمد کا یہ اقدام اس بات کی فاضل دلیل تھی کہ لیاقت علی خان کے قتل میں اینگلو امریکی ہلاک کا خفیہ ہاتھ کار تھا۔ چونکہ گورانی اور چودھری غلام عباس کے درمیان تعلقات بے حد خراب تھے۔ اس لئے لیاقت علی خان کے قتل کے فوراً بعد سرگورانی نے چودھری غلام عباس کی آزاد کشمیر میں حکومت کو برطرف کر دینے کا اہتمام کر لیا۔ اور وزیر اعظم کو لاہور میں کو آزاد کشمیر کی حکومت کا نگران صدر بنا دیا۔ لیاقت علی خان کا قتل نہ صرف پاکستان میں مسلسل سیاسی عدم استحکام کا سبب بن گیا بلکہ اس کا کشمیر کے مسئلے پر بھی بہت بڑا اثر پڑا۔ اور خود آزاد کشمیر میں بھی — نہ کہ آمد عمارت نوساخت کے مطابق ایک کچھ بعد دوسرا اور دوسرے بعد تیسرا اعلان بنا چلا گیا۔ میر اعظم کی حکومت صرف گیارہ ماہ تک ہی اور اُسے بھی برخاست کیا گیا۔ ان کی جگہ کرنل شیر احمد خان کو صدر بنا دیا گیا۔ اور جب چودھری محمد علی پاکستان کے وزیر اعظم بنے تو انہوں نے چودھری غلام عباس کے مشورے پر شیر احمد کی حکومت کو برطرف کر کے سردار قیوم کو صدر بنا دیا۔ چودھری محمد علی کے بعد جی بٹر مین شہید بڑی پاکستان کے وزیر اعظم بنے۔ تو انہوں نے سردار قیوم کی حکومت کو برطرف کر کے سردار کے اچے خورشید کو صدر بنا دیا۔ جب فیصلہ مارشل ایڈبٹ خان نے پاکستان کی حکومت سنبھالی تو انہوں نے خورشید کی حکومت کو برطرف کر کے پھر سردار قیوم کو صدر

بنادیا۔ اور جب جنرل ایوب اور جنرل یحییٰ خان کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا اور مہر ظفر الفقار علی معیناقت راسخ آئے تو انہوں نے سردار قیوم کو برطرف کر کے حکومت ترمذ اور محمدا برہیم کے سپرد کر دی۔ اور جب جنرل ضیاء الحق نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو مہر ظفر کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تو انہوں نے بھی سردار ابرہیم کو چلنا کر دیا اور آزاد کشمیر کے انور گیلانی محمدا حیات خان کے چوالے کر دیئے۔



۸



کئی برس پہلے خواجہ غلام محی الدین قرہ کی گرفتاری کے چند ہفتے بعد جب کہ شیخ محمد عبداللہ کی کابینہ میں زیر دست چھوٹا پڑھی
 تھی، انہوں نے وزیر عظم کی حیثیت میں اپنے وزیر صحت پنڈت شیا م لال صراف سے استعفیٰ طلب کیا لیکن صراف نے جو
 شیخ محمد عبداللہ کے مخالف نیشنل کانفرنسی گروہ تعلق رکھتے تھے۔ استعفیٰ دینے سے انکار کر دیا جس سے کابینہ میں بحران کی کیفیت پیدا ہو گئی
 چنانچہ کابینہ کے اس بحران پر وزیر کو نیچے وزیر عظم شیخ محمد عبداللہ نے ریاست کے حکمران اعلیٰ لیڈر اور ڈاکٹر کرن سنگھ سے ملاقات کی اور
 ڈاکٹر کرن سنگھ نے انہیں بتایا کہ آئینی پوزیشن یہ ہے کہ آپ مستعفی ہو کر کابینہ کو نئے سرے سے تشکیل دیں اور اس
 میں پنڈت شیا م لال صراف کو ڈراپ کریں۔ اس پر شیخ محمد عبداللہ براہِ فور متہ ہو گئے اور ڈاکٹر کرن سنگھ سے کہا ”آپ
 کا انجام بھی وہی ہوگا جو ہمارا ہے ہری سنگھ کا ہوا۔“ اس کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے اعلیٰ قانونی مشیروں میں
 جسٹس شاہ میری اور مرزا محمد فضل بیگ بھی شامل کئے، کے ساتھ صلاح مشورہ کیا۔ اسی بحران کی ہی حالت میں
 وزیر عظم شیخ محمد عبداللہ سری نگر سے چند دن آرام کرنے کی غرض سے گھر گئے۔ بعض اعلیٰ افسر بھی ان کے

ہمراہ تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں نیشنل کانفرنس کے بعض سرکردہ لیڈر اور کابینہ کے کچھ وزرا نے ڈاکٹر کرن سنگھ کے ساتھ ملاقات کی۔ مذاکرات کے دوران بیٹے پاپا کے شیخ محمد عبداللہ کی وزارت کو برطرف کر کے اور انہیں گرفتار کر کے نظر بند کر دیا جائے اور ان کی جگہ نائب وزیر عظم بخشی غلام محمد کو وزیر عظم مقرر کیا جائے۔ اس سلسلے میں نئی دہلی کے ساتھ صلاح مشورہ کیا گیا اور امریکی صورت حال کے سمجھنے کے لئے مسلح فوج کو چوکنا رکھا گیا۔ تمام احتیاطی اقدامات کرنے کے بعد سرٹلمین دسٹھاکر ایس پی سرنگار اور پولیس کے کچھ افسروں کو شیخ محمد عبداللہ کی برطرفی اور گرفتاری کے احکامات لے کر گلبرگ جہانے کے لئے کہا گیا۔ گلبرگ میں شیخ محمد عبداللہ کی قیام گاہ کے آس پاس اور گرد و نواح میں مسلح پولیس کی بھاری تعداد متعین کر دی گئی اور وزیر عظم کی برطرفی اور ان کی گرفتاری کے احکامات انہیں پیش کر دیئے گئے۔ انہیں ۹ اگست ۱۹۶۳ء کی صبح کاسورج طلوع ہونے سے تھوڑی دیر پہلے گلبرگ سے ایک گاڑی میں بٹھا کر ریدھا کر سہنچیا گیا جو سری نگر جنوں شاہراہ کے ۱۹۱ ویں کلومیٹر پر واقع ہے اور اس طرح ۹ اگست ۱۹۶۳ء کو انقلابی دھماکا ہوا۔ ان کی گرفتاری سے سارے شیر میں غم و غصہ اور احتجاج کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سرنگار وادی کے تمام قبضوں میں جگہ جگہ مسلح پولیس کا زبردست پہرہ بٹھا دیا گیا تھا۔ سری نگر کے علاوہ کئی مقامات پر احتجاج کرنے والے مظاہرین پر فائرنگ سے ان گنت لوگ مارے گئے۔ گیارہ دن تک ساری وادی میں قتل ہڑتال رہی۔ شیخ محمد عبداللہ کے تمام ترجمانیوں جن میں بہت سے اعلیٰ سرکاری افسر اکثر ممبران اسمبلی اور وزیر بھی شامل تھے، کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا گیا۔

(ان میں سے دو ایک کے سوا باقی تمام سرکاری افسروں اور تقریباً سبھی ممبران اسمبلی نے جب نئی حکومت کی وفاداری کا یقین دلایا تو ان میں سب کو چند ہفتوں کے اندر ہی راکر دیا گیا۔)

شیخ محمد عبداللہ کی برطرفی، گرفتاری اور شیر میں دین پانے پر ایچی ٹیشن کا پاکستان میں بڑا شدید رد عمل ہوا۔ اس معاملے پر غور کرنے کے لئے پاکستان کے اس وقت کے وزیر عظم مسٹر محمد علی بوگرہ نے آزاد کشمیر کے لیڈروں کو کراچی طلب کیا تاکہ ان کے صلاح مشورے کے بعد کوئی اقدام کیا جاسکے۔ کراچی میں وزیر عظم پاکستان، ان کی کابینہ کے بعض رفقا جو چوہدری غلام عباس، میر واعظ مولوی محمد لویہ صاحب، سردار محمد ابراہیم خان اور آزاد کشمیر کے

صدر شیر احمد خان کے درمیان کانفرنس ہوئی جس میں چوہدری غلام عباس نے یہ تجویز پیش کی کہ کشمیر میں مسلح جنگ شروع کی جائے اور اس مقصد کے لئے بغیر وردی کے پانچ دس ہزار تربیت یافتہ سپاہی ٹیٹوال، کوٹلی اور اوڑی کے راستے کشمیر میں داخل ہو جائیں تاکہ ہندوستان کو کشمیر کا تقصیر کرنے پر مجبور کیا جاسکے لیکن بوگرہ صاحب اور پاکستان کے دوسرے لیڈروں نے یہ تجویز مسترد کر دی اور ریاستی لیڈروں کو بتایا کہ حکومت ہند اس مسئلے پر پاکستان کے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے آمادہ ہے اور اس نے وزیر عظم پاکستان کو نئی دہلی آنے کی دعوت بھی دی ہے اور وزیر عظم اگلے چند دن میں اس مسئلے پر بات چیت کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔ اس پر چوہدری غلام عباس کانفرنس سے اٹھ کر چلے گئے جبکہ دوسرے لیڈروں یعنی میر واعظ مولانا محمد رفیع صاحب، سردار ابراہیم اور شیر احمد خان نے حکومت ہند کے ساتھ بات چیت کی تجویز سے اتفاق کر لیا۔ چوہدری صاحب حکومت پاکستان کو کچھ بتائے بغیر کراچی سے واپس روانہ ہو گئے اور جب حکام کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے حکومت پنجاب کو اس سلسلے میں ضروری ہدایات دیدیں جیسا کہ جب چوہدری صاحب لاہور پہنچے تو لاہور کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس نے انہیں ایک محکمہ پیش کیا جس کے ذریعے چوہدری غلام عباس پر پابندی لگا دی گئی تھی کہ کشمیر کے بارے میں نہ کوئی بیان دے سکتے ہیں اور نہ ہی پبلک جلسے میں کوئی تقریر کر سکتے ہیں۔ چوہدری غلام عباس نے اس حکم کی پابندی کا وعدہ کر کے جان چھڑائی اور لاہور سے سیدھے میانکوٹ چلے گئے۔ ادھر وزیر عظم ہندوستان پنڈت جواہر لال نہرو کی دعوت پر پاکستان کے وزیر عظم مسٹر محمد علی بوگرہ شیر پر بات چیت کرنے کے لئے نئی دہلی آئے جہاں دونوں وزرائے عظم پاکستان تین روز تک بات چیت ہوتی رہی۔ دونوں وزرائے عظم کے درمیان بات چیت کے بعد ایک مشترکہ اعلان جاری کیا گیا جس میں دونوں ملکوں کے کشمیر کے تنازعے کو ایک آزاد اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کے ذریعے حل کرنے پر اتفاق رائے ظاہر کیا۔ دونوں وزرائے عظم کے اس اعلانات اعلان کے باوجود کشمیر میں اس بات کے بالکل کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے کہ اس تنازعے کا مستقبل قریب میں کوئی حل نکلنے والا ہے۔

بخشی غلام محمد کی سربراہی میں بنائی گئی حکومت کو حکومت ہند کی طرف سے دین پانے پر روپیہ پیسہ فراہم کر دیا گیا تاکہ وہ رائے عامہ کو ہندوستان کے حق میں ہموار کر سکے۔ بخشی غلام محمد اگرچہ معمولی

پڑھے لکھے تھے لیکن ان میں بہت سی ایسی صلاحیتیں موجود تھیں جو بہت کم سیاسی قائدین میں پائی جاتی ہیں۔ انہوں نے کثیر میں ایک نئی فضا پیدا کرنے کے لئے اپنی ان صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی کوشش کی جسے پیسے سے خریدنا جاسکتا تھا، اُسے پیسے دے کر خریدا، جسے عہدے سے خریدا جاسکتا تھا اُسے عہدہ دیکر خریدا گیا اور جسے وہ کی بھی قیمت پر پسند نہیں کرتے تھے اُسے انہوں نے جیل میں بند کر دیا۔ ساری وادی میں خوف و دہشت اور جبر و استبداد کے سائے محیط کر دیئے گئے اور اس خطے کو ایک پولیس سٹیٹ میں تبدیل کر دیا گیا۔ جاسوسوں کا ایک جال بھیلادیا گیا۔ اور مار دھاڑ کے لئے پیس بریگیڈ (PEACE BRIGADE) نامی سپیشل پولیس کی تنظیم کو وسیع اختیار دینے گئے۔ قانون کی عملداری برائے نام ہو کر رہ گئی۔ پولیس جہاں اور جس شخص کو چاہتی پلاؤ چھ گرفتار کر لیتی تھی۔ عدالت پولیس افسروں کے ماتحت ہو کر رہ گئی جس کے نتیجے میں ساری انسانی آبادی سہم کر رہ گئی جہاں سوں کا جال نہ صرف ہنری اور دیہاتی آبادی تک بھیلایا گیا بلکہ سیاسی قیدیوں کی نگرانی کے لئے بھی ایسے جاسوس پیدا کر لئے گئے جنہیں بظاہر شیخ محمد عبداللہ کا حامی ہونے کی بنا پر جیل بھیج دیا جاتا تھا لیکن اصل میں ان کے پیڑ جیل کے اندر سیاسی لیڈروں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کا کام تھا۔ ۱۹۵۵ء میں ان جاسوسوں کے ذریعے جب وزیر عظم بخشی غلام محمد کو یسٹین ہو گیا کہ اگر وہ مرزا محمد فضل بیگ کو ہار دین گے تو اس کے انہیں سیاسی فائدہ حاصل ہوگا۔ تو انہوں نے اگست ۱۹۵۵ء میں مرزا محمد فضل بیگ کو جیل سے ہار دیا۔ چنانچہ مرزا محمد فضل بیگ نے اپنی رہائی سے پہلے جیل میں اپنے رفقاء کے مشورے کئے اور رہائی کے بعد جیل سے باہر اپنے رفقاء سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد جموں کشمیر محاذ رائے شماری کے قیام کا اعلان کر دیا۔ بخشی غلام محمد نے بیگ صاحب کے اس اعلان کو اپنی کامیابی اور اپنی سیاسی پوزیشن کے مستحکم ہونے سے متنبہ کیا، کیونکہ نئی دہلی میں ایک با اثر سیاسی حلقہ اور خود وزیر عظم پنڈت جواہر لال نہرو بھی اس بات سے اتفاق نہیں کرتے تھے کہ شیخ محمد عبداللہ اور ان کے ساتھی ہندوستان کے سے علیحدگی کا مطالبہ کر رہے ہیں چنانچہ بیگ صاحب کی طرف سے رائے شماری کا مطالبہ منوانے کے لئے ایک باقاعدہ تنظیم کا قیام بخشی غلام محمد کی تمناؤں کے عین مطابق تھا۔ اپنا یہ مقصد پورا کر لینے کے چند ہفتے بعد مرزا محمد فضل بیگ کو دوبارہ گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ ان کے جیل چلے جانے کے بعد محاذ کے ایک نائب صدر مسٹر عبد الغنی گونی جن کا

جیل کے ضلع ڈوڈہ سے تعلق ہے اس کا قیام صدر بنایا گیا۔ کچھ عرصہ بعد مسٹر گونی کو بھی گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا اور بعد میں جیل کے اندر ہی اپنے آدمیوں کے ذریعے بخشی غلام محمد نے مسٹر گونی کو اپنا مہنوا بنالیا اور انہیں بھی کچھ وقت کے لئے جیل کے اندر کچھ خصوصی تفریض سونپے گئے جن کی بجا آوری کے بعد وہ رہا ہو گئے اور رہائی کے چند ہفتے بعد باقاعدہ اس نیشنل کانفرنس میں شامل ہو گئے جس کے سربراہ بخشی غلام محمد تھے مسٹر گونی کی جگہ سربراہ کے ایک سرکردہ باجر بخشی محمد سحان کو محاذ کا قائم مقام صدر بنایا گیا۔ بخشی غلام محمد بیک وقت تین محاذوں پر بڑی خوش اسلوبی سے کام کرتے رہے۔ ان کے لئے ایک محاذی دہلی میں تھا۔ جہاں انہوں نے روپیہ پیسے، تحفے تحائف اور دوسرے تمام ذریعے استعمال کر کے کانگریسی لیڈروں جن میں زیادہ تر براثر ممبران پارلیمنٹ وغیرہ شامل تھے، کی ایک مناسبت لابی پیدا کر لی تھی جو نئی دہلی میں بخشی غلام محمد کے لئے کام کرتی تھی۔ دوسرا محاذ ریاست کے اندر سیاسی برتری حاصل کرنے کا تھا چنانچہ صرف دو تین برس کے عرصے میں انہوں نے ریاست میں لقمہ کر تیا ساری سیاسی اور انتظامی مشینری پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ تیسرا محاذ جس پر وزیر عظم بخشی غلام محمد کو بڑی آسانی سے کامیابیاں حاصل ہوتی رہیں۔ وہ کشمیر میں ہندوستان کے خلاف تحریک کا محاذ تھا۔ بخشی غلام محمد کا یہ پختہ یقین تھا کہ اگر ہندوستان کے خلاف جدوجہد کرنے والے عناصر کو روک پڑ گئے تو اس کے نتیجے میں ان کا اپنا اقتدار بھی کمزور پڑ سکتا ہے اور ختم ہو سکتا ہے اسی خیال کے پیش نظر وہ محاذ رائے شماری کے کچھ لوگوں اور خواہر غلام محی الدین قزوکی عدم موجودگی میں ان کی پولیس کی لائنوں کے علاوہ بعض پاکستانی لوازم عناصر کی بھی سرحدوں سے خفیہ طور پر مالی امداد کرتے رہے۔ انہوں نے کسی بار مجھ سے یہ کہا ”ان عناصر کا وجود بہت ضروری ہے ورنہ نئی دہلی والے جو چاہیں گے کرتے پھریں گے۔“ دوسری طرف پنڈت جواہر لال نہرو، شیخ محمد عبداللہ کی مسلسل نظم بندی پر ناخوش و نار ہیں تھے۔ وہ بار بار وزیر عظم بخشی غلام محمد سے کبھی اس معاملے پر بات چیت کرتے رہے لیکن بخشی صاحب اس مسئلہ کو ہمیشہ یہ کہہ کر ٹالتے رہے کہ شیخ محمد عبداللہ کی رہائی کا ابھی موقع نہیں آیا۔ حالات نے اس وقت ایک نئی کڑی لی جب ۱۹۵۶ء میں روس کے صدر مسٹر بلگان اور وزیر عظم خروشیچ ہندوستان کے سرکاری دورے پر آئے۔ روس کے صدر اور وزیر عظم کی کثیر بھی آئے اور نئی دہلی اور سرنگری میں دونوں لیڈروں نے اپنی تقریروں کے دوران جموں کشمیر کے ہندوینوں سے الحاق کی کھلم کھلا حمایت

کا اعلان کر دیا۔ ایک بڑی طاقت کے پیش کے معاملے پر اس وقت کے بیشتر کو بڑی طاقتوں کی سرحد جنگ کی لپیٹ میں لے لیا۔ ۱۹۵۶ء تک روس بظاہر شیر کے معاملے پر غیر جانبدارانہ پالیسی کا اظہار کرتا رہا تھا لیکن اس کے موقف میں اس تبدیلی سے اس مسئلے کے کسی پُر امن اور پائیدار تفسیق کے امکانات بڑی حد تک تارک ہو گئے اور اس کے ساتھ ہی چین کے شیر کے سوال پر پاکستان کی حمایت شروع کر دی اور ملکہ اور برطانیہ بھی زیادہ سرگرمی کے ساتھ کشمیر کے متعلق اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد کے لئے زور دینے لگے۔ لیکن امریکہ برطانیہ اور خود پاکستان کے اصرار اور کوششوں کے باوجود اقوام متحدہ کی قراردادیں محض کاغذی دستاویزی بنی رہیں اور ان پر عمل درآمد نہیں کیا جاسکا۔

جس طرح ۱۹۶۴ء کے بعد شیخ محمد عبداللہ کی سربراہی میں نیشنل کانفرنس کی قیادت کے اتحاد کو ٹوٹنے کی کوشش ہوئی رہی عین اسی طرح ۱۹۵۳ء کے بعد بھی وزیر عظم بخشی غلام محمد کی سربراہی میں رہی نیشنل کانفرنس کی قیادت کا اتحاد ٹوٹنے کی کوششیں جاری رہیں۔ ان کوششوں کے نتیجے میں وزیر عظم بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق کے درمیان سیاسی اختلافات علیحدگی کی حد تک پہنچ گئے۔ چنانچہ ۱۹۶۵ء میں جب ریاست کی قانون ساز اسمبلی کے بنائے ہوئے آئین کے نفاذ کے بعد یہاں پہلی بار ریاستی اسمبلی کے لئے برائے نام انتخابات کروائے گئے۔ (یہ انتخابات اس بنا پر برائے نام تھے کیوں کہ ان میں بھی وادی کی بیالیں سیٹوں میں سے چالیس پر نیشنل کانفرنس کے امیدوار مقابلہ کامیاب قرار دیئے گئے اور ان کے مقابلے میں کھڑے ہونے والے تمام کے تمام امیدواروں کے کاغذات نامزدگی مسترد کر دیئے گئے)۔ تو ان انتخابات میں وزیر عظم بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق جو کابینہ میں وزیر عظم تھے، کے درمیان اختلافات نے تصادم کی صورت اختیار کر لی اور نیشنل کانفرنس پھر سے دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک کی سربراہی خود وزیر عظم بخشی غلام محمد کر رہے تھے اور دوسرے کی سربراہی خواجہ غلام محمد صادق کے ہاتھ میں چلی گئی۔ بخشی صاحب کی کابینہ کے تین اہم وزراء مسٹر گرداری لال دگرہ، مسٹر ڈیگاپرشاد دھرو اور سید میتر فارم کے علاوہ اسمبلی کے سابق سپیکر خواجہ غلام رسول رینزو، جنہیں بخشی غلام محمد نے اپنی سیاسی حکمت عملی سے انتخابات میں ناکام بنوایا تھا، بھی صادق صاحب سے مل گئے اور ان لوگوں نے نیشنل کانفرنس کے مقابلے میں

ڈیپیکر ٹیکسٹائل کانفرنس بنائی جس کے غرض و مقاصد اور نصب العین کا اعلان ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو سرسنگر میں کیا گیا۔ ڈیپیکر ٹیکسٹائل کانفرنس نے ریاست کے ہندوؤں کے حقوق کے بارے میں بخشی صاحب کے نظریات کی تائید کے سوا باقی تمام تنازک پالیسیوں کو مسترد اور اس کے ساتھ ہی شیخ محمد عبداللہ کی راہی کا بھی مطالبہ کر دیا۔ وزیر عظم بخشی غلام محمد یہ بخوبی جانتے تھے کہ یہ مطالبہ نئی دہلی کے اشارے سے کیا جا رہا ہے اور ان میں زیادہ تر پڈت جواہر لال نہرو کا ہاتھ ہے۔ اسی اثنا میں وزیر عظم پڈت جواہر لال نہرو پورے معاملے پر برس کے دفعے کے بعد جوالا میں ۱۹۵۷ء میں وادی میں سیلاب کی صورت حال کا جائزہ لینے کے بہانے پہلی مرتبہ سرسنگر آئے۔ پڈت نہرو سرسنگر کے ہوائی اڈے پر حبیات سے تودہ داس اور غلام اختر آئے تھے۔ ہوائی اڈے پر کیا سی حکام جو ان کے مقدمہ کیلئے وال ہو رہے تھے، کے ساتھ انہوں نے انتہائی بے رحمی اور چپ چاپ کاری میں بیٹھ کر سرکاری قیام گاہ پر پہنچے۔ اس کے اگلے دن بخشی غلام محمد کی سرکاری قیام گاہ کے احاطے میں نیشنل کانفرنس کے حیدرہ جیدہ ملاکوں کا ایک جلسہ ہوا، اس جلسے میں پڈت جواہر لال نہرو نے بڑی بے باکی کے ساتھ یہ کہا۔ مجھے اپنے ایک قریبی ساتھی شیخ صاحب کی جدائی کا بے حد افسوس ہے۔ مجھے اس بات پر غصہ ہے کہ ان دنوں کے بڑے بڑے سیاستدانوں کو قائل کر لیا ہوا لیکن انہوں نے کہ میں شیخ صاحب کو قائل نہیں کر سکا۔ سو سکتا ہے کہ اس معاملے میں خود میرے ہی اندر کوئی کمزوری ہو لیکن اس کے باوجود میں یہ نہیں چاہتا کہ ہمارے اور شیخ عبداللہ کے درمیان جو علیحدگی پیدا ہو گئی ہے وہ مزید وسیع ہو۔ میں اس کو پالنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ وزیر عظم ہند کے اس اظہار خیال کے بخشی غلام محمد اور ان کے حامیوں کے چہرے پر ہوائیاں نئی اڑنے لگیں لیکن وہ دم بخود رہے۔ بخشی صاحب کے ساتھ بخشی بات چیت کے دوران پڈت نہرو اور بخشی صاحب کے درمیان بعض امور پر بڑی حد تک اتفاق ہو گیا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بخشی غلام محمد نے مجبوراً اتفاق کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے نومبر ۱۹۵۷ء میں دہلی جب کہ وزیر عظم پڈت جواہر لال نہرو کے ساتھ اس معاملے پر کھل کر بات چیت کی اور جب پڈت جواہر لال نہرو اس بات پر یقین دہانے کے شیخ محمد عبداللہ کو مسلسل نظر بند رکھنا کوئی اچھی بات نہیں تو بخشی غلام محمد نے انہیں یقین دلایا کہ وہ چند ایک ہفتے تک سابق وزیر عظم کشمیر کو راکر دیں گے۔ نئی دہلی کے واسطے بخشی غلام محمد مجبور ہوئے ہوئے سرسنگر پہنچے اور یہاں انہوں نے اپنے قریبی مشیروں اور قابل اعتماد ساتھیوں کے ساتھ اس

مسلطہ پر تبادلہ خیال کیا اور سیاسی سطح پر اور انتظامی سطح پر تمام ترتیداریاں کرنے کا حکم دیا تاکہ شیخ محمد عبداللہ کی رہائی سے پیدا ہونے والی ہر صورت حال کا مقابلہ کیا جاسکے۔ دسمبر کے آخری ہفتے میں ریاستی کامیونہ نے شیخ محمد عبداللہ کو رہا کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس فیصلے کے مطابق ۸ جنوری ۱۹۵۸ء کو شیخ محمد عبداللہ کو رہا کر دیئے گئے۔ اپنی رہائی کے بعد شیخ صاحب براستہ باہنہال سری نگر گئے جہاں زبردست پابندیاں اور خوف و دہشت کی کاروائیوں کے باوجود ان کا نہایت پریشاں استقبال کیا گیا۔ گرفتاریوں کے دُور سے بے نیاز ہو کر اور پولیس کی طرف سے لاطیموں کے استعمال کے باوجود شہر اور دیہات کی تقریباً ساری آبادی ان راستے پر آمد آتی جن راستے کے سے شیخ محمد عبداللہ کو گزرنا تھا۔ شیخ محمد عبداللہ کی رہائی اور ان کی سری نگر میں آمد کے بعد بربرقت دانشل کافر نس اور اس کی حکومت تقریباً بے دست و پا ہو کر رہ گئی اور شیخ محمد عبداللہ کے جلسوں میں ہزار ہا انسانوں کی حاضری نے وزیر عظم بخش غلام محمد اور نئی دہلی کو کھیاں طور پر پریشان کر دیا۔ مقامی اخبارات پر کڑی پابندیاں عاید کر دی گئیں اور نئی دہلی یا بیرونی ممالک سے جو اخباری نامہ نگار شیخ محمد عبداللہ کی رہائی اور ان کی تقریروں کے بارے میں خبریں بھیجنے کے لئے یہاں آئے ان سب کو سرکاری مہمانوں کے طور پر سیٹ و ڈاؤ اور وائے پیس ہول میں بٹھرایا گیا۔ ان میں بڑی فراخ دلی سے روپیہ تقسیم کیا گیا اور کھانے پینے، شراب اور دوسری ہر چیز کے سلسلے میں ان کی بھرپور خاطر و مدارت کی جاتی رہی۔ سرنگ میں صورت حال یہ تھی کہ جب وزیر عظم بخش غلام محمد جن میں صورت چند روز قیام کے بعد جنوری کے تیسرے ہفتے میں پھر سری نگر آئے تو ان کی آمد کی اطلاع ملنے پر ان کے ملنے ان کی قیام گاہ پر گیا تو میں نے افسردگی و مایوسی اور پریشانی کی سی کیفیت دیکھی۔ وہاں کاندریل کے نور الدین صوفی نے مجھے بتایا کہ کوئی ایک شخص بھی اس احاطے میں داخل نہیں ہو رہا ہے حالانکہ جنوری ۱۹۵۸ء سے پہلے وزیر عظم بخش غلام محمد کو سہ ماہ کے دوران جیل ہی جوتے گئے سرنگ آتے ہر روز سیکڑوں لوگ ان سے ملاقات کرتے اور انہیں اپنے مسائل پیش کرنے کے لئے ان کی قیام گاہ کے اندر اور باہر نظر آتے تھے لیکن ان حالات یہ تھی کہ وزیر عظم کی قیام گاہ پر صرف بارہ آدمی موجود تھے ان میں سے چھ پولیس کے اعلیٰ افسر جن میں انیسٹر جنرل پولیس شرمہر بھی شامل تھے اور باقی قیام گاہ کے سرکاری ملازم تھے لیکن اس کے باوجود بخش غلام محمد نے ہمت نہیں ہاری اور انہوں نے ۲۶ جنوری کو یومِ جمعہ پر

ہند کی تقریب منانے کا اعلان کر دیا۔ اس سلسلے میں بربرقت دانشل کافر نس کے اہتمام سے مجاہد منزل کے سے ایک جالوس نکالا گیا۔ اس جالوس میں سرکاری کارخانوں کے مزدور، نیشنل کافر نس کی حامی مزدور اسجنوں کے ممبر، بہت سے سرکاری ملازم اور نیشنل کافر نس کے جدیدہ جدیدہ کارکن شامل تھے۔ یہ جالوس لال چوک سپینچا، جہاں ایک جلسہ ہوا جن میں وزیر عظم بخشی غلام محمد نے تقریر کی۔ لال چوک کے اس جلسے میں پندرہ سے بیس ہزار تک لوگ تھے جن میں اکثر غیر مسلم تاجر اور سرکاری ملازمین اور دیہات سے آئے ہوئے نیشنل کافر نیوں کی تھی۔ بخشی صاحب سرنگ میں مختصر قیام کے بعد واپس جوتے چلے گئے اور جانے سے پہلے ان کی ہدایت کے تحت وسیع پیمانے پر نوڑ پھوڑ کا ایک منصوبہ بنایا گیا تاکہ شیخ محمد عبداللہ کی دوبارہ گرفتاری کا جواز پیدا کیا جاسکے سرنگ کے مختلف تارکھروں سے ہزار ہا تار وزیر عظم ہند اور مرکزی وزیر داخلہ کو بھیجے گئے جن میں سیاسی حالات کو انتہائی سنگین اور شیخ محمد عبداللہ کی دوبارہ گرفتاری کا مطالبہ درج کیا گیا تھا۔ ان تمام تاروں کا خرچ خصوصی فٹ سے ادا کیا گیا۔ خصوصی فنڈ مختلف طریقوں سے شیخ محمد عبداللہ کا مقابلہ کرنے کے لئے قائم کیا گیا تھا اور جن لوگوں کی تحویل میں یہ فنڈ تھا وہ روزانہ ہزاروں روپے اس میں سے خرچ کرتے تھے۔ نوڑ پھوڑ کے اس منصوبے پر عملدرآمد کے سلسلے میں شہر اور دیہات میں مختلف مقامات پر محاذ لائے شکاری اور نیشنل کافر نس کے حامیوں کے درمیان جھڑپیں کرائی جاتی رہیں اس کے ساتھ ہی ہر پروگرام بنایا گیا کہ آئندہ جمعہ کو معراج الہی کی تقریب کے سلسلے میں شیخ محمد عبداللہ کی دنگا حضرت بل میں تقریر کے موقع پر بڑے پیمانے پر فساد پکایا جائے اور حکمران پارٹی نیشنل کافر نس کے تین حامیوں کو قتل کر کے اس کا الزام محاذ لائے شکاری والوں کے سرخو پ دیا جائے۔ چنانچہ بروز جمعہ جب دو روز نزدیک، شہر اور دیہات سے ہزار ہا لوگ دنگا حضرت بل پہنچ رہے تھے تو اس علاقے میں جب جگہ سٹرل یزڈ پولیس کے مسلح دستے گھومتے پھرتے نظر آتے تھے۔ وزیر عظم بخش غلام محمد جو خود جوتے میں تھے، کے بہت سے حامی اوقات کے لئے چندہ جمع کرنے اور امن و امان کی برتری کے لئے پولیس کی مدد کے بہانے دنگا کے باہر موجود تھے۔ نماز جمعہ کی ادائیگی اور شیخ صاحب کی تقریر کے بعد جھڑپیں شروع ہوئیں اور لوگ خشکی اور آبی دونوں رستوں سے بھاگنے لگے۔ اس ہڑبادی اور بھگدڑ میں تقریباً ۳۸ آدمی زخمی ہو گئے جن میں سے دس کے بارے میں یہ وثوق کے ساتھ

کہا گیا کہ انہیں پولیس نے بڑی بے دردی کے ساتھ پٹیا تھا۔ برسرِ وقت دارپانی کے اُن تین حامیوں جنہیں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا، میں سے ایک کو ڈرامائی انداز میں چھرا گھونپ دیا گیا اور وہ زمین پر پڑنے لگا۔ اس کا نام محی الدین باندے تھا اور یہ شخص پیش پولیس میں ملازم بھی تھا جس کا سارا ریکارڈ خفیہ رکھا جاتا تھا۔ دوسرے دو افراد علی محمد اور محمد یوسف گزر کر بھگدڑ مچتے ہی اُن کے ہاتھ نہیں لگ سکے جنہیں اُن کے قتل کی ذمہ داری سونپی گئی تھی اور اس طرح صرف ایک آدمی کے قتل کا اہتمام ہو سکا۔ اس قتل کے الزام میں پولیس نے مولانا محمد سعید مسعودی اور صوفی محمد اکبر سمیت پچیس ^{۳۳} سرکردہ لیڈروں کو گرفتار کر لیا اور ان میں سے اکھڑہ کے خلاف درگاہ حضرت بل میں فساد پیکار کرنے اور محی الدین کو قتل کرنے کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ بعد میں اس مقدمے کی پیروی سرنگر سنٹرل جیل میں ہو کر تھی جہاں مولانا محمد سعید مسعودی اور ان کے ساتھی ملزموں کی حیثیت میں پیش ہو کر تے تھے۔ اسی دوران بخشی غلام محمد کو اُن کے جاسوسوں نے یہ اطلاع بھی دی کہ مس مردولا سارا بھائی، جو کانگریس کی ایک اہم خاتون لیڈر تھی اور جس نے کشمیر کے معاملے میں دل چسپی لے کر اچھی خاصی شہرت حاصل کر لی تھی، وزیرِ عظم پنڈت جواہر لال نہرو کا ایک خصوصی مراسلہ لے کر سری بھرائی ہے اور اُس کی کوششوں کے نتیجے میں جلد ہی شیخ محمد عبداللہ اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان ملاقات کا امکان ہے۔ اس پر وزیرِ عظم بخشی غلام محمد کچھ زیادہ پریشان ہو گئے جتنا بچہ انہوں نے ۲۹۔ اور ۳۰ اپریل کی درمیانی رشب کو شیخ محمد عبداللہ کو گرفتار کر کے اُنکے اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان ملاقات کے امکانات کو ختم کرنے کے رکھ دیا۔ شیخ صاحب دوبارہ کد میں نظر بند کر دیئے گئے اور جوں ہی حکومت کے اس اقدام کی خبر عوام میں پھیلی تو انہیں شیخ صاحب کی گرفتاری پر سخت صدمہ ہوا۔ لیکن چونکہ حکومت نے شہر اور دیہات کے تمام اہم مقامات، بازاروں اور سڑکوں پر مسلح سنٹرل ریزرو پولیس کا زبردست پہرہ بٹھادیا تھا۔ اس لئے کوئی احتجاج وغیرہ نہیں کیا جاسکا۔ نیشنل کانفرنس کے لیڈروں نے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ جو شخص بطور احتجاج اپنی دکان بند کرے گا اُس کی دکان لوٹ لی جائے گی۔ چنانچہ زینہ کدل میں دو ایک دکانوں کے قفل توڑ کر انہیں لوٹ بھی لیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ کی دوبارہ گرفتاری کے لگ بھگ ایک ہفتہ بعد آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جو بلاس نئی دہلی میں منعقد ہوا اس کے بارے میں یہ خبر نئی دہلی کے اخبارات میں شائع

ہوئی کہ وزیرِ عظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں یہ دھمکی دی ہے کہ وہ وزارتِ اعلیٰ سے مستعفی ہو جانا چاہتے ہیں کیونکہ بہت سے اہم معاملات کے بارے میں انہیں بے خبر رکھا جا رہا ہے۔ حکومت ہند کے حلقوں کا یہ بیان تھا کہ شیر میں شیخ محمد عبداللہ کی دوبارہ گرفتاری بخشی غلام محمد اور مرکزی وزیرِ داخلہ مسٹر گوہند دلچہ پنچھ نے نہایت ڈرامائی انداز میں عمل میں لانے کا اقدام کیا تھا اور جواہر لال نہرو اس واقعے سے خوش نہیں تھے۔



آزاد کشمیر میں مسلح بغاوت

آزاد کشمیر میں بھی حکومتوں کی تبدیلی کے طریقہ کار اور مسئلہ کشمیر کے طول پھولنے کے خلاف ریاستی عوام کی ایک بڑی اکثریت نالاں تھی اور عوام کی ایک ایسی منتخب حکومت کا مطالبہ زور پکڑتا جا رہا تھا، جو کشمیر کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے کوئی مثبت اقدام کر سکے۔ اس مقصد کے لئے مسلم کانفرنس کے بعض سرکردہ لیڈروں نے یہ تحریک بھی شروع کی تھی کہ آزاد کشمیر کی منتخب حکومت کو پاکستان جموں کشمیر کی حکومت تسلیم کرے اور بعد میں دوسرے ممالک سے بھی اس حکومت کو تسلیم کروانے کی کوشش کی جائے۔ لیکن پاکستان نے اس تحریک سے اتفاق نہیں کیا۔ خاص طور پر شیر احمد خان جو برطانوی حکومت کی فوج میں صوبیدار تھا، کو اعزازی کرنل بنا کر آزاد کشمیر حکومت کا سربراہ مقرر کرنا کسی کو بھی قابل قبول نہ تھا۔ اس حکومت کو عوام کے کئی بھی سیاسی طبقے کی حمایت حاصل نہیں تھی اور مسلم کانفرنس کے لیڈروں کو اس طرح کی حکومت کے قیام پر نکتہ اعتراض تھا۔

چنانچہ ۱۹۶۵ء کے ابتدائی ایام میں آزاد کشمیر کے صدر کرنل شیر احمد خان اور ان کے مخالفوں کے

درمیان محاذ آرائی کی صورت حال پیدا ہوئی اور اس محاذ آرائی نے اس وقت سنگین صورت اختیار کر لی، جب پلندری میں ایک مخالف لیڈر شیردل خان کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی۔

شیردل خان اپنے گاؤں سے حسب معمول تھیں پلندری کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے آیا اور جب وہ مسجد میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ مسجد کو چاروں طرف پولیس نے گھیر رکھا ہے۔ نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد جب شیردل خان مسجد سے باہر آیا تو پلندری کے ڈپٹی پرنسٹنٹ پولیس نے انہیں گرفتاری کا وارنٹ پیش کیا۔ ابھی وہ گرفتاری کا وارنٹ اسے دکھایا رہا تھا کہ شیردل خان نے بتوں نکال کر اس پر فائر کیا اور پھر ہوا میں بھی ایک دو گولیاں چلائیں۔ اس کے نتیجے میں ڈپٹی پرنسٹنٹ پولیس زخمی ہو کر گر گیا۔ پولیس کے جو سپاہی وہاں متعین تھے، وہ فرار ہو گئے اور شیردل خان نے اپنا راستہ لیا۔

پلندری کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے طر عنایت مولانا اس معاملے کا سخت نوٹس لیا اور مظفر آباد سے رابطہ قائم کر کے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کی، کہ اسی اثنا میں شیردل خان نے اپنے ساتھیوں سمیت مسلح بغاوت کا اعلان کر دیا اور جب انہوں نے پلندری کے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر کی طرف رخ کیا تو آزاد کشمیر کی مسلح پولیس بھی باغیوں سے مل گئی۔ انہوں نے سب سے پہلے جیل پر دھاوا بول دیا اور وہاں سے تمام قیدیوں کو رہا کرنے کے بعد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے دفتر کی طرف پیش قدمی کی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے طر عنایت مولانا کی طرح وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور راولپنڈی جا پہنچا۔ باغیوں نے ضلع ہیڈ کوارٹر پر قبضہ کر کے ایک متوازی حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ضلع پونچھ کو پاکستان سے ملنے والے دوا ام راستوں کو بلا اور کہوٹہ کی ناکہ بندی کر لی۔

اس صورت حال کا جب حکومت پاکستان کو علم ہوا تو وزارت دفاع نے کہوٹہ کے فوجی کیمپ اور مری کے راستے سے فوج کو پونچھ کی بغاوت پر قابو پانے کے لئے پیش قدمی کا حکم دیا۔ فوج پنجاب کی آرٹ کالنیبلری کی مدد سے کہوٹہ اور کہوٹہ کی طرف سے پیش قدمی کرتی ہوئی علاقے کے اندرونی حصوں میں پہنچی۔ جہاں بعض مقامات پر باغیوں اور فوج کے درمیان شدید لقمہ دارم ہوئے لیکن باغیوں کی تعداد کم ہونے اور گولی بارود کا ٹشاک ختم

ہونے کی بنا پر فوج نے ضلع ہیڈ کوارٹر سمیت سارے علاقے کو قبضے میں لے لیا۔

شیردل خان نے اس کے باوجود ہتھیار نہیں ڈالے اور وہ اپنے تقریباً ڈیڑھ سو ساتھیوں کے ساتھ پساہوکر ملت سدری کے نزدیکی بارل کے قلعے میں جا پہنچے، جہاں قلعہ بند باغیوں اور فوج کے درمیان دو دن تک لڑائی ہوتی رہی۔ اس لڑائی میں کتنے لوگ مارے گئے، اس بارے میں بالکل کچھ نہیں بتایا گیا۔ البتہ بارل کا قلعہ فتح ہونے کے باوجود شیردل خان فوج کے ہاتھ نہیں لگا۔ ان دنوں انتظام بحال کرنے کے بعد اس سارے علاقے میں گھر گھر تلاشی کی گئی اور ہتھیاروں کی بہت بڑی مقدار ضبط کر لی گئی۔ بہت سے لوگوں کا مال و اسباب ضبط کیا گیا۔ یہ مال و اسباب ضلع ہیڈ کوارٹر لاکر نیلام کیا گیا اور اس کی نیلامی کا کام پلندری کے اسپیشل کمنڈر عبدالرحمن سلیم کے سپرد کیا گیا۔ علاقے میں ان دنوں انتظام بحال ہونے کے کوئی دو ہفتے بعد شیردل خان کی کال فیس نے مجھے پلندری جا کر صورت حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا اور جب میں پلندری پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اس پورے علاقے میں خوف و دہشت کی ہی فضا تھی۔ اسپیشل کمنڈر نے اپنے ایک ماتحت کو ہدایت کی کہ وہ مجھے پلندری ہسپتال لیجائے۔ میرا ہسپتال زخمیوں سے بھرا ہوا تھا، جن میں زیادہ تر لڑکھواتیں کی تھیں۔ مجھے بتایا گیا کہ بارل کے قلعے کی تسخیر کے بعد فوج شیردل خان کے آبائی گاؤں میں اس کی تلاش کے لئے گئی لیکن وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ البتہ اس کے مکان کو مال مویشیوں سمیت ڈانٹا میڈل سے اڑا دیا گیا۔ بغاوت کے سلسلے میں قلعہ یارڈ ڈیڑھ ہزار افراد کو گرفتار کیا گیا اور انہیں مختلف جیلوں میں رکھا گیا۔ حکومت پاکستان اور آزاد کشمیر کے حکام نے اس سارے معاملے کی بڑی سختی کے ساتھ پردہ پوشی کی اور جو واقعات کسی کی کسی طرح اخبارات تک پہنچے۔ انہیں شائع کرنے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ ان واقعات کے بارے میں کثیری لیڈروں نے پاکستان کے گورنر جنرل کو ایک میورنڈم بھی پیش کیا اور انہوں نے تحقیقات کا یقین بھی دلایا لیکن نہ تو کوئی تحقیقات ہوئی اور نہ ہی کسی سے ان زیادتیوں اور ظالم کی باز پرس کی گئی، جو اس علاقے کے لوگوں پر ڈھائے گئے۔



اپریل ۱۹۵۸ء میں شیخ محمد عبداللہ کی دوبارہ گرفتاری کے بعد کشمیر پولیس نے کشمیری غلام محمد کو وہ خاکہ پیش کیا جس کے مطابق سابق وزیر اعظم اور ان کے تمام ترقیاتی ساتھیوں کے خلاف ریاستی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے پاکستان کے ساتھ ساز باز کرنے کا مقدمہ چلایا جاسکتا تھا۔ یہ خاکہ مرکزی سرافرساں انجمنی آئی بی اور کشمیر پولیس کے کچھ افسروں نے مل کر تیار کیا تھا۔ کشمیر پولیس کے ان افسروں میں شیخ غلام قادر گاندربلی، ایس پی سپتیل پولیس، پنڈت گوپی ناتھ کوٹرو، ایس پی پی آئی ڈی اور اسی درجے کے کچھ دوسرے پولیس افسر پیش پیش تھے، اب انہی صاحب بیک وقت دو مڈلوں پر لڑے تھے ایک غاذیو کرٹیک نیشنل کانفرنس کا تھا اور دوسرا نئی دہلی میں ہندوستان کے ان لیڈروں پر مشتمل تھا جو کشمیر کے بارے میں کشمیری غلام محمد کی پالیسیوں سے ناخوش تھے لیکن کشمیری غلام محمد نے بڑی چابک دستی کے ساتھ اپنا یہ مطالبہ منوالیا کہ شیخ محمد عبداللہ اور ان کے ساتھیوں پر پاکستان کے ساتھ سازش کرنے کا مقدمہ چلایا جائے۔ نئی دہلی کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد ۲۱ مئی ۱۹۵۸ء کو بات اعدہ طور پر سازش کا مقدمہ رجسٹر کر لیا گیا۔ ریاستی حکومت نے ابتداء میں شیخ محمد عبداللہ کو اس مقدمہ

میں ملوث کرنے سے گریز کیا اور گزموں میں سر فرست سابق وزیر مال مرزا محمد افضل بیگ کا نام رکھا گیا۔ اس مقدمے کی سماعت سری نگر کی گجائے جوں میں کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور اس کے لئے ایک کمزور اور حکومت کے آزاد کار جج پنڈت نیکنٹھ پک کو سماعت کے فرائض سونپے گئے یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ یہ دن کثیر پنڈت نیکنٹھ پک کی بجائے سماعت کرنے والے جج کا نام این کے حق بتلایا جاتا تھا مقدمے کی ابتدائی سماعت کے صرف چند ہفتے بعد شیخ محمد عبداللہ کو سب سے بڑے ملزم کی حیثیت سے اس میں ملوث کیا گیا اور انہیں کد سب جیل سے جوں منتقل کیا گیا تاکہ مقدمے کی سماعت کے دوران وہ عدالت میں پیش ہو سکیں۔ مقدمے کی سماعت جوں سنٹرل جیل کے ایک حصے میں ہو رہی تھی اور اس میں ملوث کئے گئے تمام ملزم جوں سنٹرل جیل میں رکھے گئے۔ اس مقدمے پر پانی کی طرح روپیہ صرف کیا جانے لگا۔ سازش کے اس مقدمے میں اصل گواہ وہ لوگ تھے جنہیں کثیر پولیس جاسوسی کے لئے پاکستان بھیجا کرتی تھی۔ ان تمام تر کاروائیوں کے باوجود بخشی غلام محمد نہ تو جواہر لال نہرو کو متاثر کر سکے اور نہ وہ داخلی طور پر ایک مضبوط حکمران بن سکے۔

داخلی طور پر ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس ان کے خلاف برسر پیکار تھی اور کثیر پنڈت بھی ان سے ناخوش تھے کثیر پنڈتوں کی برہمنی ہوئی مخالفت بخشی غلام محمد کے لئے بڑی حد تک ناقابل برداشت تھی اور وہ جب بھی اس موضوع پر فہم سے بات کرتے تھے تو کہا کرتے کہ ”دیکھنے میں نے ہندوستان کے لئے کیا کچھ نہیں کیا لیکن اس کے باوجود ہندو فہم سے خوش نہیں ہیں۔“ اور دوسری طرف پنڈت جواہر لال نہرو برابر بے اطمینانی کا اظہار کر رہے تھے۔ ان کے زبردست دباؤ کے تحت بخشی غلام محمد نے ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کو واپس نیشنل کانفرنس میں لے لینے اور انہیں وزارت عہدوں پر فائز کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی چنانچہ ۵ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس توڑ دی گئی اور خواجہ غلام محمد صادق اور ان کے رفقاء دوبارہ بخشی غلام محمد کے ساتھ مل گئے۔ اس ملاپ کے نتیجے میں صادق صاحب ڈی پی دھر، سید میر قاسم اور گرد ہاری لال ڈوگرہ کو کابینہ میں شامل کر لیا گیا۔ ان کی کابینہ میں شمولیت اس لئے بھی ضروری تھی کہ یہ نگرانی سبلی کے انتخابات آنے والے تھے اور حکمران جماعت کے کسی بھی

خلاف کو الیکشن لڑنے یا اس میں کامیابی کی قطعی کوئی امید نہیں ہو اگر قی قی اور صادق صاحب کو مسٹر ڈی پی دھر نے اس بات سے آگاہ کر دیا تھا کہ پنڈت جواہر لال نہرو بخشی غلام محمد کو اب کثیر کا وزیر عظم نہیں دیکھنا چاہتے۔ جواہر لال نہرو نے بخشی غلام محمد کو یہ تجویز پیش کی تھی کہ وہ چونکہ ایک طویل عرصے سے کثیر کے وزیر عظم چلے آ رہے ہیں، اس لئے وہ اب ریاست سے باہر آ کر کام کریں۔ یہاں تک کہ انہیں مرکزی وزیر داخلہ بنانے کی پیش کش بھی کی گئی لیکن بخشی صاحب نے بڑی مہفانی کے ساتھ اس معاملے کو ٹال دیا اور فروری ۱۹۴۷ء میں ریاستی اسمبلی کے انتخابات اپنی نگرانی میں کروائے اور اپنے مشیر ساتھیوں کو پھر ایک بار بلا مقابلہ کامیاب کر دیا۔ اس مرتبہ بھی انتخابات برائے نام ہوئے کیونکہ وادی کی سیاستی اسمبلی کی سیٹوں میں سے ۳۸ بلا مقابلہ حاصل کر لی گئیں اور حکمران نیشنل کانفرنس کے مقابلے میں کھڑے ہونے والے امیدواروں میں سے بعض کو لاپ ویا گیا، بعض کو اغوا کر لیا گیا اور جو اس کے باوجود امیدوار بنے رہے، ان کے کاغذات نامزدگی مسترد کر دیئے گئے۔ اس طرح بخشی غلام محمد نے اپنی حکمرانی کو برقرار رکھنے کا انتظام کر لیا۔ لیکن یہ بات ان کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی کہ نئی دہلی ان کی حکمرانی کو اب پسند نہیں کرتی نئی ریاستی کابینہ کی تشکیل کے بعد ۶ جولائی ۱۹۴۷ء کو جواہر لال نہرو ایک ہفتے کے طویل قیام کے لئے کثیر آئے اور انہوں نے بخشی صاحب کے علاوہ ان کے تمام رفقاء کے ساتھ فردا فردا کثیر میں لیڈر شپ کی تبدیلی کے بارے میں گفت و شنید کی۔ پنڈت شیون رائن فوہیہ از جوان دنوں قانون ساز کونسل کے چیئرمین تھے، نے مجھے بتایا کہ ”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بخشی غلام محمد کی حکومت کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ کیونکہ پنڈت جی اس بات پر یقین ہیں کہ لیڈر شپ میں تبدیلی کر کے شیخ محمد عبداللہ کو رکھا جائے تاکہ ان کے ساتھ گفت و شنید کی جاسکے۔“ وزیر عظم ہند پورے پانچ دن تک کثیر میں رہے۔ لیکن بخشی صاحب اور ان کے رفقاء کسی طرح اس بات پر آمادہ نہیں ہو سکے۔

اس کے تقریباً تین ماہ بعد یعنی ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو چین نے ہندوستان پر حملہ کر دیا

اور اس کی فوجیں رات دن دھارتی ہوئی نیفا پر قابض ہو گئیں اور انہوں نے لداخ میں بھی پیش قدمی کر کے بعض اہم علاقوں

پر قبضہ کر لیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چینی فوج چند دن میں سارے آسام پر قابض ہو جائے گی لیکن چین نے یکطرفہ طور پر زبردستی اور لائی انداز میں جنگ بندی کا اعلان کر دیا۔ چین کا یہ حملہ سارے برصغیر کے لئے ایک زبردست ہیجان کا سبب بن گیا اور اس سے جواہر لال نہرو کی سیاسی شخصیت کو کبھی ٹھٹھیں پہنچی۔ چین کی طرف سے یکطرفہ جنگ بندی کے اعلان کے صرف ایک ہفتہ بعد ہی دہلی میں زبردست سفارتی سرگرمیاں شروع ہو گئیں ان سفارتی سرگرمیوں کے نتیجے میں ۲۴ نومبر ۱۹۶۲ء کو امریکہ اور برطانیہ کے دو ممتاز ڈپلومیٹ ایورل ہری مین اور ڈیوگن سینڈس اس اچانک نئی دہلی پہنچے جہاں انہوں نے چار روز تک جواہر لال نہرو اور کچھ دوسرے لیڈروں کے ساتھ طویل بات چیت کی۔ چار دن کی اس بات چیت کے بعد ۲۸ نومبر کو مسٹر ڈیوگن سینڈس نئی دہلی سے راولپنڈی گئے اور وہاں صدر محمد ایوب خان کے ساتھ مختصر سی گفت و شنید کے بعد شام کو واپس نئی دہلی آ گئے اس کے اگلے روز یعنی ۲۹ نومبر کو نئی دہلی اور راولپنڈی سے بیک وقت ایک مشترکہ بیان جاری کیا گیا جس میں یہ اعلان کیا گیا کہ ہندوستان اور پاکستان کے مسئلے کو طے کرنے کے لئے بات چیت کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ اس معاملے کی تفصیلات اور دوسرے امور کے بارے میں وزیر اعظم ہند نے ۳۰ نومبر کو پارلیمنٹ میں بھی بیان دیا جس میں انہوں نے بتایا کہ بات چیت وزارت سطح پر شروع کی جا رہی ہے۔ مسٹر ایورل ہری مین اور ڈیوگن سینڈس کے اس مشن کا اصل پس منظر یہ تھا کہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو چینی فوجوں کی آسام کی طرف پیش قدمی سے قبیل پیکنگ نے صدر ایوب کو اعتماد میں لیکر ان سے کہا تھا کہ وہ اس موقع پر پاکستان کی مسلح افواج کو کمزیر میں داخل کر کے وادی پر قبضہ کر لیں۔ صدر ایوب اور چینی لیڈروں کے درمیان اس کارروائی کے لئے سب کچھ طے ہو چکا تھا۔ چنانچہ صدر ایوب خان نے ہندوستان پر چین کے حملے سے دو دن قبل راولپنڈی میں پاکستان کی قومی اسمبلی کا خفیہ اجلاس طلب کیا جس میں انہوں نے اس کارروائی کے لئے قومی اسمبلی سے بھی منظوری حاصل کر لی۔ البتہ صدر ایوب نے سینیٹ کو ممبر ہونے کی حیثیت میں یہ مناسب سمجھا کہ وہ اپنے اتحادیوں کو بھی اپنی اس کارروائی سے باخبر رکھیں۔ چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے لئے پاکستان میں متعین ترکی، ایران، امریکہ اور برطانیہ کے سفیروں کے ساتھ الگ الگ ملاقاتیں کیں، ان ملاقاتوں کے بعد سفیروں نے اپنے اپنے ملک کو اس سارے معاملے سے آگاہ کر دیا جس پر امریکہ اور برطانیہ کو تشویش پیدا ہو گئی اور انہوں نے

نے فوراً راولپنڈی سے رابطہ قائم کر کے صدر ایوب کو یہ یقین دلایا کہ اگر وہ چین اور ہندوستان کی جنگ میں غیر جانبدار رہیں گے تو امریکہ اور برطانیہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان مذاکرات کے ذریعے کشمیر پر تصفیہ کروانے کی ذمہ داری پلٹے اور لینے کے لئے تیار ہیں۔ صدر ایوب نے اس معاملے پر اپنے اعلیٰ فوجی مشیروں کے ساتھ صلاح مشورہ کرنے کے بعد ریگن و امریکی پیش کش قبول کر لی، چنانچہ جو بنی چین نے یکطرفہ طور پر جنگ بندی کا اعلان کیا تو امریکہ اور برطانیہ نے اپنی صلاح مشورے کے بعد فوراً کشمیر کے مسئلے پر ہندوستان کے درمیان مصالحت کروانے کا شن شروع کیا۔ اور پاکستان اور برطانیہ کے دو نمائندوں ایورل ہری من اور ڈیکن سینڈز کی کوششوں کے نتیجے میں جو فیصلہ ہوا، اس کے مطابق ۲۶ دسمبر ۱۹۶۲ء کو ہندوستان کے وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ ایک اعلیٰ سطح کا وفد لے کر راولپنڈی پہنچے جہاں کشمیر پر بھٹو، سورن سنگھ مذاکرات کا دور شروع ہوا۔ مسٹر ڈانفکار علی بھٹو ان ایام میں پاکستان کے وزیر خارجہ تھے بات چیت کا یہ دور کئی ماہ تک چلتا رہا اور اس میں کشمیر کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے دونوں جانب سے مختلف اور متبادل قسم کی تجویزیں پیش کی جاتی رہیں اور ان پر تبادلہ خیال کیا جاتا رہا۔ ایک مرحلے پر جوں کشمیر کی تقسیم کے منصوبے پر اصلی فوجی افسروں سے بھی صلاح مشورہ کیا گیا۔ پاکستان اس بات پر بضد تھا کہ بانہال کے درے تک ساری وادی اُسے دیدی جائے اور جب سبوں کا سارا علاقہ ہندوستان لے لے۔ تقسیم کا ایک ایسا منصوبہ بھی زیر غور لایا گیا جس کا مقصد دریائے جہلم تقسیم کی حد مقرر کرنا تھا۔ شاید کوئی شخص اس بات پر یقین نہیں کرے گا کہ سری نگر میں بہت سے غیر مسلم جن کے مکان اور جائیدادیں دریائے جہلم کے مغربی کنارے پر واقع تھیں اپنے مکانوں اور جائیدادوں کا سودا کرنے لگے۔ کیونکہ انہیں یقین ہو چلا تھا کہ شہر کا مشرقی حصہ ہندوستان میں شامل رہے گا اور اس کا مغربی حصہ پاکستان میں جا رہے لیکن کئی ماہ کے یہ طویل مذاکرات بھی آخر کار ناکام ہو گئے اور مسئلہ جوں کا توں ٹکٹا رہا۔ بھٹو سورن سنگھ مذاکرات کی ناکامی کے بعد جن اور جولائی ۱۹۶۳ء میں ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو درجہ درجہ کشمیر آئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی نہ کوئی حل نکالنے کے لئے مضطرب ہیں، یہاں انہوں نے وزیر اعظم جی نئی غلام محمد اور ان کے رفقاء کے ساتھ طویل بات چیت کی۔ جواہر لال نہرو جولائی میں شاید آخری کوشش کے لئے سری نگر آئے

یہاں انہوں نے لال چوک میں ایک بہت بڑے جلسے سے بھی خطاب کرتے ہوئے بظاہر رائے شماری کے مطالبے کو ایک مذاق قرار دیا لیکن اندر ہی اندر وہ شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ بات چیت شروع کرنے کی راہ ہموار کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کوششوں کا جب کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد نہیں ہوا تو وہ ناراض سے ہو کر سرسنگر سے پہلگام چلے گئے۔ چنانچہ بخشی غلام اور ان کے اعلیٰ مشیر بھی پہلگام جایا پیچھے۔ جب پہلگام میں بخشی غلام جواہر لال نہرو سے ملنے گئے تو وزیر اعظم ہند ان پر برس پڑے اور نہایت غصے میں آکر ان سے کہا: "میں کل صبح خود براستہ ہاتھ پاؤں جوتوں جا رہا ہوں تاکہ دہلی میں شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ بات چیت کر سکوں۔" اس پر بخشی غلام غصہ بہت گھبرائے اور پہلگام میں اپنی قیام گاہ پر واپس آکر اپنے اعلیٰ مشیروں کیساتھ صلاح مشورہ کیا۔ مشیروں کے صلاح مشورے کے مطابق تقریباً دس بجے شب بخشی صاحب کچھ جواہر لال نہرو کی رہائش گاہ پر گئے اور انہیں یہ یقین دلایا کہ صرف ایک ماہ کے اندر اندر وہ اس بات کا انتظام کر لیں گے کہ شیخ محمد عبداللہ جیل سے انہیں خط لکھیں، جو کسی بات چیت کی سیل پیدا کر سکے۔ بظاہر اس یقین دہانی پر اطمینان کا اظہار کرنے کے بعد دوسرے دن وزیر اعظم ہند واپس نئی دہلی چلے گئے، لیکن انہیں واپس گئے ہوئے ابھی دس دن ہی ہوئے تھے کہ بخشی غلام محمد کو نئی دہلی طلب کیا گیا۔ جہاں جواہر لال نہرو نے ان سے کہا: "چونکہ مسٹر کامران نے کانگریس پارٹی اور حکومت میں بہتری لانے اور سرکردہ لیڈروں کی طرف سے ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرنے کے لئے یہ پلان بنایا ہے کہ ہندو نیشنل ساری ریاستوں کے وزراء نے اعلیٰ اور مرکزی کا مینہ کے تمام وزیر جواہر لال نہرو کی قیادت پر اظہار اعتماد کا اعلیٰ ثبوت دینے کے لئے اپنے استعفیاں انہیں پیش کریں۔" اس لئے اگر آپ بھی اپنا استعفیٰ دیں تو میرے ہاتھ بہت مضبوط ہو سکتے ہیں۔ اس سے میرا مقصد سیاسی طور پر ایک نئی سیاسی فضا پیدا کرنا ہے، بات چیت کے دوران بخشی صاحب کو ایسا محسوس ہوا کہ شاید انکا استعفا منظور نہیں ہوگا، کیونکہ کشمیر میں ان کے بغیر کام نہیں چل سکے گا۔ بخشی غلام محمد نے جواہر لال نہرو کے سامنے بظاہر اور نیم دلی سے حامی بھری اور تیسرے دن واپس سرسنگر آگئے۔ یہاں آتے ہی انہوں نے اپنے قریبی رفقاء سے اس مسئلے پر صلاح مشورہ کیا لیکن جیسا کہ خود انہوں نے مجھ سے کہا کسی نے بھی اس بات سے اتفاق نہیں کیا بلکہ انہیں مشورہ دیا گیا کہ چونکہ وہ کانگریسی وزیر اعلیٰ نہیں ہیں اس لئے کامران

پلان کے تحت ان کے استعفیٰ ہونے کا کوئی جواز موجود نہیں ہے۔ بخشی غلام محمد اتہائی کشمکش میں تھے۔ ایک طرف تو وہ نئی دہلی میں جواہر لال نہرو کے سامنے یہ اقرار کر آئے تھے کہ وہ بھی اپنا استعفیٰ ان کو بھیج دیں گے اور دوسری طرف انہیں زبردست خدشات محسوس ہو رہے تھے آخر کار انہوں نے اپنے استعفیٰ کا متن تیار کر دیا اور اسے ٹائپ کر دلوں کے اپنی جیب میں رکھ لیا اور نئی دہلی روانہ ہو گئے۔ نئی دہلی اور سری نگر کے درمیان اندر ہی اندر یہ جو کچھ ہو رہا تھا عوام اس سے بالکل بے خبر تھے بخشی صاحب نے نئی دہلی پہنچ کر دہلی میں اپنے بہت سے ہمدردوں اور دوستوں سے اس معاملے پر صلاح مشورہ کیا۔ ۲۴ اور ۲۵ اگست ۱۹۴۷ء کی تاریخیں کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کے لئے مقرر تھیں، ساری ریاستوں کے وزراء نے اعلیٰ اور مرکزی کا مینہ کے سارے وزیروں کے استعفیٰ جواہر لال نہرو کو پیش کیے تھے، لیکن ریاست جتوں کشمیر کے وزیر اعظم کا استعفیٰ آنا ابھی باقی تھا۔ چنانچہ بخشی غلام محمد نے بڑی بے دلی کے ساتھ ۲۳ اگست کی شام کو وزیر اعظم ہند کے ساتھ ایک مختصر سی ملاقات کے دوران اپنا ٹائپ شدہ استعفیٰ انہیں پیش کر دیا۔ اس موقع پر بھی وزیر اعظم ہند نے ان سے جوابات چیت کی، اس سے بظاہر انہیں کوئی تشویش نہیں ہوئی۔ وزیر اعظم نے ان سے یہ بھی کہا کہ وہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے کل کے اجلاس میں ایک خصوصی مقررہ حیثیت میں شریک ہوں، ۲۵ اگست بعد دوپہر کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے کامران پلان کے تحت منظور کئے گئے استعفیوں کا اعلان کر دیا اور جن لوگوں کے استعفیٰ منظور کرنے گئے ان میں جتوں کشمیر کے وزیر اعظم بخشی غلام محمد پنجاب کے وزیر اعلیٰ نرٹار پرتاپ سنگھ کیرن اور مرکزی وزیر خزانہ مسٹر راجی دیشائی کے نام خاص طور پر شامل تھے۔ اس اعلان سے بخشی غلام محمد کی کیا حالت ہوئی ہوگی یہ تو مجھے معلوم نہیں لیکن اتنا ضرور معلوم ہوا کہ بخشی غلام محمد نے اسی اجلاس میں کانگریس کا ممبر بننے کا اعلان کر دیا اور چار دن بے بیش کمر کے کانگریس کی باقاعدہ ممبر شپ حاصل کر لی۔ نئی دہلی میں مزید دو دن تک قیام کے بعد بخشی غلام محمد بذریعہ طیارہ واپس سرسنگر پہنچے جہاں ان کے حامیوں نے یہ ہنگام کھڑا کر رکھا تھا کہ وہ اپنا استعفیٰ واپس لے لیں۔ لیکن استعفیٰ واپس لینا بخشی غلام محمد کے بس میں نہ تھا۔ کیونکہ یہ ہندو

کے وزیر اعظم کے وقار کا سوال تھا، جنہوں نے نہایت پراسرار اور ڈرامائی انداز میں بخشی غلام کو کامراج پلان کے تحت حکومت سے بے دخل کر دیا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ بخشی غلام کا جانشین کون ہوگا جو اہر لال نہرو یہ چاہتے تھے کہ حکومت کی باگ ڈور غلام محمد صادق کو سونپی جائے تاکہ وہ پنڈت نہرو کے اصل منصوبے کو رو بہ عمل لاسکیں بخشی غلام محمد سب کچھ جانتے تھے، چنانچہ انہوں نے وزیر اعظم ہند کو سری نگر سے ایک مراسلہ بھیجی جس میں بخشی صاحب نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ انہیں شیخ محمد عبداللہ کے خلاف سازش کا مقدمہ واپس لے لینے اور شیخ صاحب کو رہا کرنے کی اجازت دی جائے جس کے جواب میں وزیر اعظم ہند نے بخشی صاحب کو یہ سکھا کہ یہ معاملات اس قدر جلدی طے نہیں ہو سکتے اس لئے عجلت میں وہ کسی ایسے اقدام کو پسند نہیں کریں گے۔

جواہر لال نہرو کا یہ جواب بخشی صاحب کی مزید ایوسی کا سبب بنا اور انہوں نے یہ طے کر لیا کہ وہ غلام محمد صادق کو اپنا جانشین نہیں بننے دیں گے، بخشی صاحب نے اپنی ساری پارٹی کو اس مقصد کے لئے متحد اور منظم کر لیا اور پارٹی کا یہ متفقہ فیصلہ کر دہی گئے، جہاں کسی نہ کسی طرح جواہر لال نہرو کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ انفرنس کی یہ سیلچر پارٹی طے ہے اپنا امید منتخب کرے، نئی دہلی سے سری نگر واپس آنے کے بعد بخشی غلام محمد نے اپنے چار امکانات جانشین تجویز کئے بخشی عبدالرشید خواجہ شمس الدین غلام محمد میر راجپوری اور گردہاری لال دوگرہ اپنے اعلیٰ مشیروں سے صلاح مشورے کے بعد بخشی غلام محمد نے خواجہ شمس الدین کو اپنا جانشین مقرر کرنا پسند کیا اور اس طرح ۱۹۶۳ء کو برسر شمس الدین کشمیر کے نئے وزیر اعظم بنائے گئے۔ برسر شمس الدین محض ایک کٹھ پتلی تھے حکومت سے علیحدگی کے باوجود بخشی غلام محمد نے منصوبہ بندی کا شعبہ اپنی ہی تحویل میں رکھا اور وہ ریاستی منصوبہ بندی کمیشن کے خود چیرمین بنے رہے۔ انہوں نے منصوبہ بندی کے چیرمین کے لئے رسول سیکرٹریٹ میں وہ دفتر بھی اپنے پاس کھا جو وزیر اعظم کے لئے مخصوص تھا۔ چنانچہ صرف دو دن میں اس دفتر کے باہر جہاں وزیر اعظم کھاتا تھا، چیرمین پلاننگ کمیشن کا بورڈ آفیزان کیا گیا۔ برسر شمس الدین کی کابینہ کے سارے وزیروں کا تقرر بھی خود بخشی صاحب ہی نے کیا۔ غلام محمد صادق ڈی پی او، صدر سید میر قاسم اور گردہاری لال دوگرہ نے نئی کابینہ میں شاہن ہونے سے انکار کر دیا اور

اس طرح حکومت کی ساری باگ ڈور بالواسطہ طور پر بخشی صاحب ہی کے ہاتھوں میں رہی اور برسر شمس الدین محض برائے نام وزیر اعظم تھے۔ اس وقت یہ کہے معلوم تھا کہ مستقبل قریب میں کیا ہونے والا ہے اور کون جانتا تھا کہ قدرت کا نہایت طاقتور اور خفیہ ہاتھ بہت جلد نئے گل کھلانے والا ہے؟



11



۲۶ اور ۲۷ دسمبر ۱۹۶۳ء کی درمیانی شب کو سرنگر کی درگاہ حضرت بل سے موئے مبارک
 نہایت پراسرار طور پر چوری ہو گئے۔ یہ خبر صورہ اسرائیل ثابت ہوئی اور جنگل کی آگ کی طرح ساری وادی
 میں پھیل گئی اور اس کے کشمیر کی مرزہ روح میں اچانک ایک نئی زندگی چھونک دی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سوا ہوا
 آتش فشاں جسے جبر و استبداد و ظلم و زیادتیوں سے خاموش کر دیا گیا تھا، اچانک پھوٹ پڑا ہے اور اس
 کا لوانہ معلوم کیا کچھ بہا کر لے جائے گا۔ پوری وادی میں ایک عجیب انقلاب کی سی کیفیت پیدا ہو گئی اور اسی
 عالم میں ۲۷ دسمبر کو سرنگر اور وادی کے تمام حصوں میں ایک زبردست ایجنٹیشن شروع ہو گیا۔ ۲۸ دسمبر
 کی صبح ایک بہت بڑا جلوس سرنگر کے سچے حصوں سے ہوتا ہوا لال چوک پہنچا اور اس چوک سے اس نے
 رینڈیلٹی روڈ کا رخ کیا۔ یہ جلوس ابھی چنڈر لانگ ہی آگے بڑھا تھا کہ دوسری جانب سے ایک ٹیپ گاڑی
 آئی سمیں میں نیشنل کانفرنس کے جنرل سیکریٹری محشی عبدالرشید کھڑے تھے۔ انہوں نے اس جلوس سے خطاب کرتے

کی کوشش کی کہ اچانک ایک طرف سے ایک کانگریسی ہوا میں لہرائی ہوئی اس جینپ گاڑی پر آگئی اور اس میں دبی ہوئی چنگاریاں فضا میں بکھر گئیں۔ اس کے ساتھ ہی جلوس میں سے ایک مشتعل جرم اس جینپ گاڑی پر حملہ آور ہوا۔ بخشی عبدالرشید اس زبردست ہنگامے کی وجہ سے گھبرا کر دھان سے فرار ہو گئے۔ اس معمول سے واقعہ نے سارے ایجنٹیشن کا رخ بخشتی غلام محمد کے خلاف پھیر دیا۔ چنانچہ جس جینپ گاڑی پر بخشی عبدالرشید سوار ہو کر گئے تھے اسے لالچ میں ہی نذر آتش کر دیا گیا اور اس کے بعد اس مشتعل جرم نے بڑی تیزی کے ساتھ ریڈیو سنی روڈ پر آگے بڑھ کر بخشی غلام محمد کے بھائی بخشی عبدالحمید کے دونوں سینما گھروں امریش اور ریگ کو آگ لگا دی۔ یہ مشتعل جرم ان دو سینماؤں کو آگ لگانے کے بعد سرنگر کے ریڈیو سٹیشن کو نذر آتش کرنے کے لئے دوڑ پڑا کیونکہ اس سٹیشن سے ہمیشہ جو ٹاپر ویاگنڈا سوار کرتا تھا۔ لیکن اس کے قبل کہ یہ جرم ریڈیو سٹیشن کی عمارت کو نذر آتش کرتا اس عمارت کو چاروں طرف سے سنٹرل ریزرو پولیس کے مسلح پائپوں نے گھیر لیا تھا۔ بخشی غلام محمد اس موقع پر سرنگر میں موجود نہیں تھے اور کثیر میں جوشعلے بھڑک اٹھے تھے ان کی شدت کوئی دہائی میں فوراً محسوس کر لیا گیا چنانچہ خود وزیر عظمیٰ ہند پندت جواہر لال نہرو نے ہمارے غیر متوقع انداز میں ۲۸ دسمبر شام کو ایک خصوصی ریڈیو براڈ کاسٹ میں کثیر میں مسلمانوں کو یقین دلایا کہ اس معاملے کی شدت کے ساتھ تحقیقات کی جائے گی اور جس کسی شخص نے یہ بری حرکت کی ہے اسے کفر و ارتداد سمجھا جائے گا لیکن جواہر لال نہرو کی اس اپیل کا کوئی اثر نہیں ہوا اور ایجنٹیشن برابر خطرناک صورت اختیار کرتا گیا۔ اس کے اگلے دن شام کو وزیر عظمیٰ ہند نے دوسری بار پھر ایک خصوصی ریڈیو براڈ کاسٹ میں اپنی یقین دہانی کو دہرایا اور کہا کہ اب چونکہ بخشی غلام محمد سری نگر پہنچ چکے ہیں اس لئے مجرم کو جلد پکڑ لیا جائے گا۔ جواہر لال نہرو کے ان الفاظ نے حتیٰ پریل کا کام کیا اور ایجنٹیشن سخت اختیار کر گیا جس پر حکومت ہند ایک آئی سی ایس انسپکٹر وٹو انا ستن کو صورت حال سے نمٹنے کے لئے سرنگر بھیجے۔ یہ مجبور ہو گئی۔ مرکزی سرگرم سال ایجنسی کے بہت سے افسر جن میں ایجنسی کے سربراہ مسٹر بھولے ناتھ ملک بھی شامل تھے، بھی سری نگر پہنچے اور انہوں نے کثیر پولیس کے بل کر اس معاملے کا سرخ لگانے کی جدوجہد شروع کر دی۔ سارے کثیر میں کل ہڑتال تھی اور ہزاروں کی تعداد میں باہر کے مسلح پولیس منگوا کر جو جگہ متعین کر دی

گئی۔ اس مسلح پولیس نے بڑشاہ چوک، کثیر منوٹر ڈرائیورس ایسوسی ایشن کے بس اڈے اور سرائے بالا میں عوام پر بڑی بے دردی سے گولیاں چلائیں جس میں متعدد افراد ہلاک اور درجنوں زخمی ہو گئے۔ ساری واوی میں نظم و نسق خود عوام کے ہاتھوں میں تھا۔ حکومت کے کارندے، اہل کار اور نیشنل کانفرنس کے اراکین روپوش ہو چکے تھے کہ اسی اثنا میں شیخ محمد عبداللہ کے فرزند ڈاکٹر فاروق عبداللہ گاندھری گئے جہاں سے وہ مولانا مسعودی کو اپنے ہمراہ لائے تاکہ وہ اس منتشر عوامی فوج کی کمان سنبھال سکیں جس کا خوفناک سیلاب ہر جگہ کوش و خاشاک کی طرح بہا لے گیا تھا۔ عوام یہ بالکل نہیں جانتے تھے کہ اس تحریک کے لیڈر کون ہیں۔ اسی اثنا میں کچھ لوگ میر واعظ منزل گئے اور وہاں سے ۱۸ سالہ مولوی فاروق، جنہیں ان کے والد مولوی محمد امین کی وفات پر بخشی صاحب نے قائم مقام میر واعظ مقرر کیا تھا۔ کو کھینچ کر باہر لے آئے۔ مولوی فاروق سیاہ جھنڈوں والی ایک جینپ گاڑی میں سوار ہو کر جب پہلی مرتبہ عوام میں آئے تو وہ کسں ہونے کی وجہ سے کوئی تقریر کرنے کی بجائے صرف رو رہے تھے۔ اس منتشر اور پھری ہوئی قیادت کا کوئی نام تک نہیں تھا۔ اور جب بیرونی اخبارات کے نامہ نگاروں نے کثیر کے بارے میں خبریں بھیجا چاہیں تو ان کے سامنے یہ سوال کھڑا ہو گیا کہ وہ کیا لکھیں کہ یہ ایجنٹیشن کس کے اہتمام سے چل رہی ہے۔ اس پر نئی دہلی کے شائع ہونے والے انگریزی روزنامہ "انڈین ایکسپریس" کے سرنگر میں مقیم نامہ نگار مسٹر جے این سادھونے تجویز پیش کی کہ کیوں نہ یہ لکھا جائے کہ یہ ایجنٹیشن ایک ایکشن کمیٹی چلا رہی ہے اور جب دوسرے دن نئی دہلی کے اخبارات میں ایکشن کمیٹی کا نام آیا تو منتشر قیادت کے اور لوگوں نے فوراً اسے اپنا لیا۔

۲۸ دسمبر کے تشدد آمیز واقعات کے بعد شہر بیا دیہات میں اگر یہ تشدد کا کوئی نیا واقعہ نہیں ہوا لیکن عوام کا جوش و خروش اور سڑک مبارک کے واقعہ کی تحقیقات اور ان کی ایسی کامطالیہ برابر شدید ہوتا گیا۔ ہر روز صبح ہوتے ہی لوگوں کے چھوٹے بڑے جلوس نکلتا شروع ہو جاتے جن میں یہ مطالبہ دہرایا جاتا کہ موئے مبارک کو تلاش کر کے واپس کر دیا جائے۔ بخشی غلام محمد کی سرنگر میں آمد کے فوراً بعد انہوں نے علی سرکاری اور پولیس افسروں سے صورت حال پر مشورہ کیا اور اس کے ساتھ ہی بہت سے سیاسی لیڈروں کو گرفتار کر لینے کا حکم دیا۔ ان میں خواجہ غلام محی الدین قرہ، خواجہ محمد الدین مجاہد، مولوی یاسین ہدانی اور عاقلیہ شماری کے کچھ

دوسرے لیڈر شامل تھے۔ جب ان گرفتاریوں کے بارے اخباری نمائندوں نے وزیر عظم مسٹر شمس الدین سے استفسار کیا تو انھوں نے اس سلسلے معاملے سے لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے بتایا کہ وہ اس بارے میں سرکاری کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے ہی معلومات حاصل کر کے کچھ بتا سکیں گے۔ ایک طرف تو مبارک کی ایجنسیشن جاری تھی اور دوسری طرف ریاستی ایڈمنسٹریشن بالکل غلط ہو چکی تھی۔ مسٹر وٹو ناگھن اپنی حکومت چلا رہے تھے اور بخشی غلام محمد اپنی۔ وزیر عظم اب بالکل برائے نام ہو کر رہ گیا تھا۔ حالت یہ تھی کہ مسٹر شمس الدین جب حکومت ہند کے سیکریٹری مسٹر وٹو ناگھن کے ساتھ بعض معاملات کے بارے میں کچھ صلاح مشورہ کرنے گئے تو اس نے گئے جہاں مسٹر وٹو ناگھن قیام پذیر تھے تو انہیں چالیس منٹ تک مسٹر وٹو ناگھن سے ملاقات کے لئے باہر گیسٹ ہاؤس کے ڈرائیگ روم میں انتظار کرنا پڑا۔ پولیس اور پول انعامیہ کے اعلیٰ سرکاری افسر خاص طور پر مرکزی محکموں کے افسر دلیات لینے براہ راست مسٹر وٹو ناگھن کے پاس جاتے تھے۔ سرکاری میں ہڑتال کی وجہ سے چونکہ تمام چھاپ خانے بند تھے۔ اس لئے کوئی اخبار بھی شائع نہیں ہو سکتا تھا۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۶۳ء کو چانک شہر میں یہ افواہ پھیلی کہ موئے مبارک واپس مل گئے ہیں اور بتایا گیا کہ کیمبر پولیس نے کنگن کے کچھ دودھ دو گروں کو گرفتار کیا ہے جو موئے مبارک لیکر بقول ان کے پاکستان جا رہے تھے۔ میں نے اس افواہ کے بارے میں کیمبر کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس شیخ غلام قادر کا ندیلی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو مجھے بتایا گیا کہ وہ اپنے دفتر نہیں آتے اور انہوں نے تھانہ شیر گڑھی میں ایک خصوصی تحقیقاتی سیل قائم کر رکھی ہے اور وہ اپنا بیشتر وقت اس تھانے ہی میں گزارتے ہیں۔ اسکے ساتھ ہی یہ اطلاع بھی موصول ہوئی کہ درگاہ حضرت بل کے ایک سرکردہ متولی خواجہ عبد الرحیم بانڈے جو اکثر و بیشتر موئے مبارک کا دیوارہ کرواتے تھے، کو پولیس پوچھ گچھ کے لئے لے گئی ہے۔ میں یہ معلوم کرنے کے لئے کہ موئے مبارک کے بل جانے کی یہ جو افواہ گشت لگا رہی ہے اس میں کس حد تک صداقت ہے؟ خود تھانہ شیر گڑھی گیا۔ جہاں میں ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس شیخ غلام قادر کے ملاوہ بہت پریشان سے تھے دوران گفتگو انہوں نے مجھے اعتماد میں لیتے ہوئے مجھ سے یہ استفسار کیا کہ ”اگر موئے مبارک واپس مل جائیں تو لوگ یہ تو نہیں کہیں گے کہ یہ وہ موئے مبارک نہیں ہیں؟“ میں اس سوال پر دہنی کش کش میں مبتلا ہو گیا۔ چنانچہ ڈی۔ آئی۔ جی نے مجھ

سے یہ بھی پوچھا کہ ”کنگن والے دو گروں کی گرفتاری اور ان سے موئے مبارک کی برآمد کی اطلاع کے بارے میں عوام میں کیا رد عمل ہوا ہے؟“ اس پر میں نے خود بخود یہ اخذ کر لیا کہ دراصل یہ افواہ سرکاری حلقوں نے عوام کا رد عمل معلوم کرنے کے لئے پھیلانی ہے۔ ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس جو موئے مبارک کی گشت کی تحقیقات کرنے والی سیل سے وابستہ تھے، نے دو تین مرتبہ یہ جملہ دہرایا۔ ”موئے مبارک تو مل سکے ہیں لیکن ہمیں خدشہ یہ ہے کہ لوگ ان کا اہلی ہونا اگر تسلیم نہ کریں تو پھر کیا ہوگا؟ اس کے اگلے روز بخشی غلام محمد نہایت بڑا سر طور پر سرنگر سے بندر لایہ ہوائی جہاز میں دہلی گئے۔ اسی دوران پھر ایک دن صبح سویرے سائے شہر میں یہ افواہ گشت کرنے لگی کہ موئے مبارک واپس مل گئے ہیں اور بتایا گیا کہ کبھی شخص نے موئے مبارک کو مع اپنے خول کے ایک دوشلے میں پلیٹ کر درگاہ حضرت بل کے قریب ایک خالی کشتی کے اگلے حصے پر رکھ دیا تھا اور خود فرار ہو گیا ہے۔ اس مرتبہ میں نے اس افواہ کی تصدیق حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ مجھے یقین ہو چکا تھا کہ یہ افواہ بھی عوام کا رد عمل معلوم کرنے کے لئے ایک قسم کا ریپرسل ہوگی البتہ جب میں ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس کے تحقیقات کے بارے میں کچھ جاننے کے لئے تھانہ شیر گڑھی میں پھر گیا تو شیخ غلام قادر اپنے مخصوص کمرے میں پولیس انسپروں سے مصروف گفتگو تھے۔ میری آمد کی اطلاع کے پاتے ہی اس مخصوص کمرے میں بیٹھے ہوئے اصحاب کو انہوں نے باہر جانے کے لئے کہا۔ چنانچہ میں نے ان سے بخشی صاحب کے اچانک بل جانے کے بارے میں کچھ جانا چاہا تو انہوں نے یہ بتایا کہ ”موئے مبارک واپس مل چکے ہیں اور بخشی صاحب ان کے خول کے پچھلے حصے جو (بقول ان کے) چاندی کا ہے، کی معمولی مرمومت وعینہ کو لانے کے لئے نئی دہلی گئے ہیں۔ کل تک واپس آجائیں گے۔“ اس انکشاف پر میں خوفزدہ اور ششدر رہا ہو کر رہ گیا اور میں نے ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس سے نہایت انکساری کے ساتھ یہ معلوم کرنا چاہا کہ جب موئے مبارک بازیافت ہو چکے ہیں تو اس کا باقاعدہ اعلان کیوں نہیں کیا جاتا؟ اس پر انہوں نے کہا۔ ”ہمیں کچھ خدشات لاحق ہیں جب تک ہم یہ اطمینان حاصل کر لیں کہ موئے مبارک کے اہلی ہونے کو چیلنج نہیں کیا جائیگا۔ ہم اس کی بازیافت کا اعلان نہیں کر سکتے

اللہ آپ بھی اس کا کسی سے تذکرہ و غیرہ نہ کریں۔“ ۲۔ جنوری کی صبح کو جب میں بخشی غلام محمد کی نئی دہلی سے واپسی پر ان کی قیام گاہ پر ان سے ملنے گیا تو بخشی صاحب اپنے کمرے میں بیٹھ کر بعض علماء اور کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ بات چیت کر رہے تھے جو لوگ بخشی صاحب کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے۔ ان میں میرزا خاندان کے مولوی محمد شاہ، مفتی رشید الدین اور اسی طرح کے کچھ دوسرے اصحاب بھی شامل تھے۔ اس سے ایک روز قبل ایجنسی ٹیشن چلانے کے لئے ایک باقاعدہ کمیٹی کا قیام عمل میں لانے کا اعلان کیا گیا تھا اور عوام سے کہا گیا تھا کہ وہ ۲ جنوری کو بعد دوپہر خانیاں میں جمع ہو جائیں جہاں لیڈروں کی طرف سے ایک اہم اعلان کیا جائے گا۔ چنانچہ خانیاں کے اس جلسے میں غیر معمولی حاضری تھی اور اس میں موئے مبارک کی واپسی کے مطالبے کے علاوہ اس کے حصول کا ایجنسی ٹیشن چلانے کے لئے ”جمعیت حصول موئے مقدس“ نام کی کمیٹی کے قیام کا باقاعدہ اعلان کیا گیا تاہم عام طور پر اسے ایکشن کمیٹی ہی کہا جاتا رہا۔ اس کمیٹی کا سربراہ مولوی فاروق کو بنایا گیا جس پر عوامی حلقوں نے زبردست تعجب کا اظہار کیا کیونکہ مولوی فاروق کمیٹی میں شامل دوسرے سرکردہ ممبروں میں سب سے کم عمر تھے۔ ۳۔ جنوری کی صبح کو میں پھر بخشی غلام محمد کی قیام گاہ پر ان سے ملنے گیا۔ انہوں نے بات چیت کے دوران ایکشن کمیٹی کی تشکیل و غیرہ کے بارے میں اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ”یہ کمیٹی مجھ سے صلاح مشورہ کر کے بنائی گئی ہے“ بخشی صاحب نے گفتگو کے دوران خواجہ عبدالرحیم باندے کے بارے میں کہا کہ ”یہ شخص ہمیشہ میرا سیاسی مخالفت رہا ہے اور یہ بات بالکل غلط ہے کہ میری والدہ کی وفات سے ایک دن پہلے خواجہ عبدالرحیم باندے سے موئے مبارک درگاہ حضرت بل سے مسکین باغ لائے تھے اور رحلت سے قبل میری والدہ کو دیدار کروایا تھا۔“ (بخشی صاحب کی والدہ کا انتقال مسکین باغ کے اس جنگل میں ہوا تھا جس میں بخشی عبدالحمید رہائش پذیر تھا)۔

۴۔ جنوری کو سواچھ بجے شام اچانک اور ڈرامائی انداز میں سرگرم ریڈیو سے یہ اعلان کیا گیا کہ موئے مبارک واپس مل گئے ہیں۔ اس پر اسرار اعلان پر پورا کھیر دم خود اور ششدر ہو کر رہ گیا کیونکہ یہ اعلان بغیر کسی تفصیل کے ان مختصر الفاظ پر مشتمل تھا۔ ۵۔ جنوری بعد دوپہر موئے مبارک

درگاہ حضرت بل رکھے ہوئے پالنے گئے۔ جہاں سے انہیں اٹھا کر متعلقہ اور وقت کار اصحاب کو دکھایا گیا اور انہوں نے ان کے اسی ہونے کی تصدیق بھی کر دی۔ اس بارے میں مزید چھان بین جاری ہے۔ یہ اعلان اگرچہ بڑے زور شور سے اور بار بار آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوتا رہا لیکن کبھی عوام نے اسے تسلیم نہیں کیا اور ہڑتال، ماتم، ایجنسی ٹیشن اور جلوسوں کا سلسلہ جاری رہا چنانچہ ۵ جنوری ۱۹۶۴ء بروز ایت وار شام کو مرکزی وزارت داخلہ کے سیکرٹری مہر و شوان کھن نے اخباری نامہ نگاروں کو گیسٹ ہاؤس میں بلایا اور انہیں بتایا کہ محکمہ سرغرضانی درگاہ حضرت بل کے واقعہ کی مزید تفتیش کر رہے ہیں اور توقع ہے کہ دویا بہن دن کے اندر اندر رسائی تفصیلات کا اعلان کر دیا جائے گا۔ جن اخباری نمائندوں کو گیسٹ ہاؤس بلایا گیا تھا ان میں کوئی مقامی اخباری نمائندہ شامل نہیں تھا اور بیرون ریاست سے شایع ہونے والے اخبارات کے رائے نامہ نگار غائب مسلم تھے۔ مہر و شوان کھن نے ان کو یہ بھی بتایا کہ ضروری کارروائی کے بعد یہ معاملہ عدالت میں پیش کر دیا جائے گا اور موئے مبارک کو دوبارہ درگاہ حضرت بل میں پہنچا دیا جائے گا۔ ان کے اس اعلان کے باوجود ایجنسی ٹیشن جاری تھا اور عوام نے اس اعلان پر بالکل کوئی یعتین نہیں کیا چنانچہ ۱۱ جنوری کو سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ شہر اور تمام مقبضوں میں دفعہ ۱۴۱ نافذ کر دی گئی ہے اور حکومت نے ایجنسی ٹیشن کرنے والوں کو نہایت سختی سے دبانے کا سہیلہ کیا ہے۔ لوگوں سے کہا گیا کہ وہ اپنا کاروبار پھر سے شروع کریں ورنہ حکومت سخت کارروائی کریگی۔ یہ سرکاری اعلان دراصل ۵ جنوری کو لال چوک میں جمعیت حصول موئے مقدس کے جلسہ عام میں پیش کئے گئے پانچ مطالبات کا جواب تھا۔ یہ پانچ مطالبات مندرجہ ذیل تھے۔

- ۱۔ موئے مبارک کو دوبارہ حضرت بل میں رکھا جائے اور حکام انہیں اپنی تحویل میں نہ رکھیں۔
- ۲۔ موئے مبارک کی باقاعدہ شناخت اور تصدیق کرنے کے لئے عوامی نمائندوں اور حکومت کی ایک مشترکہ کمیٹی بنائی جائے۔
- ۳۔ اس واقعہ کی مزید تحقیقات کر دی محکمہ سرغرضانی ہی کرے
- ۴۔ اس واقعہ سے متعلق مقدمہ کی سماعت بیرون ریاست کا کوئی باوقار جج ہو جائے جو بائیکورٹ

کے درجے کا ہو، کرے۔

۵۔۔۔۔۔ ختم گرفتار رکھنے گئے لوگوں کو رہا کیا جائے۔

یہ پانچ مطالبات پیش کرنے کے ساتھ ہی اگرچہ کھٹی نے عوام سے یہ اپیل کی کہ وہ ہڑتال ختم کریں اور کھٹی کے اعلان کے بغیر کوئی جلسہ یا جلوس نہ ہو لیکن اس اپیل کے باوجود صورت حال غیر معمولی طور پر بدنامادی اور بے ڈاری کا شکار رہی۔ ۸ جنوری شام کو وزارت درجہ کے سیکریٹری میٹر و شوانا سخن نے گیسٹ ہاؤس میں پھر اخباری نمائندوں کو طلب کیا۔ ان میں مقامی اخبارات کے نمائندے بھی مدعو تھے۔ ان پریس کانفرنس میں میٹر و شوانا سخن نے کہا کہ حکومت امن و قانون بنانے رکھنے کا عزم کر چکی ہے اور اگر ایجنٹیشن ختم نہ کر دیا گیا تو حکومت طاقت استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرے گی۔

جب میں نے میٹر و شوانا سخن کی توجہ اس طرف مبذول کروائی کہ لوگ موئے مبارک کی شناخت کا مطالبہ کر رہے ہیں، تو میٹر و شوانا سخن اس سوال پر کچھ بدحواس سے ہو گئے اور انہوں نے پھر سے ہونے انداز میں یہی طرف روئے سخن کرتے ہوئے کہا۔ ”جو شخص موئے مبارک کی شناخت کا مطالبہ کرتا ہے وہ پاکستان کی بولی بولتا ہے حکومت اس قسم کی کسی کارروائی کی اجازت نہیں دے گی۔“ میٹر و شوانا سخن موئے مبارک کی بازیابی یا کہ انہیں کون لے گیا تھا اور کس طرح واپس مل گئے ہیں، کے بارے میں اخباری نمائندوں کے کسی ایک سوال کا بھی جواب نہیں دے سکے۔ البتہ ہر سوال کے جواب میں دھمکیاں دیتے رہے کہ لوگ ایجنٹیشن کیوں جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اخباری نمائندوں کے سوالات کے جواب میں میٹر و شوانا سخن نے کہا کہ اب ایجنٹیشن یا مانتی مظاہر کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ انہوں نے مرکزی وزارت داخلہ کے دفتر سے جاری کئے گئے اس پریس نوٹ کی طرف توجہ مبذول کروائی جس میں صراحت یہ لکھا گیا تھا۔ ”موئے مبارک لے جانے والوں نے خوفزدہ ہو کر ان خود انہیں اپنی جگہ پر رکھ دیا ہے۔“

اس کے تین دن بعد یعنی ۱۱ جنوری ۱۹۶۴ء کو میٹر و شوانا سخن نے دوبارہ اخباری نمائندوں کو گیسٹ

ہاؤس طلب کیا جہاں انہوں نے بتایا کہ موئے مبارک درشتہ شب رات کے نو بجے درگاہ حضرت بل میں واپس اپنی جگہ رکھ دیئے گئے تھے اس کے ساتھ ہی انہوں نے اعلان کیا کہ ”اس خوشی میں ریاست میں تعطیل ہے گی اور میں نے ہدایات جاری کی ہیں کہ تمام سرکاری عمارتوں پر شام کو سپر افال کیا جائے،“ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ موئے مبارک کو اب ایک آہنی صندوق میں رکھا گیا ہے اور اس صندوق کی چابیاں فی الحال انجینئر جنرل پولیس میٹر و شوانا سخن کے پاس رہیں گی۔ انہوں نے بتایا کہ سرکاری طور پر موئے مبارک واپس مل جانے کے اعلان پر لوگ جس بدنامادی کا اظہار کر رہے ہیں اور اس اعلان کے خلاف جو تشدد آمیز مظاہرے ہو رہے ہیں انہیں نہایت سختی سے کچل دینے کا حکم دیدیا گیا ہے۔ اس سلسلے معاملے میں ”جمعیت حصول موئے مقدس“ جس کے سربراہ مولوی فاروقی اور سرکردہ لیڈر مولانا سعوی تھے، کا رول بڑا پراسرار اور مشتبہ رہا۔ وہ نجی مجلسوں میں اگرچہ سرکاری اعلان کو ناقابل قبول قرار دیتے تھے۔ لیکن پبلک جلسوں میں پرامن رہنے اور ایجنٹیشن ترک کرنے کی تلقین کرتے تاہم لوگ بار بار جلوس نکالتے اور تشدد آمیز مظاہرے کرتے رہے۔ ۱۲ جنوری کو میٹر و شوانا سخن نے پھر اخباری نمائندوں کو گیسٹ ہاؤس میں طلب کیا اور بتایا ”میں کل نئی دہلی جا رہا ہوں تاکہ صورت حال پر حکومت ہند سے صلاح مشورہ کر سکوں تاہم میں نے یہاں امن و قانون بنانے رکھنے کا کڑا انتظام کر دیا ہے۔“ جب اخباری نمائندوں نے ان کی توجہ اس طرف مبذول کروائی کہ عوام موئے مبارک کی شناخت اور تصدیق کا براہ مطالبہ کر رہے ہیں تو میٹر و شوانا سخن نے نادر شاہی انداز میں کہا۔ ”میں اس معاملے میں کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا البتہ جو موئے مبارک بازیاب ہوئے ہیں وہ اصلی ہیں اور ان کے متعلق کوئی شک و شبہ نہیں کیا جانا چاہیے۔ میں نے کچھ مرکزی افسروں کو صورت حال کی نگرانی کیلئے یہاں رکھا ہے اور ہو سکتا ہے کہ میں جلد ہی پھر لوٹ آؤں۔“ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ”ہو سکتا ہے کہ ۱۵ فروری کو موئے مبارک کا عام دیدار کروایا جائے۔ یہ تاریخ اس اوقات کیٹی نے مقرر کی ہے جس کے سربراہ بخشی غلام محمد ہیں۔“ ان کا ردوائیوں کے باوجود عوام میں غم و عقہہ نشوونما اور ناز و فخر کی برقرار تھی۔ چنانچہ ۱۲ جنوری کو مرکزی وزیر داخلہ میٹر و شوانا سخن نے نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس میں بتایا۔ ”درگاہ حضرت بل سے موئے مبارک لیجانے والوں کے خلاف مقدمے کی کارروائی دو ہفتوں کے اندر اندر شروع ہو جائے گی۔ حکومت ہند کی پیش کی داخلی صورتحال

پر وہاں کے سیاسی سیدزوں اور سرکاری انسرزوں سے رابطہ قائم رکھے ہوئے ہے اور میرا خیال ہے کہ مسٹر دشوانا تھن کو دوبارہ کثیر جانا پڑے گا۔ لیکن اس مرحلے پر بھی خود ہندوستان کے وزیر داخلہ تک یہ بتانے سے قاصر تھے کہ کوئی مبارک کوٹ لے گیا تھا۔ انہیں واپس اپنی جگہ کس نے رکھا اور اگر حکومت نے اس سلسلے میں کسی کو گرفتار کیا ہے تو وہ کون ہے اور مجرموں کی تعداد کیا ہے۔ اس پر اسرار خا موٹی کے خیری عوام کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ اس معاملے میں ان کے ساتھ سراسر دھوکا کیا جا رہا ہے۔ لیکن وہ بے بس تھے کیونکہ تحریک کے رہنما بھی اس معاملے میں پراسرار طرز عمل اختیار کئے ہوئے تھے۔

ایہی دوران پاکستان کثیر کا سوال سلامتی کونسل میں لے گیا اور اس نے خیری مسلمانوں کی طرف سے شروع کیا گیا ایچی ٹیشن جن تجاویز قرار دیتے ہوئے کثیر کے متعلق اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد کرنے کا مطالبہ کیا جس سے حکومت ہند زیادہ پریشان ہو گئی چونکہ کثیر میں ایچی ٹیشن جاری تھا۔ اس لئے مسٹر دشوانا تھن ۲۵ جنوری کو دوبارہ سرنگریہ گئے۔ یہاں آتے ہی انہوں نے خیری عوام کو یہ زبردست دھمکی دی کہ وہ ایچی ٹیشن سے اجتناب کریں ورنہ حکومت کو طائفہ کا استعمال کرنا پڑے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ پاکستان کے ایکسٹرنل عوام کو اس سے بے ہیں۔ حکومت کی طرف سے زور و زبردستی کے بعد وادی میں اگرچہ ہڑتال ٹھہر گئی لیکن جوڈیاں میں صومے بجے کھلتی تھیں وہ چار بجے بطور احتجاج دوبارہ بند ہو جاتی تھیں اور اس طرح لوگ اپنی بدعتمادی اور تاراشنگی کا برابر اظہار کرتے رہے۔ مسٹر دشوانا تھن نے نئی دہلی سے واپس آتے ہی مولوی فاروق اور مولانا مسعودی پر یہ پابندی لگا دی کہ وہ سرنگریہ کی میونسپل حدود سے باہر نہیں جاسکتے۔ اس کے باوجود صورت حال ابتر ہی چنانچہ وزیر اعظم جواہر لال نہرو کو مجبوراً مسٹر لال بہادر شاستری جو اس وقت ان کی کابینہ میں وزیر اعلیٰ محکومت تھے، کو سرنگریہ بھیجنا پڑا۔ لال بہادر شاستری ۳۰ جنوری ۱۹۶۲ء کو سرنگریہ گئے اور یہاں انہوں نے مولانا مسعودی، ڈاکٹر فاروق عبداللہ، مولوی فاروق اور دوسرے علما، منتخب غلام محمد، وزیر اعظم شمس الدین اور اعلیٰ سرکاری انسرزوں کے ساتھ الگ الگ ملاقاتیں کیں۔

مسٹر شاستری کی آمد کے دو دن بعد مولانا مسعودی نے مجھے بتایا: "حکومت کا یہ منصوبہ ہے کہ ۵ فروری

کو زبردستی اور کڑے پیرے میں اور مسلمہ روایات کے خلاف سرکاری اہتمام کے ساتھ موئے مبارک کا دیدار کروانے کا انتظام کیا جائے جس کے بہت بڑے نتائج نکل سکتے ہیں اور خون خرابہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ میں انہی دن شام کو بخشی صاحب سے ملا۔ میں نے انہیں بتایا کہ موئے مبارک کی باقاعدہ شناخت اور تصدیق کے بغیر دیدار کا اہتمام بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس معاملے پر خون خرابہ ہو لیکن بخشی صاحب موئے مبارک کی شناخت یا ان کی تصدیق کروانے کے لئے بالکل تیار نہیں تھے اور انہوں نے کہا کہ "ایسا کئی صورت میں نہیں ہو سکتا اور اگر ایسا ہوا یعنی موئے مبارک کی شناخت اور تصدیق حاصل کرنے کی کوشش کی گئی تو اس پر اس سے کہیں زیادہ خون خرابہ ہوئے گا احتمال ہے جو شناخت اور تصدیق کے بغیر ان کے دیدار کے موقع پر ہو سکتا ہے۔ اس لئے آپ کو بھی چاہیے کہ آپ شناخت اور تصدیق کی وکالت سے باز رہیں۔"

میں نے بڑی عاجزی کے ساتھ ان سے کہا کہ اگر اس معاملے کی باقاعدہ شناخت اور تصدیق نہ کروائی گئی تو یہ بہت بڑی بدترقی ہوگی کیونکہ اس طرح یہاں کے مسلمانوں میں نسل در نسل شک و شبہات اور اختلافات مت قائم رہیں گے۔ لیکن اس کے باوجود بخشی صاحب اپنے فیصلے پر قائم تھے اور کہا "موئے مبارک کی تصدیق اور شناخت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب تک لوگوں سے ان کی تصدیق یا شناخت کروائی جائے گی۔ وہ انہیں اصلی تسلیم نہیں کریں گے۔ اور کوئی حکومت ایسا خطرہ مول لینے پر تیار نہیں ہو سکتی۔"

اس کے اگلے دو روز کے اندر درپردہ اور خفیہ طور پر جو کچھ ہوتا رہا، اس کے نتیجے میں ۳ فروری ۱۹۶۲ء کو نہایت پراسرار اور ڈرامائی انداز میں اور بالکل اچانک طور پر مولانا محمد سعید مسعودی، مولوی محمد فاروق، شالیمار کے سید میرک شاہ کا شانی اور ایکشن کمیٹی کے کچھ دوسرے ممبروں کو درگاہ حضرت بل پونچیا گیا۔ جہاں مسٹر لال بہادر شاستری ریاست کے وزیر اعلیٰ مسٹر شمس الدین، انکیٹر جنرل پولیس اور بہت سے دوسرے اعلیٰ انسر بھی موجود تھے۔ چنانچہ درگاہ کے حجرہ خاص کے باہر مسجد میں سب لوگ ادب و احترام کے ساتھ بیٹھ گئے اور ان سب کی موجودگی میں درگاہ کے ایک متولی خواجہ نور الدین یا نڈے ایک صندوق اپنے دونوں ہاتھوں میں کھائے تیسرے خاص سے باہر آئے جہاں سب لوگ موجود تھے۔ ان کے آتے ہی مولانا مسعودی نے ان کی طرف روئے سخن کرتے

ہوئے کہا۔ ”نور صاحب آپ اور ہم سب اس وقت خدا کے گھر میں ہیں اور قرآن کریم آپ کے سامنے کھلا رکھا ہوا ہے۔ اس لئے آپ جو کچھ کہیں گے، خدا کو حاضر و ناظر رکھ کر سچ کہیں گے۔“ اس پر نور الدین باندے نے کہا۔ ”میں خدا اور رسول کو حاضر و ناظر جان کر سچ کہتا ہوں کہ میری والدہ میں یہ مومنے مبارک رسول اللہ کے ہیں۔“ اس پر سلمان حاضرین نے بلند آوازیں درود و سلام اور مولانا میرک شاہ صاحب کا شانی نے برجستہ طور پر یہ شعر پڑھا۔

کیا شان احمدی کا چین میں ظہور ہے
ہر گل میں ہر شجر میں محبت کا نور ہے

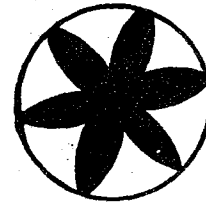
درگاہ حضرت بل میں نقت کر گیا چالیس منٹ کی اس مختصر سی اور مخصوص تقریب کے بعد یہ اعلان کروایا گیا کہ مومنے مبارک کی شناخت اور تصدیق ہو گئی ہے اور ان کا دیدار عام ۵۔ اور ۶ فروری کو کروایا جارہا ہے۔ اس اعلان کو لوگوں نے نہایت محبوبی، بے دلی، تہذیب، شک و شبہ اور محتاط طریقے پر سنا لوگوں کے دل اس اعلان کو سچ تسلیم نہیں کرتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ خاموش رہے۔ اسی دن شام کو نئی دہلی میں اعلان کیا گیا کہ ہندوستان کے وزیر عظم نڈت جواہر لال نہرو نے مسٹر لال بہادر شاستری کو انورٹاژ کا پورٹ فولیو عطا کیا ہے۔ نتیجتاً مسٹر شاستری وزیر لے محکم تھے۔

سری نگر میں ۱۰ فروری کو عرس چہار یار کی نقت کر گیا سید پر مومنے مبارک کا دیدار عام کروایا جارہا تھا اور ادھر انورٹاژ مٹھہ کی سلامتی کونسل میں اٹی دن شمسیر کے سوال اور مومنے مبارک کی گمشدگی پر پاکستان کے وزیر خواجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور ہندوستان کے نمائندے مسٹر جھپا کل کے درمیان بحث و تکرار ہو رہی تھی لیکن نہ تو کسی کو یہ بتایا گیا کہ مومنے مبارک کون اٹھا کر لے گیا تھا اور نہ یہ بتایا گیا کہ انہیں واپس درگاہ حضرت بل میں کون چھوڑ گیا تھا۔ معاملہ برابر پراسرار بنا گیا اور جب کسیر میں اضطراب بڑھ گیا تو ۱۲ فروری کو ہندوستان کے وزیر داخلہ مسٹر گلزاری لال نندہ نے پارلیمنٹ میں اعلان کیا کہ درگاہ حضرت بل سے مومنے مبارک کی چوری کے واقعہ کی تحقیقات مکمل کرنے میں ابھی ایک اور ہفتہ لگے گا اور اس کے فوراً بعد یہ معاملہ باقاعدہ کی عدالت میں پیش

کر دیا جائے گا۔ ایوان میں ممبروں کے سوالات اور استفسار کے باوجود مسٹر نندہ اس واقعہ کی کوئی تفصیل نہیں بتا سکے البتہ انہوں نے نہ صرف یہ بتایا کہ جن لوگوں نے یہ کام کیا تھا وہ پولیس کی تحویل میں ہیں لیکن ان کے نام نہیں بتائے جاسکتے۔ مسٹر گلزاری لال نندہ کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے بخشی غلام محمد نے سرگرمیوں میں یہ کہا کہ شاید اب حکومت ہند اس معاملے سے کچھ بیاہی فائدے اٹھانے کی کوشش کر رہی ہے کیونکہ وزیر داخلہ نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا تھا کہ میں اس معاملے میں جیل بیل پارلیمنٹ کے سامنے بعض مضمونوں کا نام پیش کروں گا لیکن سارے مضمونوں کا نام نہیں بتاؤں گا کیونکہ ان کی گرفتاری ابھی عمل میں نہیں لائی گئی ہے۔ اس بیان سے معاملہ اور عجیبہ اور پراسرار بن گیا اور جب نئی دہلی کے سرگرمیوں میں مقیم اہلکاروں نے کسیری عوم میں بڑھتے ہوئے سب جان اور شہادت کے بارے میں پھر حکومت ہند کو گاہ کیا تو مسٹر گلزاری لال نندہ نے، ۱۰ فروری کو پارلیمنٹ میں اعلان کیا کہ درگاہ حضرت بل سرنگیہ سے مومنے مبارک لے جانے کے سلسلے میں اب تک تین اشخاص کو گرفتار کیا گیا ہے۔ ان میں ایک درگاہ حضرت بل کے بڑے متولی خواجہ عبدالرحیم باندے، دوسرا ترائل کا عبدالرشید، اور تیسرا قادر ربٹ ہے۔ مسٹر نندہ نے ایوان کو بتایا کہ عبدالرشید کو اس وقت گرفتار کیا گیا تھا جب وہ مومنے مبارک اپنی جگہ پر واپس رکھنے کے لئے درگاہ حضرت بل آیا تھا اور قادر ربٹ پاکستان آتا جا رہا تھا ہے۔ مسٹر نندہ نے یہ نہیں بتایا کہ یہ قادر ربٹ کہاں کا رہنے والا ہے اور اسے کہاں پکڑا گیا تھا البتہ بعد میں کسیری پولیس کے ایک متعلقہ انسٹر نے مجھے بتایا کہ درگاہ حضرت بل کے واقعہ میں قادر ربٹ نام کا کوئی شخص گرفتار نہیں ہوا ہے البتہ خواجہ عبدالرحیم باندے اور ترائل کا ایک سرکاری ملازم اسسٹنٹ ایگزیکٹو پچھلے انسٹر عبدالرشید ہادی تحویل میں ہیں یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ۳۳ فروری کو کسیر کے ڈپٹی انسپٹر جنرل پولیس نے دوران گفتگو یہ بھی مجھے بتایا تھا کہ یہ طے ہوا ہے کہ مومنے مبارک کی بازیابی کا اعلان درگاہ حضرت بل کے متولی خواجہ عبدالرحیم باندے سے خود سرنگیہ ریڈیو سے نشر کریں گے۔ باندے صاحب اس وقت پولیس کی تحویل میں تھے اور ترائل کا عبدالرشید جو مومنے مبارک کے ایک پیش سے پہلے اسسٹنٹ ایگزیکٹو انسٹر تھا اور جسے مومنے مبارک کی بازیابی کے کئی دن بعد حراست میں لیا گیا تھا۔ ابھی نمیشن ختم ہونے کے کچھ ماہ بعد مثبت طور پر دوبارہ ملازمت پر بحال کر دیا گیا۔

خواجہ عبدالرحیم بانڈے چند ماہ تک نظر بند رکھے گئے اور بعد میں انہیں ضمانت پر رہا کر دیا گیا اور
 شاید وہ اب بھی ضمانت پر ہیں۔ خود وزیر داخلہ مسٹر گلزاری لال مندر نے بھی موئے مبارک واپس
 مل جانے کے سرکاری طور پر اعلان کرنے کے پورے ڈیڑھ ماہ بعد یعنی ۱۷ فروری ۱۹۶۲ء کو پارلیمنٹ
 کے سامنے موئے مبارک کے واقعہ کے سلسلے میں تین تینوں کے نام ظاہر کئے۔ یعنی خواجہ عبدالرحیم بانڈے
 عبدالرشید اور قادر بیٹا، اس کے صہرت دو دن بعد یعنی ۱۹ فروری ۱۹۶۲ء کو انہوں نے یہ انکشاف
 کیا کہ قادر بیٹا جنگ بندی سرحد پار کر کے پاکستان چلا گیا ہے۔

اور پھر اس کے بعد نہ اس معاملے کی کوئی مزید تحقیقات ہوئی اور نہ ہی یہ مقدمہ چلایا گیا۔ اس
 طرح یہ کسی کو بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ موئے مبارک اپنی جگہ سے کون اٹھا کر لے گیا تھا اور بسے واپس
 درگاہ حضرت بل میں کس نے پہنچایا۔ اگرچہ اس قدر اہم اور سنگین واردات میں طوٹ تڑال کے
 عبدالرشید کے بارے میں یہ کہا گیا تھا کہ اٹل نے خود خود فرار ہو کر موئے مبارک واپس درگاہ میں
 رکھے اور خواجہ عبدالرحیم بانڈے کو بھی ایک مزم ظاہر کیا گیا تھا، پھر بھی یہ معاملہ نہ تو کسی عدالت
 میں پیش کیا گیا۔ نہ قانون کا منشا پورا کیا گیا اور نہ ہی کسی پر مقدمہ وغیرہ چلایا گیا۔ خواجہ عبدالرحیم
 بانڈے پر موئے مبارک کے دیدار کروانے کی پابندی عاید کی گئی، جسے بعد میں شیخ صاحب نے ہٹا دیا۔





مسٹر لال بہادر شاستری جو سرنگری میں اپنا مشن پورا کر کے واپس نئی دہلی گئے تھے۔ وزیر اعظم جواہر لال نہرو کی ہدایت پر سب سے پہلی کی قیادت میں تبدیلی کی کوششوں کے لئے دوبارہ ۱۹ فروری کو جموں آئے۔ مسٹر شاستری نے جموں میں ریاستی اسمبلی کے ممبروں مسٹر شمس الدین اور غلام محمد صادق کے ساتھ طویل بات چیت کی۔ اس بات چیت میں مسٹر ڈی پی دھر، شیام سہی صاحب کے مشیر اعلیٰ تھے۔ اسی آثار میں مولانا مسعودی اور مولوی فاروق کو بھی جموں بلایا گیا اور انہوں نے بھی مسٹر لال بہادر شاستری کے ساتھ ملاقاتیں کیں۔ اس گفت و شنید کے دوران مسٹر لال بہادر شاستری نے ریاستی اسمبلی کے ممبروں کو جواہر لال نہرو کا یہ پیغام پہنچایا کہ وہ مسٹر شمس الدین کی جگہ غلام محمد صادق کو لیڈر منتخب کریں۔ بات چیت کے بعد مسٹر شاستری دہلی گئے جہاں سے وہ ۲۸ فروری کی صبح کو پھر واپس جموں آئے اور اسی روز شام کو ریاست کی اسمبلی پر ڈی پی دھر نے شمس الدین کی جگہ غلام محمد صادق کو اپنا لیڈر منتخب کیا اور اس طرح نئی دہلی نے ریاستی قیادت کی باگ ڈور بخشی غلام محمد سے جھین کر غلام محمد صادق کے حوالے کر دی۔ اس کام میں سب سے اہم رول مسٹر ڈی پی دھر کا پر شاد دھرنے ادا کیا۔ چنانچہ لیڈر منتخب ہونے کے بعد غلام محمد صادق نے مسٹر ڈی پی دھر، سید میر قاسم اور گردہاری لال دوگرہ کو اپنی کابینہ میں شامل کر لیا۔ لال بہادر شاستری کے پیشوا سید بر غلام محمد صادق نے مسٹر ڈی پی دھر کو وزیر داخلہ بنایا۔ سید میر قاسم وزیر مال اور گردہاری لال دوگرہ وزیر خزانہ

مقرر ہوئے۔

ریاستی قیادت میں اس تبدیلی کے فوراً بعد پاکستان نے کثیر کا سوال پھر سلامتی کونسل میں اٹھایا، لیکن اقوام متحدہ میں ہندوستان کے مستقل نمائندے مسٹر چکرورتی نے سلامتی کونسل کے صدر کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں انہوں نے سلامتی کونسل میں کثیر پر بحث میں حصہ لینے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کے باوجود اور روس اور چیکو سلواکیہ کی مخالفت کو نظر انداز کرتے ہوئے سلامتی کونسل نے کثیر کے مسئلے پر غور کرنے کے لئے، اراچ کی تاریخ مقرر کی اس کے ساتھ ساتھ کثیر میں شیخ محمد عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو کثیر سازش کیس کے سلسلہ میں نظر بند تھے کی رہائی کی افواہیں پھیلنا شروع ہو گئیں۔ اور "جمعیت حصول موئے مقدس" نے، اراچ کو جامع مسجد میں ایک جلسہ منعقد کیا جس میں جمعیت نے کثیر کا مسئلہ حل کرنے کا باقاعدہ مطالبہ پیش کر دیا۔ جلسے میں محاذ رائے شماری پولیٹیکل کانفرنس، جماعت اسلامی میر واعظ پارٹی اور دوسری جماعتوں نے مشترکہ طور پر ایک قرارداد منظور کی جس میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ کثیر عوام کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق دیا جائے اس قرارداد کی منظوری کے فوراً بعد وزیر اعظم غلام محمد صادق اور مسٹر ڈی پی دھر دہلی گئے اور وزیر اعظم جواہر لال نہرو سے صلاح مشورہ کیا۔ مسٹر ڈی پی دھر دہلی سے سیدھے سری نگر آئے اور یہاں انہوں نے مولانا مسعودی اور کچھ دوسرے لیڈروں سے ملاقاتیں کیں۔ "جمعیت حصول موئے مقدس" کے بعض سرکردہ اراکین اور میر واعظ مولوی فاروق کے کچھ ساتھی بھی ڈی پی دھر سے ملے۔ ڈی پی صاحب چونکہ وزیر داخلہ تھے اس لئے انہوں نے بڑی چابک دستی کے ساتھ ایکشن کمیٹی کے بعض اہم اراکین کو گانٹھ لیا جس کا اظہار ۲۲ مارچ ۱۹۶۴ء کے اس جلسے میں ہوا جو جمعیت کے اہتمام سے ڈی پی دھر سری نگر میں بلایا گیا تھا۔ اس جلسے میں میر واعظ پارٹی کے حامیوں نے شروع سے ہی ہڑبازی اور گڑبڑ شروع کر دی اور جب خواجہ غلام فی الدین قرہ مانگ پر آئے تو مولانا فاروق کے حامیوں نے جن کی راہنمائی مسٹر عبدالرحیم واڑہ کر رہے تھے ان کی تقریر میں مداخلت کر کے جلسہ درہم برہم کر دیا۔ جلسہ گاہ پر لیڈروں کو کوئی قابو نہیں رہا اور جب انفرافری فوجی تو کچھ لوگوں نے چند ایک لیڈروں کو سیٹج سے گھسیٹ کر نیچے پھینک دیا۔

ڈی پی کے اس واقعہ پر سب سے زیادہ مسرور ڈی پی دھر نظر آ رہے تھے اور وہ اگلے دن ہی یہاں سے

واپس جوں گئے اور اپنے رفقا کو تازہ ترین صورت حال سے باخبر کیا۔ ایک طرف تو پارلیمنٹ اور ریاستی قانون ساز سبلی کے ممبر شیخ محمد عبداللہ کی رہائی کے لئے دستخطی ہم چلا رہے تھے اور عوام بھی شیخ صاحب کی رہائی کا مطالبہ کر رہے تھے، لیکن دوسری طرف "جمعیت حصول موئے مقدس" اس معاملے پر نہایت پُر اسرار طور خاموش تھی۔ اس کی اس پُر اسرار خاموشی اور اندر ہی اندر مختلف قسم کی سازشوں کے باوجود اسرار چ کو ریاست کے نئے وزیر اعظم غلام محمد صادق نے جوں میں ایک بریک فرائز میں یہ ڈرامائی اعلان کر دیا کہ انہوں نے کثیر سازش کیس واپس لینے اور شیخ محمد عبداللہ کو غیر مشروط طور پر رہا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، اس اعلان سے نئی حکومت نے کثیر میں ایک نئے اور تاریخی دور کا آغاز کیا۔ موئے مبارک اکبری ٹیشن کے نتیجے میں، ارسال کی سلسل اور گورگوگیر پابندیوں کے ختم ہونے کے عوام کی زبردست قوت نے اپنا بل مانوایا۔ ہر قسم کی شہری آزادیوں بحال کر دی گئیں۔ سیاسی تقریروں اور اخبارات پر سے پابندیاں ختم کر دی گئیں اور اسی نئی خوش گوار اور خوش آئند فضا میں ۸ مارچ کی صبح کو شیخ صاحب، مرزا فضل بیگ، صوفی محمد اکبر اور دوسرے سیاسی نظریہ مند حیل سے رہا کر دیئے گئے اور اس کے ساتھ ہی سری نگر میں بنائی گئی تین ماہ پرانی "جمعیت حصول موئے مقدس" کی صفوں میں انتشار پھیلنا شروع ہو گیا، بظاہر یہ سب لوگ اتحاد اتحاد کی رٹ لگا رہے تھے، لیکن اندر ہی اندر سر پھٹوں ہو رہی تھی شیخ محمد عبداللہ کو ۹ اپریل کو سری نگر آنا تھا، لیکن پورے آٹھ دن تک استقبالیہ کمیٹی کی تشکیل نہیں ہو سکی۔ مولوی فاروق کا مطالبہ تھا کہ استقبالیہ کمیٹی کا چیئرمین انہیں بنایا جائے، محاذ رائے شماری کے قائم مقام صدر مسٹر غلام رسول کو چک کا مطالبہ تھا کہ اس عہدے پر ان کا حق ہے اس سر پھٹوں کی بنا پر یہ تجویز پیش کی گئی کہ استقبالیہ کمیٹی کے دو چیئرمین ہوں لیکن اس پر بھی اتفاق نہیں ہو سکا۔ شیخ محمد عبداللہ ۱۹ اپریل کی بجائے، ۸ مارچ کو سری نگر پہنچے جہاں لگ بھگ پانچ لاکھ لوگوں نے ان کا تہنک خیر مقدم کیا ان کی رہائی اور سری نگر میں آمد کے صرف ایک ہفتہ بعد ۲۲ اپریل ۱۹۶۴ء کو وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے نئی دہلی میں کانگریس کی پارٹی پارٹی کے اجلاس میں یہ اعلان کیا کہ انہوں نے شیخ محمد عبداللہ کو کثیر کے سوال پر بات چیت کرنے کے لئے نئی دہلی آنے کی دعوت دی ہے۔ چنانچہ وزیر اعظم ہند کی دعوت پر شیخ محمد عبداللہ ۲۹ اپریل کو نئی دہلی گئے۔ مرزا محمد افضل بیگ ان کے ہمراہ تھے، جواہر لال نہرو اور شیخ محمد عبداللہ میں بات چیت جاری تھی کہ پاکستان کے صدر جنرل محمد ایوب خان نے شیخ محمد عبداللہ کے نام ایک

مراسلہ بھیا جس میں شیخ صاحب سے استمداد کی گئی تھی کہ وہ پاکستان سے مشورہ کے بغیر کوئی اقدام نہ کریں اور اسی واسطے میں شیخ محمد عبداللہ کو پاکستان آنے کی دعوت بھی دی گئی تھی۔ چنانچہ ۸ مئی کو وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے پارلیمنٹ میں اعلان کیا کہ کشمیر کے مسئلے پر بات چیت کے لئے شیخ محمد عبداللہ پاکستان جارہے ہیں۔ نئی دہلی میں مذاکرات کے بعد شیخ محمد عبداللہ ۱۲ مئی کو واپس سری نگر آئے اور ہوائی اڈے پر نامہ نگاروں سے بات چیت کرتے ہوئے یہ اظہار کیا کہ نئی دہلی میں مذاکرات کے دوران کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کی بنیاد طے ہو گئی ہے۔

لیکن جواہر لال نہرو چلے

سری نگر میں ایک ہفتے تک قیام کے بعد شیخ محمد عبداللہ ۲۰ مئی ۱۹۶۴ء کو پاکستان جانے کے لئے دہلی پہنچے جہاں سے وہ ۲۴ مئی کو ایک خاص طیارے میں راولپنڈی گئے۔ مرزا محمد افضل بیگ اور مولانا مسعودی ان کے ہمراہ تھے۔ ۵ مئی کو راولپنڈی کے ایوان صدر میں شیخ محمد عبداللہ اور صدر محمد ایوب خان کے درمیان بات چیت شروع ہو گئی۔ راولپنڈی میں بات چیت کے پہلے دور کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے اعلان کیا کہ کشمیر پر مذاکرات کے لئے صدر پاکستان محمد ایوب خان نئی دہلی جانے پر آمادہ ہو گئے ہیں بات چیت کے پہلے دور کے بعد شیخ محمد عبداللہ ۶ مئی کو راولپنڈی سے مظفر آباد گئے جہاں وہ آزاد کشمیر کے لیڈروں سے بات چیت کرنا چاہتے تھے لیکن ۱۲ مئی کی صبح کو وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو چلے گئے اور شیخ محمد عبداللہ اپنا مشن اوصاف چھوڑ کر اسی روز واپس نئی دہلی آ گئے۔ جواہر لال نہرو کی موت کے بعد سرسٹ لال بہادر شاستری ہندوستان کے وزیراعظم بنائے گئے ان کے وزیراعظم بننے کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے لال بہادر شاستری سے ایک طویل ملاقات کی لیکن یہ ملاقات بڑی مایوس کن رہی چنانچہ شیخ محمد عبداللہ الرجون کو واپس سرسٹ لال بہادر شاستری آگئے سرسٹ لال بہادر شاستری نے انہوں نے صورہ میں اپنی قیام گاہ پر مجھے بتایا۔ ”جواہر لال نہرو کی موت سے کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کی کوششوں کو زبردست ٹھیس لگی ہے اور نئی قیادت اب بھارت میں نہیں ہے کہ ان کوششوں کو جاری رکھ سکے۔“ اس کے بعد کشمیر کی سیاسی قیادت میں بھڑپٹ نمایاں ہونے لگی۔

چنانچہ ۲۰ جون کو مولوی فاروق نے اپنی الگ نئی سیاسی جماعت بنانے کا اعلان کیا جس کا انہوں نے عوامی ایکشن کمیٹی نام رکھا اس پر ”جمیعت حصولِ مومنہ مقدس“ کے ارکین کو توجہ ہوا اور انہوں نے ۲۲ جون کو جمیعت کا ایک خصوصی اجلاس مجاہد سرائے میں طلب کیا۔ اس اجلاس کی صدارت مولوی فاروق نے ہی کی اور اس میں ان پر مسلمانوں کے اتحاد میں بھڑپٹ ڈالنے کا الزام لگایا گیا اور انہیں جمیعت کی صدارت سے برطرف کر کے اس کی ملکیت سے خارج کر دیا گیا اور ان کی جگہ مولوی محمد عباس انصاری کو جمیعت کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس واقعہ سے سری نگر میں شیخ محمد عبداللہ اور میر واعظ خاندان کے مایوس کے درمیان پُرانی شیر بکرا رقابت دوبارہ زندہ ہو گئی اور شہر میں مسلمانوں کے ان دو مکتبہ خیال کے لوگوں کے درمیان جھڑپیں شروع ہو گئیں اس جھگڑے میں ریاستی ایڈمنسٹریشن خاص طور پر سرسٹ لال پی دھرا اور سابق وزیراعظم بخش غلام محمد اور ان کے حامی مولوی فاروق کے ہمنوا تھے۔ سرسٹ لال پی دھرا موہر داغلہ کے وزیر تھے اس لئے انہوں نے بڑی آسانی کے ساتھ میر واعظ منزل میں اپنا اثر و نفوذ بڑھایا تھا۔ کشمیر کی سیاسی قیادت میں اس بھڑپٹ کا پاکستان نے بڑا سنجیدہ نوٹس لیا۔ چنانچہ حکومت پاکستان نے مسلم کانفرنس کے ایک سابق جنرل بیکر ٹری آفا شوکت علی کو جو ان دنوں حکومت پاکستان میں تعلقاتِ عامہ کے انسپکٹر اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کے بہانے سرسٹ لال بہادر شاستری کے ہاں مایوس رائے شماری اور عوامی ایکشن کمیٹی کے لیڈروں سے کئی ملاقاتیں کیں اور انہیں صدر ایوب کا یہ پیغام پہنچایا کہ پاکستان کشمیر کی سیاسی قیادت کے آتشا سے ناخوش ہے، صورہ میں شیخ محمد عبداللہ سے طویل ملاقات کے بعد آفا شوکت علی نے مجھے اپنی قیام گاہ پر بتایا کہ مولوی فاروق سے ان کی جوابات چیت ہوئی تھی انہوں نے اس سے شیخ صاحب کو آگاہ کر دیا ہے۔ آفا شوکت علی نے مجھے یہ بھی بتایا کہ میں مولوی فاروق کے نام صدر ایوب کا یہ پیغام لایا ہوں کہ وہ شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ رہیں اور ان کے ہاتھ مضبوط بنانے کی کوشش کریں اور مولوی فاروق نے مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ آئندہ اس ہدایت پر عمل پیرا رہیں گے۔ چنانچہ اس کے ایک ہفتے بعد ہی مولوی محمد فاروق اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان صلح ہو گئی تھی تاہم مولوی فاروق نے اپنی الگ پارٹی قائم رکھی۔

ہندوستان میں نئی قیادت نے جب تھوڑا سا اطمینان حاصل کر لیا۔ تو شیخ محمد عبداللہ پھر نئی دہلی گئے اور وزیراعظم

میرٹھ لال بہادر شاستری، وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ اور کچھ دوسرے لیڈروں کے ساتھ ملاقاتیں کر کے یہ جانتا چاہا کہ کیا ہندوؤں کا کثیر کا تصفیہ کرنے کی کوششوں کو جاری رکھنے پر آمادہ ہے؟ لیکن انہیں یہ جان کر بے حد یابوسی ہوئی کہ جو اہل لال نہرو کی موت کے بعد حالات یکسر تبدیل ہو گئے ہیں اور اب ہندوستان کا کوئی بھی لیڈر کثیر کے مسئلے کو چھوڑنے تک کا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں شیخ محمد عبداللہ نے بالوس ہو کر بیرونی ممالک کا دورہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور لفظ یہ اعلان کیا کہ درج کا فریضہ ادا کرنے جا رہے ہیں۔ دلی میں ایک ہفتہ گزار کر وہ واپس سرسنگر آ گئے تب تک نئی دہلی اور ان کے درمیان یارپاتی حکومت اور ان کے درمیان کوئی اعلانیہ ٹکراؤ نہیں تھا لیکن صورت حال اُس وقت اچانک بدل گئی جب ۱۵ جنوری ۱۹۶۵ء کو شیخ محمد عبداللہ نے درگاہ حضرت بل میں "ترک موالات" کی تحریک شروع کرنے کا اعلان کیا۔ اس تحریک کا یہ مقصد تھا کہ جو لوگ کثیر ی عوام کے حق خود ارادیت کی مخالفت کرتے ہیں ان کا سماجی بائیکاٹ کیا جائے۔ اس تحریک کے شروع ہوتے ہی وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق کی حکومت اور ان کی کانگریس پارٹی کے حامیوں اور محاذ رائے شماری کے حامیوں کے درمیان جھڑپیں شروع ہو گئیں اور ایک محاذ آرائی کا ساما حول پیدا ہو گیا۔ "ترک موالات" کی تحریک سری نگر کے علاوہ دادی کے سارے قصبوں پہاڑ تک کا گڑاؤں گاؤں میں پھیل گئی اور کانگریسی لیڈروں کے لئے ایک مسئلہ پیدا ہو گیا۔ کوئی کانگریسی لیڈر انتقال کر جاتا تو لوگ اُس کی نماز جنازہ میں شامل نہ ہوتے۔ اُس کی تجہیز و تکفین میں حصہ نہ لیتے۔ لوگوں نے کانگریس کے ممبران اسمبلی، عہدیداروں اور ممبروں کے ساتھ رشتے ٹاٹے کرنا ترک کر دیئے۔ بہت سے کانگریسی عہدیداروں نے یہ شکایت کی کہ جام ان کی حاکمیت تک نہیں بناتے۔ سوشل بائیکاٹ کی اس تحریک کا نئی دہلی نے بھی سخت نوٹس لیا اور ریاستی حکومت کو اس کے خلاف ہر ممکن کارروائی کرنے کی ہدایت دی۔ چنانچہ اس سلسلے میں سیٹھوں لوگوں کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ یہ گرفتاریاں زیادہ تر ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت عمل میں لائی گئیں۔ اسی دوران شیخ محمد عبداللہ ۵ فروری ۱۹۶۵ء کو مرزا محمد افضل بیگ اور بیگم عبداللہ کے ہمراہ زیارت بیت اللہ کے لئے روانہ ہو گئے اور صوفی محمد اکبر کو تمام مقام صدر محاذ رائے شماری بنایا گیا۔ لیکن اصل میں شیخ صاحب نے عوام کی قیادت کے لئے مولانا مسووی اور مولوی محمد فاروق کو مشترکہ ذمہ داری سونپی اور جامع مسجد سری نگر میں عوام سے کہا کہ وہ ان کی غیر حاضری میں ان دو

لیڈروں کے ساتھ رابطہ قائم رکھیں۔ لیکن شیخ محمد عبداللہ کی روانگی کے بعد صورت حال کچھ بدل گئی اور ریاست کی کانگریسی حکومت نے محاذ رائے شماری کے لیڈروں کے خلاف ایک سیاسی مہم شروع کر دی۔ چنانچہ شیخ محمد عبداللہ لندن میں تھے کہ ۷ مارچ ۱۹۶۵ء کو محاذ رائے شماری کے تمام لیڈروں اور اہم کارکنوں جن کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ صوفی اکبر کی گرفتاری کے بعد منشی محمد اسحاق کو محاذ کا قائم مقام صدر بنایا گیا۔

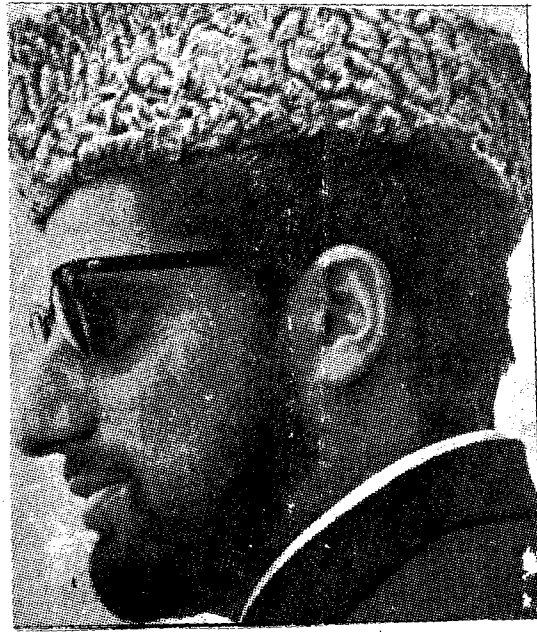
شیخ محمد عبداللہ انگلستان کے علاوہ مصر اور الجزائر بھی گئے۔ قاہرہ میں انہوں نے صدر ناصر کے علاوہ مصر کے نائب صدر حسین شافعی، مصری پارلیمنٹ کے سپیکر انور سادات اور الہرام کے چیف ایڈیٹر حسین اسمیل کے ساتھ کثیر کے معاملے پر تبادلہ خیال کیا۔ قاہرہ سے وہ الجزیرہ گئے جہاں انہیں الجزائر کے اُس وقت کے صدر میرٹھ حسین بن بلہ نے اُس دعوت پر مدعو کیا جو الجزائر کے صدر نے چین کے وزیر اعظم میرٹھ چو این لائی کے اعزاز میں دی تھی۔ میرٹھ چو این لائی ان دنوں الجزائر کے دورے پر تھے۔ اسی دعوت میں شیخ محمد عبداللہ اور میرٹھ چو این لائی کے درمیان کثیر کے معاملے پر تبادلہ خیال ہوا میرٹھ چو این لائی کے ساتھ اس ملاقات کا نئی دہلی نے انتہائی سخت نوٹس لیا اور پارلیمنٹ میں وزیر اعظم لال بہادر شاستری سے اس بات کی وضاحت طلب کی گئی کہ انہوں نے شیخ محمد عبداللہ کو بیرونی ممالک کا دورہ کر کے ہندوستان کے دشمنوں سے ساز باز کرنے کا موقع کیوں فراہم کیا؟ اس معاملے پر نئی دہلی میں ایک ہنگامہ سا کھڑا کیا گیا۔

شیخ محمد عبداللہ الجزائر سے سیدھے مکہ معظمہ گئے۔ جہاں انہوں نے حج کرنے کے علاوہ شاہ فیصل سے کثیر کے مسئلے پر دوبار گفت و شنید کی۔ چنانچہ نئی دہلی نے سعودی عرب میں اپنے سفیر کے ذریعے شیخ محمد عبداللہ کو یہ وارننگ دی کہ اگر وہ فوراً واپس نہ آ گئے تو ان کا پاسپورٹ منسوخ کر دیا جائے گا اور اس کے ساتھ ہی ہندوستان کے سفیر نے شیخ محمد عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کے سعودی عرب میں مزید قیام کی مدت میں توسیع کرنے سے انکار کر دیا۔ ساری صورت حال پر غور کرنے کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے واپس ہندوستان آنے کا فیصلہ کیا۔





وزیر عظم ہند سر اندرا گاندھی اور صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو شملیں



مولوی محمد فاروق

افتتاحی واپسی — گورنر سرطیل کے جہاں میں شیخ محمد عبداللہ کو سید میر قاسم کی جگہ سے وزیر اعلیٰ کا حلف دلایا ہے ہیں



گورنر سرطیل میں چورس کی نظربندی کے بعد جنوری ۱۹۵۸ء میں سر سید سہنیہ
پر شیخ محمد عبداللہ کا غیر معمولی استقبال کیا گیا۔



کثیر الکارڈ کے خلاف سری نگر میں زبردست احتجاج



کمیٹر انچارج کے لیے سسٹنٹ سیکریٹری شخصیت انڈسٹریل کے وزیر خواجہ اراقام محمدہ کی جہاں اسمبلی کے صدر
ڈاکٹر آدمک صورت حال کا مشاہدہ کرنے کے لیے تشریف لے رہے۔



کمیٹر انچارج کے لیے سسٹنٹ سیکریٹری شخصیت انڈسٹریل کے لیے کی گئی تھی — صوبہ (پاکستان) ، مرزا محمد افضل بیک
شیخ محمد عبداللہ اور وزیر کی کسٹڈیاں



منشی محمد اسحاق



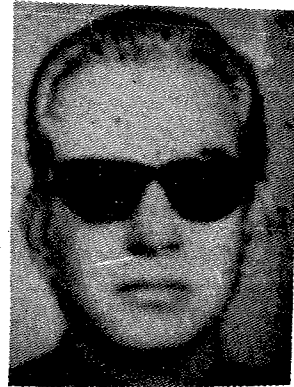
صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان



سیکدوش ہونے والے وزیراعلیٰ میر تقی میر تقی خان نے براڈوسے ہونے کا افتتاح کر رہے ہیں اور نئے وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ تالی بجا کر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔

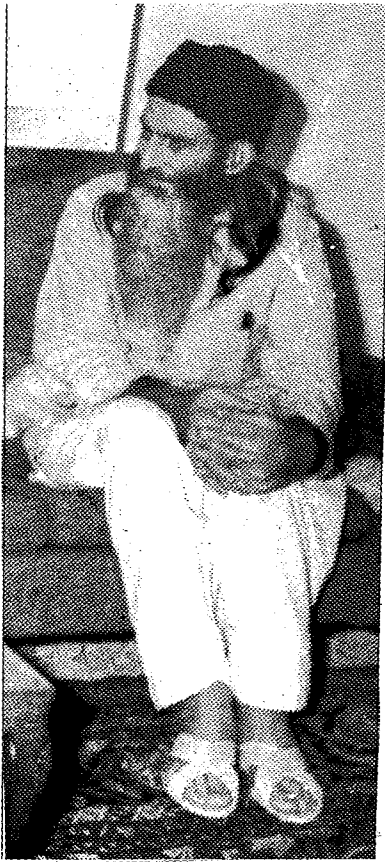


ڈی پی دھر



سردار محمد ابراہیم خاں

جنہیں ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو قائم کی جانے والی
مستوازی حکومت کا صدر بنایا گیا



مولانا محمد سعید مسعودی

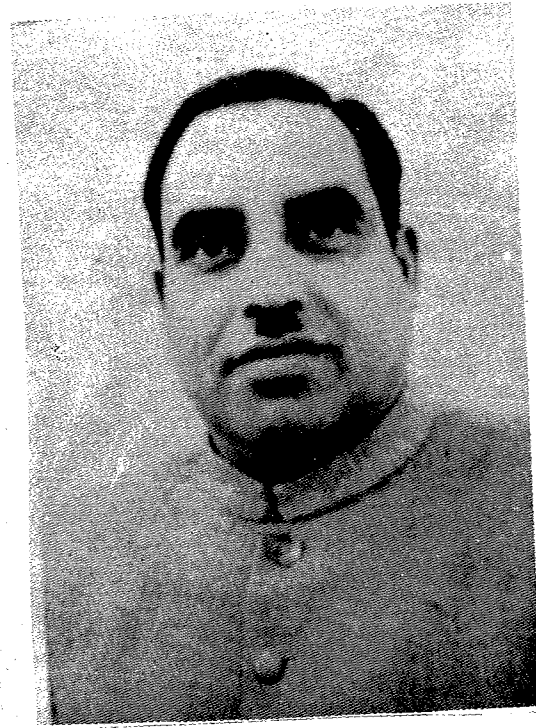


مسٹر کے۔ ایچ خورشید

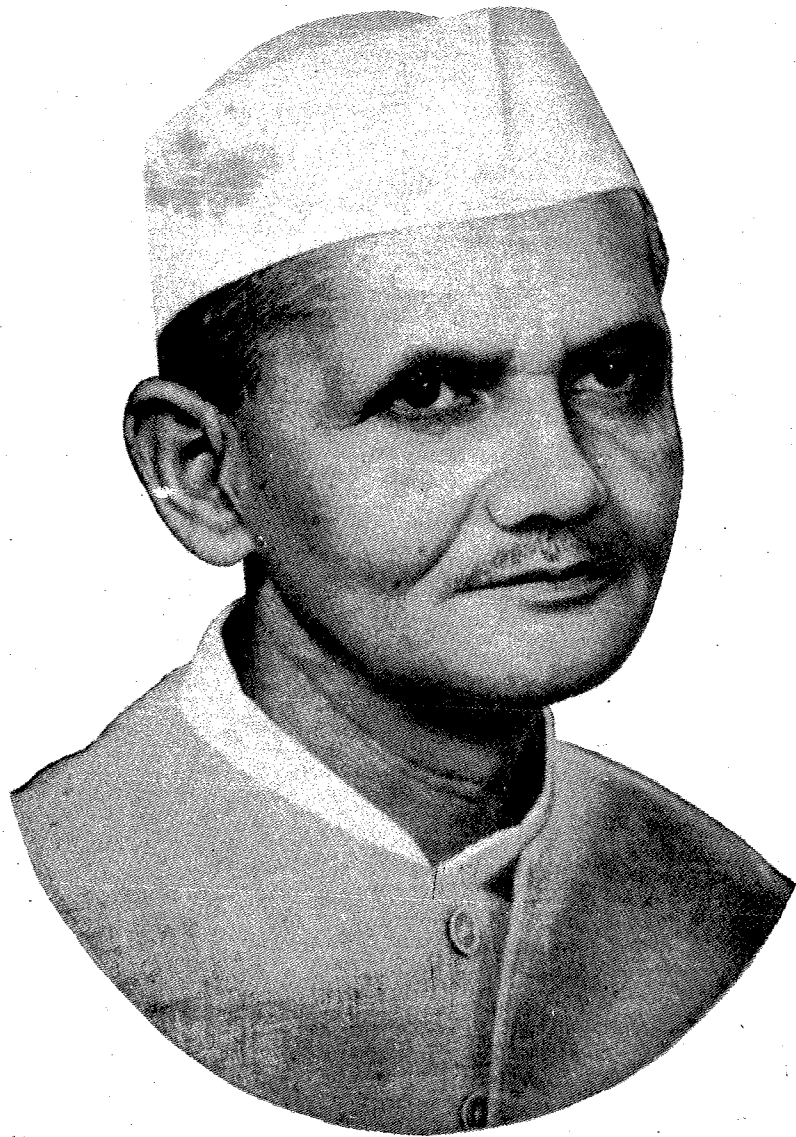
یہ بھی آزاد کشمیر کی صدارت کے عہدے پر فائز رہے



یوراج ڈاکٹر کرن سنگھ۔ ڈوگرہ حکمران خاندان کی آخری شخصیت جنہیں موروٹی
حکمرانی کے خاتمے پر جموں کشمیر کی آئین ساز اسمبلی نے پہلا صدر ریاست منتخب کیا۔



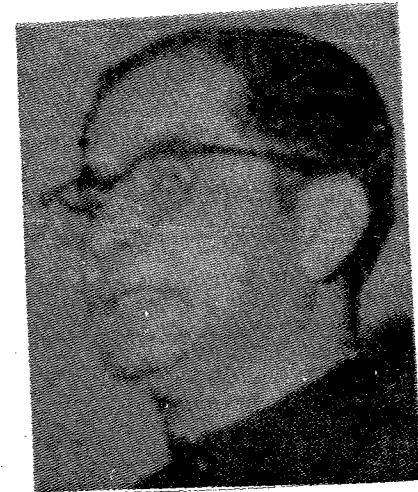
سید میر قاسم۔ جو ۱۹۷۲ء سے فروری ۱۹۷۵ء تک وزیر اعلیٰ رہے



مسٹر لال بہادر شاستری، جنہوں نے فروری ۱۹۶۳ء میں موئے مبارک کی
ایچی ٹیشن کو ختم کروانے اور کشمیر میں ایک نئے دور کا آغاز کرنے میں اہم رول ادا کیا۔



بریگیڈیئر محمد حیات خاں، جنہیں جنرل ضیاء نے آزاد کشمیر کا صدر بنایا



جی۔ پارتھاسارثی



جناب ذوالفقار علی بھٹو، جنہوں نے پاکستان کا وزیر خارجہ بننے کے بعد
اتوام متحدہ میں کشمیر کے مسئلے پر اٹھ مرتبہ بحث کی۔



وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی، جن کی کامیاب سیاسی حکمت عملی کی وجہ سے
۱۹۷۵ء کا کشمیر ایکارٹوٹے پایا۔



شہلا کا دہ جنگ، جہاں وزیر اعظم ہند سیر اندرا گاندھی اور صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے مذاکرات کیے

شیخ محمد عبداللہ ۸ مئی ۱۹۶۵ء کو جب مرزا محمد فضل بیگ اور بیگم شیخ محمد عبداللہ کے ہمراہ پالم کے ہوائی
 اڈے پر اترے تو انہیں ہوائی اڈے سے باہر نہیں آنے دیا گیا اور ہوائی اڈے پر ہی گرفتاری اور نظربندی کے احکامات
 پہنچائے گئے۔ انہیں بتایا گیا کہ حکومت کے احکامات کے تحت انہیں نئی دہلی سے جنوبی ہندوستان کے ایک چھوٹے
 قصبے اوناکنڈ بھیجا جا رہا ہے، جہاں انہیں نظربند رکھا جائے گا۔ چنانچہ شیخ صاحب اور میٹر بیگم کو
 اوناکنڈ پہنچایا گیا اور بیگم عبداللہ نئی دہلی میں ٹھہریں۔ حکومت کے اس اقدام کا کشمیر میں شدید رد عمل ہوا اور
 محکمہ رولت عوام کے اجتماع کو لاٹھیچارج اور گولیوں سے نوازا گیا اور بے شمار لوگ گرفتار کر لئے گئے اس کے ساتھ
 ہی ہریگڑ سے شائع ہونے والے دس اخبارات جن میں محاذ رائے شماری اور عوامی یکیشن کمیٹی کے ترجمان اخبارات
 بھی شامل تھے، کی اشاعت پر دلچسپی آف انڈیا رولز کے تحت پابندی عائد کر دی گئی۔ ۹ مئی بعد دوپہر
 سیکر کی جامع مسجد میں جب لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد احتجاج کے لئے مسجد میں جمع ہو گئی تو مسلح

پولیس نے مسجد میں داخل ہو کر لاسٹھیاں برسانا شروع کیں اور لوگوں کو منتشر کر دیا۔ اس حملے میں مولانا مسعودی کے ذات توڑ دیئے گئے اور بعد میں انہیں بے ہوشی کی حالت میں جامع مسجد سے اٹھا کر سرنگ کے نزدنگ ہوم میں علاج کے لئے داخل کیا گیا۔ اس کے بعد پوری تحریک کی قیادت ان کے ہاتھ میں آگئی۔ چنانچہ انہوں نے محاذِ رائے شماری، پولیٹیکل کانفرنس اور انجینئرنگ کمیٹی کو ایک ہی پلیٹ فارم پر لاکر شیخ محمد عبداللہ کی رہائی کے لئے ۶ جون ۱۹۶۵ء سے سول نافرمانی کی ایک تحریک شروع کر دی اور ان تحریک کا پہلا جھٹکا پولیٹیکل کانفرنس کے خواجہ غلام احمد میر کی سرکردگی میں سفید پکڑوں میں ایک سفید چیم اٹھائے ہوئے بعد دو پہر لاکچوک میں نمودار ہوا اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ اس موقع پر لال چوک میں ہزار ہا لوگ جمع تھے جبکہ میر صاحب اپنے چار ساتھیوں کے ساتھ پراہن طور مارچ کرتے ہوئے لال چوک میں پہنچے تو پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا۔ سول نافرمانی کی یہ تحریک بڑے شہد و مد سے چلائی گئی اور بے شمار لوگوں نے اپنے آپ کو گرفتار کرانے کے لئے اپنے نام مجاہد منزل میں درج کروائے مجاہد منزل تحریک کا پھر صدر مقام بنایا گیا۔ سول نافرمانی کی یہ تحریک جاری تھی کہ ابی دوران مرزا محمد فضل بیگ کو خرابی صحت کی بنا پر ہونا گنڈے سے نئی دہلی اور پھر وہاں سے سری نگر لاکر شام کے قریب ایک جنگل میں نظر بند رکھا گیا۔ اگست کے پہلے ہفتے میں سرنگر اور وادی کے دوسرے حصوں میں یہ افواہیں عام ہو گئیں کہ شیر میں مسلح پاکستانی داخل ہو چکے ہیں۔ حکومت کو اعلیٰ ترین سطح پر مسلح پاکستانیوں کی آمد کا علم ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں سرنگر اور نئی دہلی کے درمیان صلاح مشورہ ہوتا تھا۔ وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق نے ۸ اگست کی صبح کو ایک ملاقات کے دوران مجھے بتایا کہ مسلح پاکستانیوں کی آمد کی سب سے پہلے اطلاع انہیں ملی ہے۔ یہ اطلاع انہیں اپنے ایک خصوصی ذریعہ سے ملی تھی لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ یہ ذریعہ کون تھا۔ سری نگر میں ایک عجیب و غریب تقریر کا عالم تھا۔ تحریک کے قائدین کی ہدایت پر شہر اور دوسرے مقبوضہ میں ۹ اگست کو مکمل ہڑتال لگ گئی۔ اس سے پہلے ۸ اگست کی شام کو تحریک کے قائدین کا ایک اجلاس ہوا جس میں جلسہ کرنے کا پروگرام اچانک تبدیل کیا گیا۔ پہلے ۹ اگست کے جلسے کے لئے خانیار کا مقام مقرر تھا لیکن اس اجلاس میں نہایت پراسرار طور پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ جلسہ مجاہد منزل میں ہی منعقد کیا جائے۔ مجاہد منزل میں جو جلسہ منعقد ہوا

اس میں تقریر کرتے ہوئے مولانا مسعودی نے لوگوں سے کہا۔ ”آپ کو چاہیے کہ آپ ہر محنت پر امن و قانون پر عمل رکھیں۔ افواہوں پر بھروسہ نہ کریں۔ خود اپنی زبان سے کچھ نہ کہیں۔ آپ کے گرد و پیش جو کچھ ہو رہا ہے اور آپ کے مشاہدے میں جو کچھ آ رہا ہے اسے خاموشی کے ساتھ دیکھیں۔ وقت بڑانا زک ہے اور اس میں آپ کی کوئی معمولی غلطی آپ کے لئے مقبضوں کا باعث بن سکتی ہے۔ ہم پراہن لوگ ہیں اور اپنے معاملے ان قوانین کے اندر سمجھنا چاہتے ہیں۔“ مولانا کی اس تقریر کا عوام پر کچھ اتھا اثر نہیں ہوا، اور لوگ خوف و تذبذب میں مبتلا ہو گئے۔ ۱۰ اگست کی رات کو شہر کے گرد و نواح میں وقفے وقفے کے فائرنگ ہوتی رہی۔ اور ۱۱ اگست کو سری نگر کے ایک لواحقین علاقے بمبہ میں مسلح پاکستانیوں اور ہندوستان کی بارڈر سیکورٹی فورس کے درمیان باقاعدہ گولیوں کا تبادلہ ہوا۔ گولیاں چلنے کی اس گونج سے سرنگر میں مزید انداز تقریر پھیلی۔ مسلح حفاظتی دستے سول سیکریٹریٹ، سرکردہ کانگریسی لیڈروں، وزیروں اور اعلیٰ افسروں کی قیام گاہوں پر منتسین کر دیئے گئے۔ شہر میں جگہ جگہ سی۔ آر۔ پی کے مسلح سپاہی نظر آتے تھے۔ شہر کے تمام اہم ناؤں، سرنگر کے ریڈیو سٹیشن، ہوائی اڈا اور پولیس کنٹرول روم کے اندر اور باہر مسلح سپاہی نظر آ رہے تھے۔ تحریک کے قائدین نہایت پراسرار طور پر اپنے اپنے گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ اسی دوران ”صدائے کشمیر“ نام کے ایک نئے ریڈیو سٹیشن سے یہ پیغام نشر ہوا کہ کشمیر میں لوگوں نے مسلح بغاوت کر دی ہے۔ ادھر ”صدائے کشمیر“ سے بار بار مسلح بغاوت کا اعلان نشر ہوتا تھا اور ادھر وادی میں سرنگر کے علاوہ بٹمالو، بڈگام، بیروہ، گاندربل، گلمرگ، یو سمرگ اور اسی طرح کے کچھ مقامات پر لڑائی ہو رہی تھی۔ ۱۲ اگست کی صبح کو ہندوستانی فوج کے اعلیٰ کمانڈروں اور ریاستی وزیر اعلیٰ اور ان کے بعض رفقاء کے درمیان ایک ملاقات میں یہ طے کیا گیا کہ چونکہ سری نگر کے ایک حصے بٹمالو جہاں صادق صاحب کے آبائی گھر بھی تھا، پر مسلح پاکستانیوں کا قبضہ ہو چکا ہے اس لئے اس سارے علاقے کو نذرِ آتش کر دیا جائے چنانچہ اسی دن شام کو بٹمالو کا سارا علاقہ نذرِ آتش کر دیا گیا۔ ساری وادی میں حکم عہد گولیاں چلنے اور مسلح جھڑپیں ہونے لگے ساتھ ساتھ ایک پراسرار سیاسی دھماکا بھی ہوا، وہ یہ کہ الحاج منشی محمد اسحاق نے ۱۱ اگست کو نہایت ڈرامائی انداز میں محاذ کی صدر

مکے استغفار دیا۔ میں نے صوبہ کے حال جاننے کے لئے منشی صاحب کی فوری طور پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن میں ۱۸ اگست سے پہلے ان تک رسائی حاصل نہ کر سکا۔ منشی محمد اسحاق تحریک آزادی کے ایک اہم رکن اور بڑے مضبوط ارادے کے شخص تھے اور انہیں مجھ پر کچھ اعتماد بھی تھا۔ میں ۱۸ اگست کی شام کو ناؤ پورہ سری نگر میں ان کی قیام گاہ پر ان کے ملا وادی کی تازہ ترین صورت حال پر مختصر سی گفتگو کے بعد میں نے منشی صاحب سے پوچھا کہ وہ محاذ کی صدارت سے کیوں الگ ہونا چاہتے ہیں؟ میرے اس سوال پر منشی محمد اسحاق کا چہرہ غصے کے سرخ ہو گیا اور انہوں نے نہایت رازدارانہ انداز میں کہا۔ ”ہماری آزادی کا ایک بہترین موقعہ کھودیا گیا ہے۔ کسی نے میری بات نہیں مانی اور جس شخص نے محض اپنی اپنی ذات محفوظ رکھنے کے لئے سارے منصوبے پر پانی پھیر دیا۔ میں نے بڑی انکساری کے ساتھ ان سے اس منصوبے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا۔ یہ طے پایا تھا کہ ہم اس موقع پر ایسے تعلق نہیں رہیں گے۔ ہمارے ساتھ پاکستان والوں کی بات جیت ہوئی تھی اور میں نے ذاتی طور پر ان کے منصوبے کے ساتھ اتفاق بھی کیا تھا۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ اچانک کارروائی کر کے سرگرمی کے ہوائی اڈے، ریڈیو سٹیشن، پولیس تھانہ، ہمارا جینکس، پولیس تھانہ، خانیار اور صدر پولیس سٹیشن پر قبضہ کر لیں گے اور یہی یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ ہم اس کے لئے رائے عامہ کی حمایت حاصل کریں تاکہ ہندوستان کے لئے شیر کا کوئی باعزت تصفیہ کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ جائے اور یہ جو ”صدائے کشمیر ٹیلیو“ سے مسلح بغاوت کا پیغام نشر ہو رہا ہے یہ حقیقی اور عملی شکل اختیار کر لے لیکن ہم نے گو مگو، تذبذب اور بڑبڑ کی وجہ سے تعاون نہیں کیا۔“ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا یہ ممکن بھی تھا؟ تو انہوں نے بتایا کہ وہ لوگ اس کا پورا انتظام کر چکے تھے۔ ہوائی اڈے پر قبضہ کے لئے ساری فہمی بڈگام پہنچ چکی تھی اور باقی مقامات کا انتظام سنبھالنے کے لئے بھی اچھی خاصی تعداد میں سامان اور لف سٹ تھیں اس لئے کہتے تھے۔“ اس موقع پر منشی محمد اسحاق کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ کھڑی دیر بعد میں اٹھ کھڑا ہوا، اور ان سے رخصت ہونے سے پہلے میں نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ صدارت سے مستعفی ہونے کا اٹل ارادہ رکھتے ہیں؟ تو انہوں نے بتایا ”اگر میں نے محسوس کیا کہ میرے لگے ہوئے سے کام کو تکلیف پہنچے گی تو میں اپنا استغفار واپس

لینے سے نہیں ہچکچاؤں گا۔“

ایک اندازے کے مطابق جولائی کے آخری اور اگست کے پہلے ہفتے میں آنکھیں سے مختلف درجن اور راستوں کے ذریعے لقمہ سبب دس ہزار مسلح افراد وادی میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے پاس کافی تعداد میں ایکویشن تھا۔ یہ مسلح افراد جن کی زیادہ تر تعداد آزاد کشمیر کے فوجیوں پر مشتمل تھی اور جو ریا سنت جوں کٹھیری کے باشندے تھے خود کار رائفیلوں، سیٹنگنوں، جھوٹی مشین گنز اور دوسرے جدید ہتھیار کے آتش گیر مادے سے مسلح تھے۔ ان کے خلاف سیکورٹی فوج کی لڑائی کی نگرانی کے سلسلے میں نئی دہلی کے سیکرٹری دہلی کے وزیر دہندہ مہارندہ، وزیر دفاع مسٹر دانی جیوان اس وقت کی وزیر اطلاعات مسٹر اندرا گاندھی اور خود ہندوستان کے صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن کی کثیر آئے فوج کے سربراہ اس ساری صورت حال کے دوران کثیر میس میں رہے لیکن کم تمبر کو وہ اچانک یہاں سے ایک فوجی طیارے میں نئی دہلی گئے۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۶۵ء کو دوسری دہلی میں ایک سرکاری ترجمان نے بتایا کہ پاکستان کی باقاعدہ فوج کا ایک ریگیمڈ جس کے ساتھ سیکرٹری دہلی اور ٹینک بھی ہیں۔ جن میں چھب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس کے صرف ایک گھنٹے بعد ہندوستان کے وزیر دفاع نے کانگریس پارلیمانی پارٹی کی مشاورتی کمیٹی میں اعلان کیا ”پاکستان نے چھب کی علاقے میں بہت بڑے پیمانے پر حملہ کر دیا ہے اور پانچ میل تک پیش قدمی کی ہے۔ ہم نے فضائی بیڑے کو حکم دیا ہے کہ وہ پیش قدمی کرنے والی فوج پر بمباری کرے۔“ ۱۳ ستمبر کو جب کہ پاکستان کی پیدل فوج اکنور کی طرف بڑھ رہی تھی۔ چھب سیکٹر میں ایک زبردست فضائی جنگ ہوئی جس میں پاکستان نے امریکی ساخت کے بیمر اور ایف ۱۰۰ طیارے استعمال کئے۔ دوسری جانب ٹیٹوال اور راوری سیکٹر میں بھی پاکستان کی فوج نے بڑے پیمانے پر حملہ کر دیا۔ ۱۳ اور ۱۴ ستمبر تک جنگ جوں کٹھیری تک محدود رہی لیکن ۱۵ ستمبر کو ہندوستان کی فوج لاہور سیکٹر میں پاکستان کے علاقے میں داخل ہو گئی۔ چنانچہ ۱۶ ستمبر کی دوپہر کو پاکستان کے صدر جنرل محمد ایوب خان نے اپنے ایک ٹیلیویشن شریے میں اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم ہندوستان کے ساتھ برابر جنگ میں اور ہندوستان نے لاہور کی جانب سے پاکستان پر بڑے پیمانے پر حملہ کر دیا ہے۔“ صدر ایوب خان نے اپنی اس انٹرویو تقریر میں یہ بھی کہا کہ ہندوستان کے بمبار طیاروں نے پاکستان کے کئی فوجی

اور پٹھانوں پر بھی بمباری کی ہے۔ اس کے اگلے دن ہندوستان کی فوج راجستھان کی سرحد پر یاٹمیر کے علاقے سے پاکستان میں داخل ہو گئی۔ دونوں جانب بڑے پیمانے پر بری اور فضائی جنگ چھڑنے کا اوقاف متحدہ اور ساری دنیا میں ملاحظہ اور عمل ہوا۔ ۹ ستمبر کو اعلان کیا گیا کہ ہندوستان کی فوج بیاکوٹ میں بھی بین الاقوامی سطح پر بار کے پاکستان میں داخل ہو گئی ہے۔ جنوں میں پاکستان کی فوج ہوائی حملوں اور زبردست مزاحمت کے باوجود ۱۸ میل تک پیش قدمی کر چکی تھی۔ چھب کا سارا علاقہ اس کے قبضے میں چلا گیا تھا اور وہ بڑی تیزی کے ساتھ اکھنور کی طرف بڑھ رہی تھی۔ پاکستان کے علاقوں میں ہندوستانی فوج کی پیش قدمی سے عرب اور اسلامی ممالک میں بڑا شدید رد عمل ہوا۔ چنانچہ انڈونیشیا میں اقوام کے ایک بہت بڑے ہجوم نے جن میں زیادہ تر طلباء شامل تھے۔ ہندوستان کے سفارتخانے پر حملہ کر دیا اور پاکستان کی حمایت میں مظاہرے کئے۔ وزیر عظم ایران اچانک انقرہ جا پہنچے جہاں انہوں نے اس جنگ سے پیدا شدہ صورتحال پر ترکی کے وزیر عظم کے ساتھ صلاح مشورہ کیا۔ طہران میں وزارت خارجہ کے ایک ترجمان نے اعلان کیا کہ ایران اس جنگ میں پاکستان کا ساتھ دے گا اور اس کی ہر ممکن امداد کرے گا۔

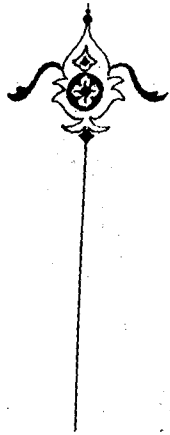
ادھر اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل اوتھانٹ نیو یارک سے لچانگ راولپنڈی پہنچے اور پھر وہاں سے نئی دہلی آئے۔ امریکہ اور برطانیہ اس جنگ میں مکمل طور پر غائب ہو گئے۔ جب کہ روس ہندوستان کی طرح مدد کر رہا تھا۔ اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل نے پاکستان سے صلاح مشورہ کر کے بعد یہ تجویز پیش کی کہ دونوں ممالک جنگ بندی کر دیں اور کشمیر کی متنازعہ ریاست میں اقوام متحدہ کی فوج متعین کی جائے لیکن نئی دہلی نے یہ تجویز مسترد کر دی۔ البتہ نئی دہلی نے جنگ بندی پر آمادگی کا اظہار کر دیا جب کہ پاکستان نے اوتھانٹ کی جنگ بندی کی تجویز کے جواب میں ایک تین نکاتی منصوبہ پیش کیا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ جنگ بندی کے قبل یہ تسلیم کیا جائے کہ جنگ بندی کے فوراً بعد جنوں کشمیر سے ہندوستان اور پاکستان کی مسلح افواج نکل جائیں گی اور ان کی جگہ اقوام متحدہ کی مسلح فوج متعین کی جائے گی اور اس کے بعد تین ماہ کے اندر اندر ریاست میں رائیٹاری کروائی جائے گی۔ اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل اوتھانٹ راولپنڈی اور نئی دہلی میں گفت و شنید کے بعد

۱۶ ستمبر کو واپس نیویارک جا پہنچے جہاں انہوں نے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ اور دوسرے متعلقہ معاملات پر غور کرنے کے لئے سیکورٹی کونسل کا اجلاس بلائے کے لئے کہا اور یہ تجویز پیش کی کہ سیکورٹی کونسل دونوں ملکوں کو جنگ بندی کرنے کا حکم دے۔ ان کی تجویز کے مطابق ۱۶ ستمبر کی رات کو سیکورٹی کونسل کا ایک خصوصی اجلاس ہوا جس میں اوتھانٹ نے ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں کے ساتھ اپنی بات چیت کے بارے میں ایک رپورٹ کونسل کو پیش کی۔ اوتھانٹ نے سیکورٹی کونسل میں یہ تجویز بھی پیش کی کہ وہ دونوں ممالک سے یہ کہے کہ وہ جنگ بندی کے فوراً بعد ۵ اگست ۱۹۶۵ء کی پولیٹیشن بحال کر دیں کونسل میں بعض ممبروں کی طرف سے اس تجویز کی حمایت کی گئی کہ کشمیر کا جھگڑا طے کرنے کے لئے دونوں ممالک وہاں سے اپنی فوجیں واپس بلا لیں اور ان کی جگہ اقوام متحدہ کی فوج متعین کی جائے لیکن مسٹر محمد علی کریم جھانگل جو کونسل میں ہندوستان کی نمائندگی کر رہے تھے، نے یہ تجویز قبول کرنے سے انکار کر دیا، ادھر پکنیک میں ایک سرکاری اعلان جاری کیا گیا جس میں چین نے یہ اطمینان دیا کہ اگر ہندوستان نے پاکستان کے خلاف جنگ بندی نہ کی تو وہ ہندوستان پر حملہ کرے گا۔ اسکے فوراً بعد سلامتی کونسل نے ایک قرارداد کے ذریعہ ۲۰ ستمبر کو ہندوستان اور پاکستان سے فوری جنگ بندی کرنے کی اپیل کی۔ قرارداد میں جسے کونسل کے گیارہ میں سے دس ممبروں کی حمایت حاصل تھی یہ کہا گیا کہ ۲۲ ستمبر ساڑھے بارہ بجے دوپہر جنگ بندی کر کے ۵ اگست ۱۹۶۵ء کی پولیٹیشن بحال کی جائے اور اسکے بعد کشمیر کے مسئلے کو دونوں ممالک بات چیت کے ذریعہ حل کر لیں۔ اس قرارداد پر چین نے اپنا رد عمل ظاہر کرتے ہوئے اسے برے سے ہی مسترد کر دیا لیکن ہندوستان اور پاکستان دونوں نے یہ قرارداد قبول کر لی اور دونوں ممالک نے اپنی اپنی مسلح افواج کو ۲۳ ستمبر کی صبح سے فوری جنگ بندی کا حکم دیدیا لیکن جنگ بندی کے باوجود صورتحال جنوں کی فوجیں اس پر اقوام متحدہ نے تشویش کا اظہار کیا چنانچہ سیکریٹری جنرل اوتھانٹ ۵ اگست ۱۹۶۵ء کی پولیٹیشن بحال کرنے اور کشمیر کے جھگڑے کا کوئی حل نکالنے کی کوشش کرتے رہے اور اس سلسلے میں وہ ہندوستان اور پاکستان کے علاوہ امریکہ، برطانیہ اور روس کے نمائندوں سے بھی صلاح مشورہ کرتے رہے۔ دوسری طرف کشمیر میں بھل، بے چین اور اضطراب

برابر قائم رہا۔ لوگوں کے علم و غمہ کو دیکھ کر تحریک کے قائدین مولانا مسعودی اور مولوی فاروق وغیرہ دوبارہ میدان میں آگئے اور انہوں نے گول ہول سی باتیں کر کے لوگوں میں پھیرا بنی جگہ بنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی سہری نگر میں ہنگاموں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور طلباء کی ایک بہت بڑی تعداد نے ایچی ٹیشن شروع کر دیا۔ ریاستی حکومت نے مسلح پولیس کی مدد سے ان ہنگاموں کو فرو کرنے کیلئے طاقت کا بے دریغ استعمال کیا اور کئی جگہ سنٹرل ریزرو پولیس نے پاکستان کی حمایت میں مظاہرہ کرنے والوں پر گولیاں برسائیں۔ ۴ اکتوبر کو جب کہ بہت سے طلباء کرنیو کی خلافت و رزی کرتے ہوئے بڑا شاہ چوک میں جمع ہو گئے تو سنٹرل ریزرو پولیس نے انہیں تیز تر کرتے کے لئے پہلے ٹیر گیس کا استعمال کیا اور پھر گولی چلا دی۔ جس سے تین نوجوان طالب علم چوک کے قریب ہلاک ہو گئے اور کچھ زخمی ہو گئے۔ طاقت کے اس بے دریغ استعمال کے خلافت عوام میں غم و غمہ بڑھتا گیا۔ چنانچہ ۹ اور ۱۰ اکتوبر کی درمیانی شب کو تحریک کے تقریباً تمام لیڈر جن میں محاذ دہلے تماری کے منشی اسحاق، اور مولوی مسعود فاروق بھی شامل تھے، گرفتار کر کے نظر بند کر دیئے گئے۔ ساری وادی میں مسلح سی۔ آر۔ پی پٹھادی گئی۔ اس پر عوامی جوش مزید بھڑ آیا اور شدت دہلیز کا روایاں شروع ہو گئیں۔ چنانچہ ڈیفنس آف انڈیا رولز کے سخت بڑے پیمانے پر گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی ۲۱ اکتوبر کو ریاستی حکومت نے مولانا مسعودی اور دوسرے ۲۶ سرکردہ اصحاب کو جن میں خواجہ غلام محی الدین قرہ اور میرنگر کے تمام سرکردہ علما بھی شامل تھے، گرفتار کر کے نظر بند کر دیا۔

دوسری طرف برصغیر کی سنگین صورت حال پر غور کرنے کے لئے متعدد بار اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا اجلاس ہوتا رہا۔ ۲۰ اکتوبر کو سیوریٹی کونسل نے دونوں ممالک کے درمیان تصفیہ کروانے کے لئے جو اجلاس منعقد کیا اس میں ہندوستان کی طرف سے وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ اور پاکستان کے وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے اپنے ملک کا نقطہ نگاہ پیش کیا۔ سلامتی کونسل میں جب مسٹر بھٹو نے کثیر کی صورت حال کے بارے میں بعض واقعات کا حوالہ دیا تو سردار سورن سنگھ نے اس پر اعتراض کیا چنانچہ

اجلاس ایک گھنٹے کے لئے ملتوی کر دیا گیا لیکن جب اجلاس دوبارہ شروع ہوا تو اردن کے نمائندے نے کونسل سے احتجاج کیا کہ وہ مسٹر بھٹو کو اپنا نقطہ نگاہ پیش کرنے کے لئے کیوں روک رہی ہے۔ اس پر کونسل کے صدر نے مسٹر بھٹو کو دوبارہ تقریر کرنے کی اجازت دی۔ مسٹر بھٹو نے پھر کثیر میں ایچی ٹیشن، ہنگاموں اور مسلح پولیس کی کارروائیوں کا تذکرہ شروع کیا تو سردار سورن سنگھ بطور احتجاج واک آؤٹ کر گئے۔



۱۲



سلامتی کو نسل بھر ناکام ہو گئی اور برصغیر میں مہورت حال جوں کی توں رہی۔ سلامتی کو نسل کی ناکامی کے بعد
 امریکہ اور برطانیہ نے اپنے طور پر اور روس نے اپنے طور پر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشمیر پر تقصیفیہ
 کردار کی کوششیں تیز کر دیں۔ یہ کوششیں زیادہ تر سفارتی سطح پر ہوتی رہیں۔ اسی دوران روس کے وزیر اعظم
 میٹرکوسین نے میٹر لال بہادر شاستری اور پاکستان کے صدر محمد ایوب خان کو دو الگ الگ مراسلے بھیجے، اپنے ان
 مراسلوں میں روس نے ان دونوں ملکوں کے درمیان کشمیر پر مصالحت کروانے کے لئے اپنی خدمات کی پیشکش کی۔
 روس کی اس پیشکش کے فوراً بعد ہندوستان کے وزیر خزانہ میٹر کرشنا چاری نے ۱۴ نومبر ۱۹۶۵ء کو اسکو گئے اور وہاں چار
 دن تک روسی لیڈروں کے ساتھ بات چیت کی۔ میٹر کرشنا چاری نے ۱۹ نومبر کو اسکو سے واپسی پر نئی دہلی میں انجلی
 نمائندوں سے بات چیت کے دوران انکشاف کیا کہ روسی لیڈر میٹر شاستری اور جنرل محمد ایوب خان کے درمیان تاشقند
 میں ملاقات کروانے کے خواہاں ہیں اور اس کے چند دن بعد یعنی ۲۳ نومبر کو پاکستان کے وزیر خارجہ میٹر ذوالفقار علی
 روسی لیڈروں سے بات چیت کیلئے ماکو گئے روسی لیڈروں اور میٹر ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان بات چیت کے ایک

بہتے بعد یعنی ۲۸ نومبر کو وزیر اعظم ہند سر طر شاستری نے اعلان کر دیا کہ وہ پاکستان کے صدر کے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے تاشقند جانے کے لئے تیار ہیں۔ روس کی ان مصالحہ کوششوں پر ماسکو بھی دہلی اور راولپنڈی کے درمیان رابطہ بڑھانے اور سفارتی سطح پر کوششیں تیز تر ہو گئیں، روس کی ان مصالحتی کوششوں پر چین کا رد عمل اور شدید ہو گیا اور اس کے نتیجے میں ہندوستان کی شمالی سرحدوں پر فوجوں کی نقل و حرکت بڑھنے لگی۔ روس کی طرف سے مصالحہ کوششوں کا یہ ٹھوس نتیجہ برآمد ہوا کہ صدر پاکستان محمد ایوب خان اور سر طر لال بہادر شاستری تاشقند میں ملاقات پر آمادہ ہو گئے۔ بعد میں ۲۴ دسمبر کو سردار سورن سنگھ بعض معاملات کی وضاحت حاصل کرنے اور یہ معلوم کرنے کہ کیا کشمیر کے بارے میں روس کی پالیسی تبدیل ہو چکی ہے؟ خود ماسکو گئے اور وہاں چار دن تک رہے۔ انہوں نے واپسی پر ۲۴ دسمبر کو نئی دہلی کے ہوائی اڈے پر اخباری نمائندوں کو بتایا کہ انہوں نے ماسکو میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان چوٹی کانفرنس کے معاملات پر بات چیت کی ہے اور اس کانفرنس کے لئے تاریخوں کا تعین بھی کیا گیا ہے۔ اس کے ایک ہفتے بعد یعنی ۳ جنوری کو ہندوستان کے وزیر اعظم ایک اعلیٰ سطح کا وفد لے کر تاشقند روانہ ہو گئے اور پاکستان کے صدر محمد ایوب خان بھی ایک اعلیٰ سطح کے وفد کے ہمراہ کابل سے ہوتے ہوئے تاشقند پہنچے جہاں ۳۱ جنوری ۱۹۶۶ء کو ہندوستان، پاکستان اور روس کے لیڈروں کا پہلا مشترکہ اجلاس ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت روس کے وزیر اعظم سر طر گن نے کی اور اس میں ان کے علاوہ صدر محمد ایوب خان اور سر طر لال بہادر شاستری نے بھی تقریریں کیں۔ تاشقند میں مذاکرات چھ دن تک جاری رہے اور ان مذاکرات کے دوران صرف کشمیر زیر بحث آیا، کشمیر پر دونوں ممالک کے زہدانی متضاد اور الگ الگ موقف تاشقند کانفرنس کی ناکامی کا باعث بن رہے تھے لیکن روس نے بڑے تدبیر کے ساتھ دونوں ممالک کو ایک سمجھوتہ پر آمادہ کر لیا۔ جسے اعلان تاشقند کا نام دیا گیا۔ اعلان تاشقند ۹ نکات پر مشتمل تھا جس میں دوسری باتوں کے علاوہ ہندوستان اور پاکستان نے اس بات پر اتفاق کیا تھا کہ وہ پرامن مذاکرات کے ذریعے کشمیر کے مسئلے کا کوئی حل تلاش کریں گے اس اعلان میں یہ قرار بھی کیا گیا تھا کہ دونوں ممالک ایک دوسرے کے جنگی قیدیوں کو واپس کر دیں گے اور

۵۔ اگست ۱۹۶۵ء سے پہلے کی سرحدوں پر لوٹ جائیں گے اس اعلان پر دستخط کرنے کے صرف چند گھنٹے بعد ہندوستان کے وزیراعظم مہاترا جی راج گاندھی نے اپنی خواب گاہ میں حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے چل بسے تاہم بعد میں اعلان تاشقند پر علامہ سادہ شرفیہ ہوا اور یہ علامہ سادہ ہندوستان کی نئی وزیراعظم سمر اندرا گاندھی کی نگرانی میں ہوا جس کے نتیجے میں دونوں ممالک کے درمیان ۵ اگست ۱۹۶۵ء کی پوزیشن بحال ہو گئی لیکن اس سے آگے اعلان تاشقند بعض ایک گاندھی دستاویز بن کر رہ گیا۔ ہندوستان نے ۵ اگست ۱۹۶۵ء کی پوزیشن بحال ہو جانے کے بعد کشمیر پر کبھی قسم کے مذاکرات کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ دونوں ملکوں کے درمیان سفارتی تعلقات بحال ہو گئے روس کی طرف سے کشمیر پر مذاکرات کروانے کی کچھ مزید کوششیں ہوئیں لیکن بات آگے نہیں بڑھ سکی روس نے کشمیر کے سوال پر دونوں ممالک کے درمیان ثالث بننے کی پیش کش بھی کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

ستمبر ۱۹۶۲ء میں بعض آئینی ترمیموں کے ذریعے کشمیر میں صدر ریاست کا عہدہ بھی ختم ہو گیا تھا اور صدر ریاست کی جگہ گورنر کا تقرر عمل میں لایا گیا تھا اس کے ساتھ ہی وزیر اعظم کا عہدہ ختم کر کے اسے وزیر اعلیٰ بنا دیا گیا تھا۔ مسٹر ظلم محمد صادق نے اس تبدیلی کو اس لئے قبول کر لیا۔ کیونکہ وہ نئی دہلی کو یہ تاثر نہیں دینا چاہتے تھے کہ وہ ہندوستان کے وفادار نہیں ہیں۔ دراصل ان دونوں عہدوں کو تبدیل کرنے کی تحریک سابق وزیر اعظم یحییٰ خان محمد نے اقتدار چھوڑنے سے چند ہفتے پہلے ریاستی فلس قانون ساز میں پیش کی تھی۔ صدر ریاست کا عہدہ ختم ہونے کے بعد ریاست کے سابق مہاراجہ ہری سنگھ کے بیٹے ڈاکٹر کرن سنگھ کو گورنر بنے رہنے میں کوئی دل چسپی نہیں رہی۔ چنانچہ کچھ عرصے بعد انہوں نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دیدیا اور نئی دہلی نے ان کی جگہ ایک اعلیٰ سرکاری افسر مسٹر بیگوان سہاسے کو جموں کشمیر کا گورنر مقرر کر دیا۔

اعلانِ تاشقند پر دستخط کرنے کے کوئی ڈیڑھ برس بعد ۱۸ جون ۱۹۴۶ء کو ہندوستان کی حکومت نے ملک میں ایک آرٹو می نیس نافذ کیا جس کی رو سے وہ مخالف رائے شماری یا ای سی قسم کی دوسری علیحدگی پسند سیاسی پارٹیوں کو مخالف قانون قرار دے سکتی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ حکمران کانگریس پارٹی جس کی قیادت غلام محمد مادیق کے ہاتھ

میں تھی، میں اختلافات بڑھنے لگے۔ ان اختلافات کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ نئی دہلی کشمیری لیڈروں میں سب سے زیادہ بھروسہ مسٹر ڈی پی دھر پر کرتی تھی اور تمام اہم مسائل کے بارے میں ان ہی سے صلاح مشورہ کیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود کہ صادق صاحب وزارت داخلہ کا محکمہ ڈی پی دھر سے چھین کر اپنی محفل میں لے چکے تھے انہیں وزیر مصلی ہوتے ہوئے بھی بہت سی باتوں کا علم ڈی پی دھر کے ذریعے ہی ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ ریاست میں سرکاری ایڈمنسٹریشن کا بااختیار حصہ بھی ڈی پی دھر کے قریب ہی رہتا تھا۔ اعلیٰ حکام کو یقین تھا کہ اصل طاقت کا سرچشمہ دہلی ہے اور چونکہ مسٹر ڈی پی دھر وزیر اعظم اور دوسرے ہندوستانی حکام کے قابل اعتماد شخص ہیں، اس لئے وہ معاملے میں ڈی پی صاحب کو ہی ترجیح دیتے تھے۔ ڈی پی دھر نے حکمران کانگریس میں بھی اپنا ایک خاص حلقہ قائم کر لیا تھا، ان کا یہ حلقہ ریاستی کانگریس کے صدر سید میر قاسم اور کامبہ کے بعض وزراء جن میں مسٹر غلام رسول کار اور مفتی محمد سعید وغیرہ بھی شامل تھے، کے علاوہ ریاستی کانگریس کے بعض چوٹی کے لیڈروں پر مشتمل تھا اور ان لوگوں کو ڈی پی دھر کی وساطت سے نئی دہلی میں خاصا اپروچ حاصل ہو گیا تھا۔ جنوں کشمیر حکمران کانگریس میں اختلافات آہستہ آہستہ بڑھتے چلے گئے اور اس طرح شیخ محمد عبداللہ کے مقابلے میں بخشی غلام محمد اس کے بعد بخشی غلام محمد کے مقابلے میں غلام محمد صادق اسی طرح غلام محمد صادق کے مقابلے میں سید میر قاسم کو کھڑا کرنے کی روایت دہرائی جانے لگی۔ سابق وزیر اعظم بخش غلام محمد کے خلاف چونکہ بدعنوانیوں کے الزامات کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن قائم کیا گیا تھا، اس لئے وہ نئی دہلی سے بالکل بدول اور بیزار نظر آتے تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے فروری ۱۹۶۶ء میں ریاستی اسمبلی کے لئے انتخابات لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ حالانکہ انہیں بخوبی معلوم تھا کہ انتخابات کروانے کے جو طریقے ۱۹۶۴ء کے بعد کشمیر میں رائج کئے گئے ہیں، ان کی بنا پر اپوزیشن کے کسی ایک ممبر کے لئے بھی کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ ۱۹۶۶ء کے انتخابات میں غازی رائے شماری کے ایک حلقے نے بھی حصہ لیا۔ لیکن غازی کی قیادت نے اس انداز فکر کو سرے سے ہی مسترد کر دیا اور کہا کہ چونکہ غازی کے بیشتر لیڈر جیلوں میں ہیں اور انتخابات آزادانہ فضا میں نہیں ہو رہے ہیں، اس لئے غازی رائے شماری انتخابات کے ٹیکٹ کے اپنے فیصلے پر قائم رہے گا۔

۱۹۶۶ء کے انتخابات میں بھی وادی کی بیانیس نشستوں میں سے ۱۳ نشستیں حکمران کانگریس کے مقابلے لے گئی اور متعلقہ ریٹرننگ آفیسروں نے حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان ۱۳ حلقوں میں مختلف اپوزیشن پارٹیوں کے تمام کے تمام امیدواروں کے کاغذات نامزدگی مسترد کر دیئے۔ وادی کی ۲۲ نشستوں کے لئے اپوزیشن کے جو ۱۸ امیدوار کھڑے ہوئے تھے، ان میں سے ۱۶ امیدواروں کے کاغذات نامزدگی بغیر کسی معقول وجہ کے مسترد کر دیئے گئے۔ انتخابات میں حسب روایت حکمران کانگریس نے اکثریت حاصل کر لی اور غلام محمد صادق دوبارہ برسر اقتدار آ گئے۔ لیکن نئی حکومت بننے کے بعد ریاستی کانگریس پارٹی میں اختلافات بھی وسیع ہو گئے اور کانگریس پارٹی کو چونکہ اب یہ اطمینان حاصل ہو چکا تھا کہ وہ پانچ برس کے لئے برسر اقتدار آگئی ہے۔ اس لئے شیخ محمد عبداللہ، مرزا محمد افضل بیگ اور غازی رائے شماری کے دوسرے لیڈروں کی رہائی کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ چنانچہ ۶ جولائی ۱۹۶۶ء کو مرزا محمد افضل بیگ رہا کر دیئے گئے، اس کے ساتھ ہی سر پنچ اور جیسوں جیلوں میں نظر بند دوسرے لیڈروں کو بھی یکے بعد دیگرے رہا کر دیا گیا۔ البتہ شیخ محمد عبداللہ کو اسی دوران اڈا محمد سے پہلے کوڈائی کنال اور پھر وہاں سے نئی دہلی لا کر کوڈلین کے نمبر ۳ بنگلے میں نظر بند رکھا گیا۔



۱۵



اگست ۱۹۹۷ء کے پہلے ہفتے میں بریٹنگ میں ایک واقعہ منظر عام پر آیا جب کہ بریٹنگ کے ڈیپارٹمنٹ میں
 میں ملازم ایک کشمیری پنڈت لڑکی پریشوری ہنڈو نے اپنی مرضی سے اپنا مذہب تبدیل کر کے ایک مسلمان نوجوان غلام
 رسول کنٹھ کے ساتھ شادی کر لی۔ یہ لڑکی غلام رسول کنٹھ کے ہمراہ کشمیر کے مفتی اعظم کے دارالافتویٰ پر گئی جہاں اُس نے
 اپنی مرضی سے اسلام قبول کر کے غلام رسول کنٹھ کے ساتھ شادی کر لی۔ اس واقعہ پر بعض کشمیری پنڈتوں نے اس لڑکی کی
 ماں کو اگسایا چنانچہ وہ کشمیر کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس مسٹری این کول کے پاس فریاد لے کر گئی بریٹنگ نے متعلقہ
 پولیس تھانے کو اس بارے میں کہیں خبر کرنے اور تحقیقات کرنے کا حکم دیا متعلقہ پولیس تھانے نے مقدمہ رجسٹر کرنے کے
 بعد غلام رسول کنٹھ اور اس کی منکوحہ بیوی کو گرفتار کر لیا اور خانیار کے پولیس اسٹیشن میں لا کر حوالات میں بند کر دیا جہاں پولیس
 کی امداد و اعانت سے لڑکی کی ماں اُس کے دوسرے رشتہ داروں اور کشمیری پنڈت جاتی کے سرکردہ سماجی اذریسی
 لیڈروں نے اس لڑکی سے ملاقات کی اور اُسے واپس ہندو دھرم میں آجائے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن اُن

سب کی تمام کوششیں ناکام رہیں اور لڑکی اپنے فیصلے پر اُل رہی۔ اس واقعہ کا چرچا عام ہو گیا اور مسلمانوں کے ایک طبقے میں اس روز بروز دہشت کے خلاف غم و غصہ پھیلنا شروع ہوا۔ اسی اثنا میں بعض ہمدرد کلاؤ نے لڑکی کی ماں کو مشورہ دیا کہ وہ یہ معاملہ عدالت میں پیش کرے چنانچہ لڑکی کی ماں نے بریکر کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں یہ درخواست پیش کی کہ چونکہ اس کی لڑکی نابالغ ہے اس لئے وہ اپنی مرضی سے اپنی شادی کرنے کا قانوناً کوئی اختیار نہیں رکھتی۔ اس بنا پر عدالت سے درخواست کی گئی کہ وہ لڑکی کو پولیس حوالات سے نکلوا کر اس کی ماں کے سپرد کر دے لڑکی کی طرف سے بریکر کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں آئے۔ دوسری طرف اس معاملے پر کشمیری پندتوں نے ایک ہندو اکیشن کمیٹی کا قیام عمل میں لا کر ایچ بی ٹیشن شروع کر دیا۔ جب اس ایچ بی ٹیشن کا معاملہ ریاستی اسمبلی میں جس کا اُن دنوں بریکر میں انعکاس ہو رہا تھا، اٹھایا گیا تو حکومت نے اپنی پوزیشن بیان کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ لڑکی کی ماں یہ معاملہ باقاعدہ طور پر ایک عدالت میں لے گئی ہے۔ اس لئے سب کو عدالت کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے۔ ایوان اسمبلی میں وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق، جو وزارت داخلہ کا چارج رکھتے، نے یہ اکتشاف کیا کہ کشمیر میں ذوق و ارادہ فسادات بپا کرنے کی ایک گہری سازش کا پتہ لگایا گیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اس سازش میں قومی یک جہتی اور سکیموں کا استعمال کرنے والے بہت سے ایسے افراد بھی ملوث ہیں جن کا تعلق مسلمان کانگریس پارٹی سے ہے۔ وزیر اعلیٰ نے ایوان کو یہ بتایا کہ اس سازش کے سلسلے میں بعض دتا دیزول، ڈائریوں اور دوسرے کاغذات کے علاوہ بہت سا اسلحہ بھی ضبط کر لیا گیا ہے۔ وزیر اعلیٰ کے اس بیان سے کشمیر میں ایک طغیانی مچ گئی اور دوسری طرف کشمیری پندتوں کا ایچ بی ٹیشن بھی زور پکڑتا گیا اور حکومت کے لئے امن و قانون بنانے کا مشکل ہو گیا کشمیری پندتوں نے جو ہندو اکیشن کمیٹی بنائی تھی، اُس نے اس واقعہ میں ملوث لڑکی کی والدہ شرمستی دھنوتی کو مجبور کر دیا کہ وہ عدالت سے اپنی درخواست واپس لے لے کیونکہ ہندو اکیشن کمیٹی اس معاملے کا فیصلہ سیاسی میدان میں کرنا چاہتی تھی۔ اس ایچ بی ٹیشن سے نئی دہلی کو کچھ غیر معمولی تشویش پیدا ہو گئی چنانچہ بعض اعلیٰ سرکاری افسروں اور مرکزی وزارت داخلہ کے سیکریٹری کو بریکر بھیجا گیا۔ رات بھر یہ سب کچھ کے بعض چوٹی کے لیڈر بھی جن میں پروفیسر طراغ مدھوک بھی شامل تھا اپنا ایک بریکر پہنچ گئے۔ ان لیڈروں نے ہندو اکیشن کمیٹی کے اراکین کی بھرپور حوصلہ افزائی کی اور انہیں مزید

اکمیا۔ وزارت داخلہ کے سیکریٹری برٹنل، پی سنگھ تین دن تک سرنگریں رہے۔ انہوں نے ریاستی حکام کے علاوہ ہندو اکیشن کمیٹی کے مجسٹریٹوں سے ملاقاتیں کیں۔ اور واپس نئی دہلی پہنچ کر صورت حال کے بارے میں حکومت ہند کو آگاہ کیا۔ برٹنل، پی سنگھ نے اپنی رپورٹ میں ہندو اکیشن کمیٹی کی حمایت اور صادق حکومت کو مورد الزم ٹھہرایا۔ بریکر میں پبلک سطح پر اگرچہ تب تک ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی تصادم وغیرہ نہیں ہوا تھا لیکن کشمیر کے عروج پر پہنچ چکی تھی اور جب مسلمانوں کو محسوس ہوا کہ نئی دہلی ریاستی حکومت پر دباؤ ڈال کر مسلمانوں سے ناانصافی کو ختم کر دے تو انہوں نے جوابی ایچ بی ٹیشن کے طور پر برٹنل کی کردی اور حکام کی خلاف منظر اُٹھائے گئے۔ ایک ہفتے کے اندر اندر ہندو اکیشن کمیٹی نے اپنی تقریریں اور اپنی کارکردگی کے کشمیر کے صدیوں پرانے فرقہ وارانہ بھائی چارے اور میل ملاپ کی روایات کو خاکستر کر کے رکھ دیا۔ بریکر کے عین وسط میں تیل ناتھ کے مقام پر ہر روز جلسہ ہوا کرتا تھا۔ جہاں پر ایک مندر واقع ہے نہ کہ ڈیپارٹمنٹل سکول میں نماز لڑکی کے ساتھ شادی کوئی تھی کے خلاف تقریریں کرنے کی بجائے مسلمانوں کی خلاف اشتعال انگیز سنی کی انتہا کی جاتی رہی لیکن حکومت اس ساری اشتعال انگیزی کے مقابلے میں بے بس اور لاچار تھی۔ شہر میں امن و انتظام درہم برہم ہو چکا تھا اور دفعہ ۱۴۲ کے نفاذ کے باوجود ہندو اکیشن کمیٹی جلسے جلوسوں کے ذریعے کشمیری مسلمانوں اور صادق حکومت کو ہدف ملامت بنا رہی تھی۔ لیکن مسلمانوں اور خود وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق نے بڑے صبر و استقلال کا ثبوت دیا۔ اسی دوران برٹنل، پی، دھرنے وزیر اعلیٰ کی پالیسیوں سے اختلاف کرتے ہوئے استعفا دیدیا لیکن بعد میں انہوں نے اپنے مستعفی رہنا کے دباؤ میں آکر استعفیٰ واپس لے لیا۔

بریکر میں صورت حال ابتر ہو رہی تھی کہ ۱۵ اگست کی صبح کو ہندو اکیشن کمیٹی کے مطالبات کی حمایت میں جموں میں تشدد آمیز مظاہرے شروع ہو گئے۔ خود ریاست کے چیف سیکریٹری سر پیارے کشن دھادے کے بیان کے مطابق جموں شہر میں تین مسلمانوں کے گول لوٹ لے گئے۔ اُن کے فرخچے کو فائر آتش لگایا گیا اور چند ایک مسلمانوں کی دکانوں پر تھپے لڑکے علاوہ ایک مسلمان کے چھاپخانے پر ہلہ بول دیا گیا جس پر دہلی فوج طلب کرنی گئی بریکر میں صورت حال پر قابو پانے کے لئے پہلے پندرہ گھنٹے کا اور یہ مدت پوری ہونے پر پورے ساٹھ گھنٹے کا کوئی نافذ کر دیا گیا۔ کوئیو کے نفاذ سے پہلے تمام سرکاری دفاتر جن میں سرکاری حکومت کے دفاتر بھی شامل تھے کا ہندو لٹنے بائیکاٹ کر دیا تھا۔

اور کوئی بھی ہندو سرکاری ملازم دفتر نہیں جاتا تھا۔ کرنیو کے نفاذ کے ساتھ ساتھ اخبارات پر سنسر بھی لگایا گیا۔
 میں کشمیر پولیس کی بجائے سنٹرل ریزرو پولیس کے مسلح دستے متعین کر دیئے گئے جن کی دراز دستیوں سے مسلم آبادی کا قافیہ
 حیات ننگ ہو گیا۔ جن لوگوں کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی طرف سے کرنیو کے اوقات میں سرکاری دفاتر میں آنے اور ضروری
 سرورس چالو رکھنے کے لئے کرنیو پاس دیئے گئے تھے۔ وہ ناکارہ ثابت ہوئے۔ کیونکہ سنٹرل ریزرو پولیس کرنیو پاس رکھنے
 والے سے اس کا نام بھی پوچھ لیتی تھی۔ اور جب وہ اپنا نام بتاتا اور پولیس اہل کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ مسلمان ہے تو اسے میں
 پر مٹایا جاتا اور اس کا کرنیو پاس چھین لیا جاتا تھا۔ ۲۷ اگست ۱۹۴۷ء کو جب کہل سے ایک اترتھی جلوس نکالا گیا۔ اس شخص
 کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ بوڑھا ہونے کی وجہ سے ایک مشعل ہجوم پر لائٹھی چارج کے دوران بھاگ نہیں سکا اور پولیس کی
 لائیووں سے زخمی ہو کر چل بسا تھا اس کی اترتھی کا جلوس جب کرن گرنہ پانچاوتھ شہر کے اس علاقے میں مسلمانوں کی پانچ گھنٹوں
 کو خدراش کر دیا گیا اور اس پاس کے مکانوں پر پتھر اڑا دیا گیا۔ اس کے بعد شہر میں صوڑت حال زیادہ سنگین ہو گئی چنانچہ تمام
 عدالتیں اور سرکاری دفاتر بھی بند کر دیئے گئے۔ اس پر نئی دہلی کو مزید تشویش لاحق ہو گئی چنانچہ مرکزی وزیر داخلہ سٹروڈی، بی
 جپان صورت حال کا جائزہ لینے اور داخلہ بے جا کرنے خود برٹیک آئے۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۴۷ء کو آئے اور انہوں نے
 وزیر اعلیٰ دوسرے ریاستی حکام اور ہندو ایشیائی کمیٹی کے لیڈر فل کے ساتھ صوڑت حال پر تبادلہ خیال کیا۔ مرکزی وزیر داخلہ نے
 یہ تجویز پیش کی کہ عدالت کے فیصلے تک لڑکی کو اس کی والدہ کی تحویل میں رکھا جائے۔ یہ تجویز اس سے پہلے سٹروڈی پٹی دھرنے
 بھی پیش کی تھی اور ان کے بعض قریبی رفقاء نے بھی اس کی حمایت کی تھی لیکن غلام محمد صادق نے اس پر آمادگی ظاہر نہیں کی
 انہوں نے مرکزی وزیر داخلہ کو بتایا کہ ”میں قانون کا بہت احترام کرتا ہوں اور قانون میں داخلہ سے زیادہ بہتر میں سمجھوں گا۔
 کہ میں مستعفی ہو جاؤں قانون کی رو سے کسی ایک مذہب کی بالغ لڑکی کا بچی دوسرے مذہب کے بالغ لڑکے سے شادی کرنا کوئی
 قابل اعتراض بات نہیں اور جہاں تک متعلقہ لڑکی کے مینوسٹیٹی، سکول اور درس ریکارڈ کا تعلق ہے اس کی بنا پر وہ بالکل بالغ
 ہے اور میں تسلیم کرنے کے لئے کسی بھی طرح تیار نہیں کہ وہ بالغ نہیں ہے۔ اس پر سٹروڈی، پٹی دھرنے کے ساتھ چلے گئے
 بعد میں سٹروڈی نے ہندو ایشیائی کمیٹی کے لیڈر فل کو سمجھا بھجا کر اور ان کے دوسرے تمام مطالبات پر ہمدردانہ غور کی لہجہ
 دہانی کر دیا کہ انہیں اپنا ایشیائین اس وقت تک کے لئے معطل کرنے پر آمادہ کر لیا۔ جب تک عدالت اس بار کی اپنا فیصلہ نہیں دیتی۔

ان تمام واقعات نے جو اس ایک ماہ کے دوران رونما ہوئے، غلام محمد صادق کے سیاسی خیالات اور عقائد کو
 تحس نہس کر کے رکھ دیا۔ ہر ہندو غلام محمد صادق کو کٹر فرقہ پرست قرار دیتا تھا اور غلام محمد صادق کے لئے نہ صرف درگاہ پرشاد
 دھرا کا نگر اس کے ہندو اراکین کا کل ایک تازیانہ عجز تھا بلکہ نئی دہلی کی اس محافل میں بار بار داخلت اور ہندوستان کے
 پولیس کے رویے نے غلام محمد صادق کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کرا دیا اور دیکھا کہ انہوں نے خود کہا ”مسلمان اس ملک
 میں اقتدار میں ہوا اقتدار سے باہر مظلوم ہے۔ اگر اس ریاست میں ہزاروں مسلمانوں کو وائس کن انڈیا اور دوسرے کالے قوانین کے
 تحت گرفتار کر کے جیل بھیج دیا جائے۔ درجنوں کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا جائے تو اس اتنے بڑے ملک میں ان پر کئے گئے
 اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے والا کئی نہیں لیکن اگر کوئی مسلمان حاکم کسی غیر مسلم شہری کو معمولی طور پر ناراض کر دے تو ہجوم پرست
 ہندوستان کی ساری ہندو آبادی اس سے بیزار ہو جاتی ہے۔“ حالات نے غلام محمد صادق کی سوچ میں تبدیلی پیدا کر دی اور
 انہوں نے محاذ رائے شامی، پولیٹیکل کانفرنس اور عوامی ایشن کمیٹی کے وہ تمام کے تمام نظریہ کے بعد دیگرے برآمد کیئے جو وقت تک
 رہا نہیں کئے گئے تھے، ہندو ایشن کمیٹی کے جو سیتہ گری گرفتار کئے گئے تھے۔ ان سب کو بھی غیر مشروط پر راکر دیا گیا اور بعد میں
 یہ ہوا کہ ڈیپارٹمنٹل سب ڈویژن کی پرمیشوری ہندو پر دین اختر بن کو ہمیشہ کے لئے غلام رسول کھنڈھ کی ہو گئی البتہ نئی دہلی
 نے پرمیشوری ہندو ایشن کمیٹی کے مطالبے پر ان کی سیاسی اور ملازمتوں وغیرہ کے بارے میں شکایات کا جائزہ لینے اور ان کا ازالہ کرنے
 کی سفارشات پیش کرنے کے لئے پرمیشوری کورٹ کے ریٹائرڈ چیف جسٹس سٹرنجمنڈ کو کی ہدایت میں تین اسٹارڈ پٹنٹ
 لیگ کمیشن مقرر کر دیا۔ اس کمیشن کے دوسرے دو ممبر سٹرنجمنڈ پرشاد اور بدال دین طیب جی تھے۔ اس کمیشن نے سٹرنجمنڈ پرشاد
 میں مختلف حلقوں کے بیانات سننے کے بعد اپنی سفارشات پیش کر دیں۔

واقعات نے جو کوہ طی اس سے جہاں حکمران کانگریس پارٹی میں اکثر مسلمان بد دل اور بیزارے نظر آتے تھے۔
 وہاں کشمیری مسلمانوں کے نوجوان طبقے میں بے مینیا اور اضطراب شدت اختیار کر چکا تھا چنانچہ مختلف کالجوں کے مسلمان
 طلباء اور نوجوانوں نے نظم ہو کر دوبارہ حق خود ارادیت کے لئے جدوجہد شروع کر دی حکومت نے اس جدوجہد کو بڑی سختی کے ساتھ
 دبانے کی کوشش کی چنانچہ اس سلسلے میں ۲۰ اکتوبر کو بدشاہ چوٹ اور لال چوٹ میں طلباء کے ایک بہت بڑے اجتماع پر
 سنٹرل ریزرو پولیس کی فائرنگ نے حالات کو اور بگاڑ دیا۔ اس فائرنگ میں ایک نوجوان طالب علم غلام نور علی شال جو بڑی کمال

کارہنے والا تھا اور شہر کی قاضی مسجد کا اشراف احمد میر موقوف پر ہی ہلاک کئے گئے۔ دوسرے بہت سے لوگ بھی گولیوں سے زخمی ہو گئے۔ اس پر شہر میں دوبارہ کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ ۱۹ اکتوبر کو جب کہ شہر میں صدمت حال معمول پر آنے لگی تھی بریگڈ سٹیڈیم کے باہر لاہور اور غیر سیاحتی اہلکاروں کے منتزل ریزرو پولیس کے سپاہیوں نے لہ ملے عوام پر اندھا دھند فائرنگ کی جس سے متعدد شخصیات ہلاک اور بہت سے زخمی ہو گئے۔ ہلاک ہونے والوں میں دو آگاہ کا ایک اسٹنٹ ڈائجسٹر غلام محمد کچھ بھی شامل تھا جو کسی کام کے سلسلے میں شہر آیا تھا۔ اس پر عوامی احتجاج نے ایک ایچ ٹیشن کارروپ دھار لیا اس واقعہ نے خود وزیر اعلیٰ غلام احمد مہادق کو اس قدر بدل کر دیا کہ انہوں نے کثیر سے منتزل ریزرو پولیس کو واپس بلانے کا مطالبہ کیا اور ان کی وفاداری کی حفاظت کیلئے مقامی پولیس متعین کو دی منتزل ریزرو پولیس کو واپس تو نہیں بلایا گیا البتہ اسے مختلف مقامات سے ہٹا کر باکوں میں رکھا گیا تاکہ ضرورت پڑنے پر عوام کو بدلے کیلئے اسے پھر استعمال کیا جاسکے۔ اسی دوران نئی دہلی میں شیخ محمد عبداللہ کی رانی کی تجویز بھی زیر غور تھی اور اس کے لئے عمران پالینٹ کی ایک خاصی تعداد نے بھی مطالبہ کیا تھا۔ نئی دہلی میں اس معاملے پر سوچ وچار ہو رہا تھا کہ ریاستی حکومت نے ۱۳ دسمبر ۱۹۶۶ء کو مولانا محمد سعید مسعودی اور خواجہ غلام محی الدین مستورہ اور ۲۰ دسمبر کو مولانا محمد نواز کو مار دیا۔ یہ سب لوگ اکتوبر ۱۹۶۶ء میں طلباء اور نوجوانوں کی زبردست احتجاجی ٹیشن کے بعد گرفتار کئے گئے تھے۔ دسمبر کے آخری ہفتے میں نئی دہلی نے شیخ محمد عبداللہ پر عائد کی گئی پابندیوں کو کچھ نرم کر دیا اور انہیں اپنے خوش آئند کے ساتھ ملاقات کرنے اور نئی دہلی میں گھومنے پھرنے کی آزادی دے دی گئی۔ شیخ صاحب کو ٹالین کے نمبر ۳ بنگلے میں رکھے گئے تھے۔

اسی دوران روس کے وزیر اعظم مٹرکوفی گن کے دورہ ہندوستان کے پروگرام کا اعلان کیا گیا اور نئی دہلی سے شائع ہونے والے بعض اخبارات میں اس قسم کی اطلاعات شائع ہوئیں کہ شیخ محمد عبداللہ اور روسی وزیر اعظم کے درمیان ملاقات ہو رہی ہے۔ شیخ محمد عبداللہ کو ۲ جنوری ۱۹۶۸ء میں عید کے روز نئی دہلی میں رکھ دیا گیا۔ اور ان پر ساری پابندیاں ہٹا دی گئیں۔ اپنی لمبی لمبی کے بعد شیخ صاحب نے نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ وہ کثیر کا مسئلہ حل کرنے کے لئے پھر کوششیں شروع کر رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلے میں وزیر اعظم مٹرکوفی سے آواز اٹھانے کے ساتھ طویل ملاقات کی اور بعد میں انہوں نے پانچ گھنٹے کی گفتگو کی کہ شیخ صاحب کو پاکستان کے صدر محمد ایوب کی طرف سے پاکستان جانے کے لئے دعوت نامہ موصول ہوا ہے۔ شیخ صاحب نے اعلان بھی کیا کہ وہ برابر اپنے اس موقف پر قائم ہیں کہ کثیر کا تعلق ہوسے بغیر اس پر مبنی نہیں

امن قائم نہیں رہ سکتا۔ اور یہ تنازعہ ہندوستان، پاکستان اور کشمیری عوام میں تو فیصلہ کی رضامندی سے ہی حل ہو سکتا ہے۔ اپنی رانی کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے اس تقریب میں بھی شرکت کی جو اعلان تاشقند کی دوسری سالگرہ کے موقع پر نئی دہلی میں منعقد کی گئی تھی حالانکہ اعلان تاشقند میں ایک کاغذی اعلان بن کر رہ گیا تھا۔ اس تقریب پر نئی دہلی میں متعین روسی سفیر کا شیخ محمد عبداللہ سے تعارف کر دیا گیا۔ اس سے پہلے اسی روز شیخ محمد عبداللہ نے اپنے داماد خواجہ غلام احمد شاہ کو اپنا ایک مراسلہ اور پھولوں کا ٹکڑا دے کر نئی سفارت خانہ میں بھیجا تھا جس کے چند دن بعد روسی سفیر ان سے ملنے ان کی قیام گاہ پر گئے۔ روسی سفیر سے ان کی ملاقات اٹھائی گھنٹے تک جاری رہی اور اس ملاقات میں کچھ وقت کے لئے مزاحمتی افعل بیگ بھی شامل رہے۔ اس ملاقات میں یہ بھی طے پا گیا کہ شیخ محمد عبداللہ روس کے وزیر اعظم مٹرکوفی گن جو بہت جلد ہندوستان آنے والے تھے کے ساتھ مزید بات چیت کریں گے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو سکا تو شیخ صاحب ماسکو جا کر روسی لیڈروں سے بات چیت کریں گے۔ چنانچہ اس سلسلے میں شیخ محمد عبداللہ نے روسی سفیر کی وساطت سے روسی وزیر اعظم کو ایک مراسلہ بھی بھیجا جس میں انہوں نے ان سے ملاقات کرنے اور ماسکو جانے کی خواہش ظاہر کی۔ شیخ محمد عبداللہ نے وزیر اعظم ہند سے بھی یہ باتدعا کی کہ وہ انہیں روس کا دورہ کرنے کی اجازت دیں۔ اس تنازعہ ترین صورت حال کی اطلاع ملنے پر پاکستان کے صدر محمد ایوب خان نے شیخ محمد عبداللہ کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں صدر موصوف نے شیخ صاحب سے باتدعا کی کہ وہ کثیر پر مذاکرات کے سلسلے میں پاکستان کو نظر انداز کرنے کی کوشش نہ کریں۔ صدر پاکستان کا یہ مراسلہ پاکستان کے ہائی کمشنر نے ہندوستان پر مٹا کر دیا حسین اپنے ساتھ لائے تھے۔ مٹراشد حسین نے نئی دہلی میں کثیر کے بارے میں سفارتی اور سیاسی سرگرمیوں سے اپنی حکومت کو آگاہ کرنے صرف دو دن پہلے پاکستان گئے تھے۔

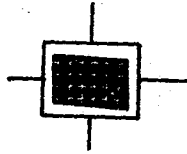
اس دوران ہندوستان کے کچھ بائرا اور چوٹی کے لیڈر جن میں سابق گورنر جنرل راجگوبال آچاریہ، مٹرکوفی، کش ناتراں اور آچاریہ شامل تھے۔ شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ بات چیت کرتے رہے۔ اس بات چیت کے دوران جو مقامی لیڈروں اور برادرانہ کارکنوں کے سرکردہ کارکن اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان ہو رہی تھی نئی دہلی اور کثیر کے لیڈروں کے درمیان مسلح مہمائی کی کوششیں بھی ہوتی رہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں سارے کشمیری لیڈروں کی ایک گولی مینز کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز بھی پیش کی گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی زبانت کے سابق رہا اہلکار بھی لگے کے بیٹے، جو ان دنوں حکومت ہند کے وزیر تھے کے ذریعے قادی کو جھول سے لگ کر کے رایت کی لسانی بنیادوں پر تقسیم کی تجویز بھی پیش کی گئی جسے شیخ محمد عبداللہ نے

ناقابل قبول قرار دیا۔ خود وزیر اعظم منظر انداز گاندھی نے بھی ایک اخباری کانفرنس میں یہ کہا کہ انہوں نے شیخ محمد کو
کے ساتھ کشمیر میں بعض داخلی تبدیلیوں کے بارے میں بات چیت کی ہے۔

۱۵ جنوری ۱۹۶۸ء کو روم کے وزیر اعظم ایک اعلیٰ سطح کا وفد لکھنؤ دہلی پہنچے۔ انہوں نے کشمیر کے
مسکے پر ہندوستانی لیڈروں کے ساتھ بات چیت شروع کر دی۔ برسرِ کوس گن ایک ہفتے تک نئی دہلی میں رہے۔ لیکن
نذاکرات ناکام ہو گئے۔ انہی دہلی نے شیخ محمد عبداللہ کو برسرِ کوس گن سے ملاقات کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ان مذاکرات
کی ناکامی کے بعد پاکستان کے وزیر تجارت نوابزادہ عبدالغفور خان اور پاکستان کے ہائی کمشنر برٹارڈ حسین نے شیخ محمد
عبداللہ کے ساتھ نئی دہلی میں ملاقات کی۔ اس ملاقات کے وقت مرزا محمد افضل ریگٹ بھی موجود تھے۔ چنانچہ شیخ محمد عبداللہ
اور برٹارڈ حسین نے پاکستانی لیڈروں کو دوبارہ یقین دلایا کہ پاکستان کی عملی شمولیت کے بغیر کشمیر کے تعین سے متعلق کوئی اقدام
نہیں کیا جائے گا۔ پاکستان کی طرف سے شیخ محمد عبداللہ کو دوبارہ پاکستان آنے اور بات چیت کرنے کی دعوت دی گئی لیکن
حکومت ہند نے انہیں اس کی اجازت نہیں دی۔ نئی دہلی اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں جا کر شیخ محمد عبداللہ نے جو بات
چیت کی وہ بالکل تیسے سب سے زیادہ مالوس ہو کر رہا۔ ۱۹۶۸ء کو نئی دہلی سے برٹنگ گئے۔ برٹنگ پہنچے پر انہوں نے
کشمیری عوام کو پھر ایک بار یقین دلایا کہ کشمیری عوام کے جس بنیادی حق کے لئے لڑ رہے ہیں اس پر کسی قسم کی سونے بازی نہیں
ہوگی۔ شیخ صاحب کشمیر میں آمد کے بعد ماری وادی کا دورہ کیا۔ عکبر جیلے منعقد کئے اور لوگوں کو یہ یقین دلایا کہ جب تک
کشمیر کے تنازعے کا کوئی ایسا حل نہیں مل آتا جو ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ ساتھ کشمیری عوام کو بھی قبول ہو۔ وہ
جدوجہد جاری رکھیں گے۔

دوسری طرف ۱۵ اپریل کو رومی وزیر اعظم برسرِ کوس گن ماسکو سے اپنا ملک راولپنڈی پہنچے۔ ماسکو سے واپسی سے قبل
انہوں نے ہندوستان کے سیز برسرِ کوس گن کو ایک ہفتے تک نئی دہلی میں صلاح مشورہ کرنے کے بعد ماسکو لوٹے تھے کہ ساتھ کشمیر
پر طویل بات چیت کی۔ رومی وزیر اعظم راولپنڈی میں چار دن تک رہے جہاں ان کے اور صدر محمد ایوب خان کے درمیان طویل
مذاکرات ہوئے۔ ان مذاکرات میں رومی وزیر اعظم نے پاکستان کو یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان متنازعہ
مسائل محلہ وار طے کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن پاکستان نے یہ تجویز مسترد کر دی اور کہا کہ وہ سب پہلے کشمیر کا تعین چاہتا ہے۔

چنانچہ کشمیر پر ایوب کو کسی گن مذاکرات بھی ناکام ہو گئے۔ برسرِ کوس گن راولپنڈی سے ماسکو جاتے ہوئے نئی دہلی آئے اور ان
ہندوستانی لیڈروں کو اس بات پر چیت آگاہ کیا۔ جو انہوں نے راولپنڈی میں کی تھی۔ رومی وزیر اعظم کے مشن کی ناکامی
کے صرف ایک ہفتے بعد شیخ محمد عبداللہ کشمیر سے پھرتی دہلی پہنچے۔ جہاں انہوں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ رومی وزیر اعظم
کولپے مشن میں کہاں تک کامیابی حاصل ہو سکی ہے۔ ان کی نئی دہلی میں آمد کے دو دن بعد پاکستان کے ہائی کمشنر برٹارڈ
حسین جنہیں صدر محمد ایوب خان نے اپنا نیا وزیر خارجہ مقرر کیا تھا نے شیخ صاحب سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں برسرِ
آرشد حسین نے شیخ محمد عبداللہ کو صدر ایوب اور رومی وزیر اعظم کے ساتھ کشمیر پر بات چیت اور اس کے نتائج سے آگاہ کرنے
کے علاوہ پاکستان کا یہ موقف بھی واضح کر دیا کہ کشمیر کا کوئی بھی کیلڈر اور غیر جمہوری فیصلہ قبول نہیں کرے گا۔ آرشد حسین نے
ان اطلاعات سے شیخ محمد عبداللہ کو آگاہ کر دیا۔ جو روم کی مداخلت سے نئی دہلی اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان مفاہمت
کو طے نہانے کے بارے میں پاکستان کو بلی یقین۔ شیخ محمد عبداللہ نے برٹارڈ حسین کو بات چیت کے دوران یقین
دلایا کہ ایسا کوئی تصفیہ یا حل کشمیر لیں گے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتا جس میں پاکستان کو نظر انداز کیا جائے۔





مختلف لیڈروں سے مذاکرات کے بعد شیخ محمد عبداللہ ۸ مئی کو واپس کشمیر لوٹ آئے۔ سرنگم میں آمد کے بعد شیخ محمد عبداللہ کی طرف سے ایک آل پارٹیز کنونشن طلب کرنے کا منصوبہ پیش کیا گیا جسے کشمیر پیپلز کنونشن کا نام دیا گیا۔ اگرچہ شیخ محمد عبداللہ اپنے اس موقف پر بڑی سختی سے قائم نظر آتے تھے کہ کشمیر کا مسئلہ ہندوستان پاکستان اور کشمیری لیڈروں یعنی تینوں فریقوں کی رضامندی کے ہی حل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اندر ہی اندر ایک داخلی حل کی تلاش بھی جاری تھی اور پیپلز کنونشن اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ پیپلز کنونشن میں کون کون لیڈر شریک ہوں گے۔ یہ سوال تقریباً دو ماہ تک اختلافات کا باعث بنا رہا اور اسی دوران ۱۸ جون ۶۸ کو وزیر عظم ہند شری متی اندرا کا بھی کشمیر آئیں۔ یہاں انہوں نے ۲۰ جون کو قومی سمجھوتی کونسل کے اجلاس کا افتتاح کیا جس میں ہندوستان کے تمام سرکردہ لیڈر شامل ہوئے۔ اس اجلاس میں شیخ محمد عبداللہ اور ان کے رفقاء کو بھی مدعو کیا گیا تھا لیکن وہ اس میں شامل نہیں ہوئے۔ جون کے آخری ہفتے میں پیپلز کنونشن میں شرکت کے لئے

مکھوئے جانے والے اصحاب کے ناموں پر اتفاق ہو گیا۔ بیش صاحب کنونشن بلانے والی ریٹنگ کمیٹی کے صدر اور پینڈت پریم ناتھ بزاز اہل کے نوٹیز بنائے گئے اور اس میں تمام مختلف انجیال لیڈروں کو مدعو کیا گیا جو جموں اور وادی سے تعلق رکھتے تھے۔ جن لوگوں کو کنونشن میں شمولیت کی دعوت دی گئی ان میں وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق، سابق وزیر عظیم بخشی غلام محمد، پینڈت پریم ناتھ ڈوگرہ، سید میر قاسم وغیرہ شامل تھے۔ غلام محمد صادق اور میر قاسم نے کنونشن میں شمولیت سے انکار کر دیا البتہ دوسرے تمام لیڈروں نے جن میں بخشی غلام محمد بھی شامل تھے، دعوت قبول کر لی۔ پیو پلر کنونشن بلانے کے بارے میں عوام کا رد عمل کچھ اچھا نہیں تھا اور انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ان کی تحریک کے قاید اپنے اصل وقت سے ہٹ رہے ہیں۔ چنانچہ سرسنگر اور وادی کے دوسرے حصوں میں اس کنونشن کے خلاف آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئیں اور طلباء اور نوجوانوں نے ایک مٹم کا ایجنڈا شروع کر دیا۔ ریاستی حکام نے یہ ایجنڈا طاعت استعمال کر کے دبایا اور بہت سے لوگ گرفتار کر کے جیل بھیج دیئے گئے۔ اس کے کچھ وقت بعد ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۸ کو سرسنگر کی تاریخی عمارت مجاہد منزل میں پیو پلر کنونشن شروع ہو گیا۔ کنونشن کا افتتاح کرنے کے لئے سر جے پرکاش نارائن ۶ اکتوبر کو سرسنگر پہنچے تھے۔ پیو پلر کنونشن شروع ہونے سے پہلے شیخ محمد عبداللہ نے اپنے ایک بیان میں وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق کے کنونشن میں شامل نہ ہونے کے فیصلے کو انوکھا قرار دیا اور کہا کہ یہ کنونشن ریاست میں مفارقت کا ایک نیا دور شروع کرنے کا ایک نیا تجربہ ثابت ہو سکتا ہے۔ کنونشن میں اڑھائی سو ڈی جی ٹیوں نے شرکت کی اور اپنی افتتاحی تقریر میں سر جے پرکاش نارائن نے نہایت معنی خیز طور پر جہاں اس بات کا اعتراف کیا کہ کشمیر کا تنازعہ موجود ہے وہاں یہ تجویز بھی پیش کی کہ چونکہ حالات یکسر بدل چکے ہیں اس لئے کشمیری لیڈروں کو چاہیے کہ وہ اپنے خیالات اور اپروچ میں بھی تبدیلی پیدا کر لیں۔ اس کے اگلے روز جبکہ سر نارائن نے حضورِ باریہ کے پبلک جلسے میں یہ اعلان کیا کہ رائے شماری کا مطالبہ ایسا غرورہ ہو چکا ہے اس لئے کشمیری لیڈروں کو نئی راہ تلاش کرنی چاہیے تو جلسہ گاہ میں ان کے خلاف مظاہرہ شروع ہو گیا جس پر شیخ محمد عبداللہ کو جو سر نارائن کے ساتھ جلسہ گاہ میں آئے تھے، مداخلت کرنا پڑی اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ دنیا کی کوئی طاقت کشمیریوں کو ان کے جائز اور بنیادی حق سے محروم نہیں کر سکتی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ آزادی خیرات میں انہیں ملتی ہے چھین لیا جاتا ہے اور ہم

اپنا یہ حق حاصل کر کے رہیں گے۔ اس پر جلسے میں کھڑا و سائید سہ گئی۔ اس کے اگلے دن سر جے پرکاش نارائن نے کشمیر پریس کلب میں اخباری نمائندوں کو بتایا ”رائے شماری یا ۱۹۵۲ء کی پوزیشن بحال کرنا اب خارج از امکان ہے البتہ کشمیری لیڈروں اور حکومت ہند کے درمیان بات چیت شروع کروانے کی کوشش کر رہا ہوں تاکہ اس مسئلے کا ہندوئین کے آئینی ڈھانچے کے اندر کوئی مناسب حل نکل آئے اور پیو پلر کنونشن اس کام میں ٹھوس مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔“

پیو پلر کنونشن میں رائے شماری کے حامی عناصر نے بڑا سخت رویہ اختیار کیا۔ اس کنونشن میں آزاد کشمیر کے جن مندوبین کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی وہ تو نہیں آ سکے البتہ لندن سے میر پور کے دو تین اصحاب نے خود ساختہ نمائندوں کی حیثیت میں شرکت کی۔

اس کنونشن میں کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کے لئے تجویز، متبادل تجویز اور جوابی تجویز پیش ہوئی رہیں۔ اٹھارہ تجویزیں ہندوستان کے حق میں، سو کہ کشمیر کی خود مختاری کے حق میں، چھ کشمیر کا قوام متحدہ کی نگرانی میں رہنے کے حق میں اور گیارہ کشمیر کو پاکستان میں شامل کر کے کشمیر کی گئیں ہندوستان کے حق میں تجویزیں پیش کی گئیں۔ ان میں ایک بخشی غلام محمد کی تھی اور چار وادی کے ان ملاوٹ کی طرف سے پیش کی گئی تھیں جن کا تعلق سکھان کا گریس سے تھا۔ ۱۳ دوسری تجویزیں جو ہندوستان کے حق میں پیش کی گئیں وہ جوبل کے ڈوگروں کی تھیں۔ اگرچہ کنونشن بلانے والوں نے ان کی ناکامی کو کوئی یا امتیادہ اعلان نہیں کیا لیکن اس کا کوئی ٹھوس نتیجہ بھی برآمد نہیں ہوا۔ کنونشن کے اختتام پر بتایا گیا کہ شیخ محمد عبداللہ ہندوستانی حکام اور پاکستان کے صدر محمد ایوب خان کے ساتھ اس کنونشن کی رویداد کی روشنی میں صلاح مشورہ کرنے کے بعد دوسرا اجلاس بلانے کی تاریخ مقرر کریں گے۔ جب میں نے وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق سے دریافت کیا کہ وہ اس کنونشن میں کیوں شامل نہیں ہوئے تو انہوں نے یہ عجیب انکشاف کیا کہ ”یہ نئی دہلی والے بھی بڑی عجیب مخلوق ہیں۔ ہمارے ساتھ گفتگو کے دوران اس کنونشن کی مخالفت کرتے ہیں لیکن دوسری طرف کنونشن بلانے والے لیڈروں کے ساتھ سیاسی سطح پر ساز باز بھی کی جا رہی ہے۔ اگر شیخ محمد عبداللہ اس بات پر آمادہ ہو گئے ہیں کہ وہ اقتدار واپس حاصل کرنا چاہتے ہیں تو میں رضا کارانہ طور پر اقتدار چھوڑنے کے لئے تیار ہوں لیکن سارے معاملے صاف

اور واضح ہونے چاہئیں۔ میں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ لوگوں کو ایک بات کہی جائے اور اندر ہی اندر اس کے برعکس معاملے کرنے کی کوشش کی جائے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ شیخ صاحب ملک کے قومی دھارے میں آجائیں اور اگر وہ ایسا کریں تو مجھے سب سے زیادہ خوشی ہوگی۔

اس کنونشن کے انعقاد اور اس میں کی گئی بحث سے کثیر مسلموں کو بڑی مایوسی ہوئی اور انہیں قیادت کی حیثیت پر شبہ ہونے لگا۔ خود کنونشن میں شامل سرکردہ لیڈروں کے درمیان بھی کثیر کے سوال پر زبردست اختلافات سامنے آئے اور کنونشن کے اختتام پر جو مشترکہ بیان جاری ہوتا تھا اس پر دونوں تک سٹرٹنگ کھٹی کے ممبروں کے درمیان جھگڑا اٹھ اٹھ کر کوئی بیان جاری نہیں کیا جاسکا البتہ آخری دن دو قراردادیں منظور کی گئیں جن میں سے ایک مولوی محمد فاروق نے پیش کی تھی اور جس میں کثیر کا کوئی ایسا حل تلاش کرنے کی تجویز پیش کی گئی تھی جو ریاستی عوام کیلئے قابل قبول ہو اور دوسری سردار دودھ موٹی لال مہری ایڈووکیٹ نے پیش کی۔ جس میں یہ تجویز کیا گیا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بہتر تعلقات کے لئے کوشش کی جائے۔

اسی دوران جب مٹر جے پرکاش نارائن سرنگر سے واپس نئی دہلی گئے تو انہوں نے نئی دہلی کو مشورہ دیا کہ پلینز کنونشن کے سلسلے میں شیخ محمد عبداللہ کو پاکستان جاکر صدر محمد ایوب خان سے بات چیت کرنے کی اجازت دی جائے۔ نئی دہلی نے مٹر نارائن کا مشورہ مسترد کر دیا البتہ کسی داخلی تصفیہ کے لئے شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ مذاکرات پر آمادگی ظاہر کر دی۔ مٹر نارائن نے اس معاملے سے شیخ محمد عبداللہ کو باخبر کر دیا اور اسکے بعد بعض مرکزی وزیر اور سربراہان کا مذہبی کا خصوصی نمائندہ محمد یونس سلیم سرنگر آئے اور شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ تبادلہ خیال کیا جس کی بنا پر ۵ نومبر ۱۹۶۸ کو شیخ محمد عبداللہ نے اپنے درست مرزا محمد افضل بگیک کو دہلی بھیجا۔ مٹر بگیک نئی دہلی پہنچے جہاں مٹر جے پرکاش نارائن بھی موجود تھے اور انہوں نے مٹر نارائن اور حکومت ہندوستان کے لیڈروں کے ساتھ طویل بات چیت کی جس میں بعض امور طے بھی پا گئے۔ مرزا محمد افضل بگیک نے اپنی بات چیت کے بعد سرنگر واپس آکر ساری صورت حال سے شیخ محمد عبداللہ کو آگاہ کر دیا۔

چنانچہ ریاست کے وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق کو دہلی طلب کیا گیا اور ان سے بھی صلاح مشورہ کیا گیا۔

مٹر صادق نے نئی دہلی سے واپسی پر مجھے بتایا۔ ”شیخ محمد عبداللہ اور ان کے ساتھیوں اور نئی دہلی کے درمیان اندر ہی اندر کھپڑی کپکپی ہے اور اگر سرنگرین کے درمیان سب کچھ طے ہو گیا تو محاذ رائے شماری کی قیادت کثیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کو تسلیم کر لے گی اور ہو سکتا ہے کہ اس ”قربانی“ کے معاوضے میں انہیں اقتدار مل جائے“ کثیر میں یہ گونگو، تذبذب اور شک و شبہ کی فضا عوام کی مایوسی کا باعث بن۔ یہی تھی چنانچہ اس مایوسی کا ازالہ کرنے کے لئے ۱۷ نومبر کو محاذ رائے شماری کی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا گیا جس میں کثیر کا مسئلہ رائے شماری کے ذریعے حل کرنے کے سلسلے میں ایک قرارداد پاس کر دی گئی۔

۸ دسمبر ۱۹۶۸ کو کثیر مولیٰ کنونشن کی سٹرٹنگ کھٹی کا اجلاس سرنگر میں طلب کیا گیا جو صرف ۲ گھنٹے تک جاری رہ سکا۔ دسمبر کے پہلے ہفتے میں برطانیہ کے وزیر خارجہ دہلی آئے اور انہوں نے کھٹی کثیر کے مسئلہ پر کچھ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان مصاحبت کی پیش کش کی لیکن نئی دہلی نے اسے ناقابل قبول قرار دے دیا۔ برطانوی وزیر خارجہ راولپنڈی بھی گئے، راولپنڈی جیلنے سے پہلے انہوں نے مدراس میں مٹر نارائن گروپال آچاریہ کے ساتھ ملاقات کی۔ اور مٹر نارائن گروپال آچاریہ نے اس بات چیت کے بعد اپنے ہفتہ وار اخبار ”سوراجیہ“ میں یہ تجویز پیش کی کہ کثیر کو دس برس تک بین الاقوامی کنٹرول میں دے دیا جائے اور دس برس کے بعد اس کا منصفانہ حل نکالا جائے۔ اس کے بعد ۲ جنوری ۱۹۶۹ کو شہنشاہ ایران نئی دہلی آئے۔ وہ اس ملک میں دس دن تک رہے اور انہوں نے کثیر کے مسئلے پر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بیچ بچاؤ کروانے کی بات چیت کی لیکن انہیں کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

ادھر کثیر کے سیاسی محاذ پر مکمل سکوت طاری ہو گیا اور شیخ محمد عبداللہ نے اپنی سرگرمیاں اوقاتِ اسلامیہ کے انتظام اور کھٹی کثیر محاذ رائے شماری کے کسی حلیے میں تنظیمی معاملات پر تقریر کرنے تک محدود کر لیں۔ دوسری طرف پاکستان میں صدر محمد ایوب خان کے خلاف عوام اٹھ کھڑے ہوئے جس کے نتیجے میں پاکستان میں صورت حال غیر یقینی ہو گئی، اور اس کے ساتھ ہی یہ اطلاع آئی کہ کثیر کی شمالی سرحدوں پر روسی اور چینی فوجیں جمع ہو رہی ہیں۔ ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ کو صدر محمد ایوب خان پاکستان میں اقتدار سے دستبردار ہو گئے اور انہوں نے ملک کی باگ ڈور

بری اوج کے سربراہ جنرل محمد یحییٰ خان کو سوپ دی۔ ان تبدیلیوں کا کثیر میں یہ رد عمل ہوا کہ محاذ رائے شماری نے دایوں
 ہر کردہ باتی پہلی کے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔ جس کا نئی دہلی نے بظاہر خستہ دم کیا۔ محاذ کے اصرار
 کا کثیر عوام میں کوئی موافق رد عمل نہیں ہوا، لیکن اس کے باوجود محاذ رائے شماری نے ہندوستان کے چیف
 الیکشن کمشنر سے یہ مطالبہ کیا کہ اسے پہلی کی پانچ سیٹوں کیلئے جو خالی پڑی تھیں ضمنی انتخابات میں حصہ لینے کیلئے تیار کر دیا۔
 اور اس مقصد کیلئے ضمنی انتخابات تین ماہ کیلئے ملتوی کئے جائیں۔ چیف الیکشن کمشنر نے انتخابات ملتوی کرنے کیلئے یہ شرط پیش کی کہ محاذ رائے شماری پہلے
 ہندوستان کے ساتھ کثیر کے الحاق کو تسلیم کرنے کا اعلان کرے۔ اس کے بعد ہی اسکے انتخابات ملتوی کرنے کے
 مطالبے پر غور کیا جاسکتا ہے۔ جس پر محاذ رائے شماری کو مجبوراً انتخابی میدان سے الگ رہنا پڑا۔ چیف الیکشن کمشنر
 کی طرف سے یہ جواب ملنے کے باوجود شیخ محمد عبداللہ نے مرزا محمد افضل بیگ اور خواجہ غلام محمد شاہ کو نئی دہلی بھیج دیا
 تاکہ اس معاملے پر بات چیت کی جاسکے اور انتخابات میں شرکت کا کوئی راستہ نکالا جاسکے۔ ریاستی وزیر اعلیٰ غلام محمد
 صادق کو بھی نئی دہلی طلب کیا گیا۔ بات چیت اور اصرار کے باوجود محاذ رائے شماری کے لیڈر خالی ہاتھ واپس آ گئے
 اور محاذ رائے شماری کی شرکت کے بغیر ہی ضمنی انتخابات ہو گئے۔ ۵ مئی ۱۹۶۹ء کو ڈاکٹر ذاکر حسین صدر جمہوریہ ہند
 اچانک انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال کی خبر ملتے ہی شیخ محمد عبداللہ اور ان کے رفقاء نئی دہلی گئے اور وہاں ان کی
 آخری رسومات میں شرکت کی۔ اس موقع پر شیخ محمد عبداللہ نے پھر وزیر عظم مسز انڈرا گاندھی اور نائب وزیر عظم مسز لالو
 سے ملاقات اور تبادلہ خیالات کے علاوہ پاکستان کے ایزچف نور خان کے ساتھ بھی کثیر کے مسئلے پر بات چیت
 کی جو ڈاکٹر ذاکر حسین کی موت کے سلسلے میں نئی دہلی میں تھے۔ لیکن اس بات چیت کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔
 نئی دہلی سے واپس آنے کے بعد محاذ رائے شماری کے لیڈروں نے پچاسی انتخابات میں شرکت کرنے کا فیصلہ
 کر لیا اور اس کے ساتھ ہی ۵ مئی کو سربراہی کثیر سپریم کورٹ میں ٹرننگ کیٹی کا جلاس بھی ہوا جس میں ایک
 ”نئی راہ“ تلاش کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس فیصلے کے فوراً بعد ہندوستان کے وزیر داخلہ مسٹر جواہر لال نہرو کو
 رٹیرنگ لائے اور انہوں نے یہاں کثیر کے گورنر اور وزیر اعلیٰ سے محاذ کے بدلے ہوئے رجحان پر صلاح مستورہ کیا۔
 دوسری طرف امریکہ نے نئے سرے سے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کثیر کا تنازعہ طے کروانے کی

کوشش شروع کر دی۔ چنانچہ اس وقت کے امریکی وزیر خارجہ مٹرا جس پہلے نئی دہلی آئے اور پھر راولپنڈی گئے
 لیکن نئی دہلی نے امریکی تجویزیں مسترد کر دیں اور مٹرا جس کا کام واپس چلے گئے۔ اسی اثنا میں محاذ رائے شماری کی
 جنرل کو نسل کا اجلاس سری نگر میں بلایا گیا اور اس میں فیصلہ کیا گیا کہ محاذ جمہوری اداروں کے انتخابات میں حصہ
 لے گا۔ داخلی طور پر یہ ہورہا تھا اور بین الاقوامی سطح پر امریکی وزیر خارجہ کی ناکامی کے بعد روس نے کثیر کا مسئلہ
 حل کروانے کی نئے سرے سے کوشش شروع کی۔ چنانچہ ۲۰ مئی ۱۹۶۹ء کو روسی وزیر عظم مسٹر کوزی گن راولپنڈی گئے
 جہاں انہوں نے کثیر کے مسئلے پر ایک نیا فارمولہ پاکستان کے لیڈروں کو پیش کیا۔ اس فارمولے کی بنیاد ہندوستان
 پاکستان اور افغانستان کے درمیان سرحدوں کو نرم کرنے کی ایک ایسی تجویز تھی جسے پاکستان قبول نہیں کر سکا اور روسی
 وزیر عظم کا رشن ناکام ہو گیا۔ روس کی اس ناکامی کے بعد امریکہ نے پھر سے کثیر کا سوال طے کرنے کے لئے دوڑ دھوپ
 شروع کی۔ ان کوششوں کے سلسلے میں خود امریکی صدر مسٹر شکس بھی ۳۱ جولائی ۱۹۶۹ء کو ایک نیا فارمولہ لیکر نئی دہلی
 آئے اور ہندوستان کی وزیر عظم اور دوسرے لیڈروں کے ساتھ اس پر تفصیل کے ساتھ بات چیت کی لیکن نئی
 دہلی نے نئی امریکی تجویزیں بھی مسترد کر دیں۔ صدر جنرل نئی دہلی کے بعد پاکستان گئے اور وہاں بھی ان تجویزوں پر پاکستان
 کے لیڈروں کے ساتھ تبادلہ خیال کیا۔ لیکن چونکہ ہندوستان ان تجویزوں کو پہلے ہی مسترد کر چکا تھا۔ اس لئے
 پاکستان کی طرف سے انہیں قبول کرنے یا نہ کرنے کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی تھی۔ صدر جنرل کی ناکامی کے
 بعد محاذ رائے شماری نے اپنی نئی دہلی کے قریب جانے کی کوشش نیز کر دی اور حبیب پارٹی کے سرکردہ اراکین کو
 اس کا علم ہوا تو ان میں سے اکثر نے اسکی مخالفت شروع کر دی اور کچھ لوگ مخالفت کے لئے کھلم کھلا میدان میں آ گئے
 جن کی سربراہی منشی محمد سجاد کریم تھے جو پارٹی کے اہم ترین ہونے کے علاوہ دوبارہ اسکے قائم مقام صدر بھی رہ چکے
 تھے۔ انہوں نے سرسنگریں، اگست ۱۹۶۹ء کو ایک پریس کانفرنس منعقد کر کے اس میں دو ٹوک اعلان کر دیا کہ
 محاذ رائے شماری کی قیادت بنیادی موقوف سے بخلوت کر رہی ہے اور وہ ہندوستان کے ساتھ سمجھوتہ کرنا چاہتی
 ہے اس پر شیخ محمد عبداللہ اور مرزا محمد افضل بیگ نے منشی محمد اسحاق اور ان کے ساتھیوں کو غدار اور بے ایمان قرار
 دیا اور انہیں پارٹی سے نکال دیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چونکہ نئی دہلی ابھی کسی داخلی تصفیہ پر پوری طرح

آمادہ نہیں۔ اس لئے محاذ زلے شماری کے لیٹر اعلانیہ طور پر اپنے بنیادی موقف سے ہٹنے کا واضح طور پر اعلان نہیں کرنا چاہتے تھے۔ حاجی محمد اسحاقی کے اس اعلان کے بعد محاذ کی قیادت اپنے موقف سے انحراف کر رہی ہے۔ سرنگر اور وادی کے دوسرے حصوں میں طلباء اور نوجوانوں نے مظاہرے شروع کر دیے۔ سرنگر میں زبردست مظاہرے ہوئے جن میں پختروں، لایٹھوں اور ٹیز گیس کلبے درج استعمال ہوا۔ ان مظاہروں پر قابو پانے کے لئے صادق گورنمنٹ نے دس پچھلے پرنسپلین پر گرفتاریاں عمل میں لائیں اور طاقات کا بھرپور استعمال کیا گیا۔ سرنگر میں اکیسویں طلباء گرفتار کئے گئے اور وادی کے دوسرے حصوں میں گرفتاریوں کی تعداد اس سے بھی بہت زیادہ تھی۔ طلباء کا اکیٹیٹن ساری اادی میں پھیل گیا اور حکومت کو سرنگر کے علاوہ سو پور اور بارہمولہ میں ۲۴ گھنٹے کا کرنیو نافذ کرنا پڑا۔ عوامی غم و غصہ کا اظہار ایک زبردست ہڑتال کے ذریعے کیا گیا۔ عوام اس احتجاج میں شریک ہو گئے اور سرنگر کے علاوہ اسلام آباد، سو پور، بانڈی پورہ، بارہمولہ اور بہت دوارہ میں بڑے بڑے احتجاجی جلسوں کا اہتمام کیا۔

۲۳ اگست ۱۹۶۹ء کو سرنگر میں جو زبردست مظاہرہ ہوا، مسلح پولیس نے اس پر قابو پانے کے لئے طاقات کا بھرپور استعمال کیا، جبکہ دل میں گولی چیلانی گئی جس سے ایک شخص موقع پر ہلاک اور درجنوں زخمی ہو گئے۔ سرنگر کے اندرونی علاقوں میں ۲۴ گھنٹے کا کرنیو نافذ کر دیا گیا۔ لوگ تشدد پر آمادہ تھے۔ زینیکل بازار کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی لیکن صادق حکومت نے اس اکیٹیٹن کو محاذ زلے شماری اور دوسرے لیڈروں کے تعاون سے دبا دیا۔ سو پور میں ۹۶ گھنٹے تک برابر کرنیو نافذ رہا جبکہ سرنگر میں ایک ہفتے تک کرنیو نافذ رہا۔ صورت حال اس قدر بگڑ گئی کہ یکم ستمبر ۱۹۶۹ء کو ہندوستان کی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کو خود سرنگر آنا پڑا۔ انہوں نے سرنگر میں ۴ دن تک قیام کیا اور اپنی پارٹی کے ریاستی لیڈروں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریں جس کی ریاستی کانگریس کے صدر سید میر قاسم نے بھرپور حمایت کی۔ لیکن وزیراعلیٰ غلام محمد صادق اس پر آمادہ نہیں ہو سکے۔ ان ایام میں شیخ محمد عبداللہ نے اپنے آپ کو غیر سیاسی کاموں میں مصروف رکھنے کے لئے درگاہ حضرت علی کی تعمیر نو کا منصوبہ بنایا اور اس کے لئے دوجیبہ جمع کرنے کی ایک مہم شروع کر دی اس کے ساتھ ہی وہ نئی دہلی سے بھی رابطہ قائم رکھے رہے۔ چنانچہ یکم اکتوبر ۱۹۶۹ء کو خان عبدالغفار خان جب نئی دہلی آئے تو شیخ محمد عبداللہ

بھی نئی دہلی گئے اور ان سے کشمیر کے مسئلہ پر تبادلہ خیال کیا، انہیں کشمیر آنے کی دعوت بھی دی گئی لیکن جب بادشاہ خان کو یہ معلوم ہوا کہ کشمیری عوام ان کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے اور یہاں ان کا یہ مقدم نہیں کیا جائے گا تو وہ کشمیر نہیں آئے البتہ خان صاحب نے ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو نئی دہلی میں اخباری نمائندوں کو بیان دیتے ہوئے کہا: ”میں کشمیریوں کے لئے ہندوستان کے اندر اسی قسم کے حق میں ہوں جس قسم کا حق میں پچھانوں کے لئے پاکستان کے اندر چاہتا ہوں۔ تاہم اس بارے میں کشمیری عوام سے بھی پوچھا جانا چاہیے۔“ اس موقع پر خان عبدالغفار خان اور سرنگر کے پکاش نارائن کی مشترکہ کوششوں سے شیخ محمد عبداللہ اور نئی دہلی کے درمیان مصافحت کا ایک تبادلہ پیش کیا گیا۔ اس نئے پلان پر شیخ محمد عبداللہ نے بات چیت کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی اور نئی دہلی نے اس پر سمجیدگی سے غور کرنے کا وعدہ کیا۔ یہ پلان بھی نئی دہلی اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان مصافحت کی تجویزوں پر مبنی تھی اور اس کے لئے کشمیر کے وزیراعلیٰ غلام محمد صادق کی رضامندی بھی حاصل کر لی گئی تھی۔ تاہم وزیراعلیٰ غلام محمد صادق اور سید میر قاسم کے درمیان اس مسئلے پر اخراجات تھے۔ سید میر قاسم

کوئی دہلی کے ایک وسیع حلقے کی حمایت بھی حاصل تھی اور یہ حلقہ غلام محمد صادق کی جگہ سید قاسم کو وزیراعلیٰ بنانا چاہتا تھا لیکن وزیراعظم مسز اندرا گاندھی انتہائی اہتمام کے ساتھ اس میں پس و پیش کرتی رہیں اور اس کی اصل اور حقیقی وجہ بھی کو وہ شیخ محمد عبداللہ سے مخالفت تھیں۔ انہیں یہ غرض تھی کہ اگر شیخ محمد عبداللہ سے مصافحت ہو جائے گی۔ تو وہ دیر پا ثابت نہ ہو سکے گی۔ مسز اندرا گاندھی خود اپنی پارٹی کے اندر بڑے پیمانے پر مخالفت کا سامنا کر رہی تھیں۔ اسی مخالفت کی بنا پر آل انڈیا کانگریس دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ مسز گاندھی کی قیادت میں چلا گیا اور دوسرے حصے پر سرسراجی ڈیپانی اور ان کے ساتھیوں کی سربراہی قائم ہوئی۔ کشمیر کی داخلی صورت حال اور برسرِ طاقت دار کانگریس میں شکست نے محاذ زلے شماری کے لیڈروں کو بڑی حد تک اطمینان سے رہنے دیا لیکن لوگ اس پر خوش نہیں تھے اور ریاست کے وزیراعلیٰ غلام محمد صادق کا موقف بھی نئی دہلی کے بارے میں سخت ہوتا چلا جا رہا تھا۔ ان کے اور سید میر قاسم کے درمیان اختلافات وسیع ہوتے جاتے تھے اور ہندوستان کی وزارت داخلہ سید میر قاسم کی اس صورت پر اہستہ پناہی کر رہی تھی

کہ جب ہندوستان کے وزیر خزانہ مسٹر چوان، صادق قائم جھگڑے کو طے کرنے کے لئے برسرِ کار آئے تو وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق اور مسٹر چوان کے درمیان گئیٹ ہاؤس میں بات چیت کے دوران سخت تکرار ہوئی۔ مسٹر چوان نے غلام محمد صادق سے کہا۔ ”آپ کے اور میرے قائم کے درمیان اختلافات نئی دہلی کے لئے ناقابلِ برداشت ہیں یہ اختلافات تو فی الحال نہیں ہیں۔ اس لئے آپ کو میرے قائم کے ساتھ باعزت سمجھوتہ کر لینا چاہیئے۔“

غلام محمد صادق پہلے ہی خفا تھے۔ مسٹر چوان کی اس ہدایت جو احکامات کے مترادف تھی پر وہ بے قابو ہو گئے اور انہوں نے مسٹر چوان سے کہا۔ ”آپ ہوم منسٹر ہیں ان قانون کے مسئلے پر مجھے سے بات کرنا چاہیں تو میں تیار ہوں۔ پارٹی کے معاملات پر میں آپ سے کوئی بات نہیں کر سکتا۔“ اس پر چوان بھی غصے میں آ گئے اور انہوں نے غلام محمد صادق سے کہا۔ ”آپ ہماری بات مانیں ورنہ آپ کو مستعفی ہو جانا چاہیئے۔“ اس پر غلام محمد صادق کمرے سے چلے گئے اور جب وہ میز میوں سے نیچے آ رہے تھے تو ان کے پاؤں لڑکھڑاہے تھے وہ انتہائی غصہ میں بڑی تیزی کے ساتھ اپنی گاڑی کی طرف بڑھے اور اس میں بیٹھ کر اپنی قیام گاہ کو چلے گئے۔

مسٹر چوان نے اس کے بعد میر تقی میر کے ساتھ قریباً اڑھائی گھنٹے تک بات چیت کی۔ اس کے اگلے دن وہ نئی دہلی روانہ ہو گئے۔ ان دنوں کشمیر میں بڑے پیمانے پر آتش زنی کی وارداتیں بھی ہو رہی تھیں اور شہر بادیہات میں کوئی شخص خود کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔ آتش زنی کی وارداتیں ایک منصوبہ کے تحت ہو رہی تھیں۔ لیکن حکومت اس کی بڑی سختی کے ساتھ پردہ پوشی کر رہی تھی۔ ادھر جب آئی انڈیا کانگریس کے دو حصوں میں بٹ جانے کے بعد مسز اندرا گاندھی اقتدار پر چھا گئیں اور ان کی حمایت سے مسٹر دی وی گری ہندوستان کے نئے صدر منتخب ہو گئے تو شیخ محمد عبداللہ نے ۱۲ جنوری کو نئی دہلی جاکر نئے صدر کے ساتھ کشمیر کے معاملے پر مذاکرات شروع کئے۔

شیخ صاحب نے نئی دہلی میں اپنے قیام کے دوران مسز اندرا گاندھی اور مسٹر وائی بی چوان سے بھی متعدد ملاقاتیں کیں۔ ان ملاقاتوں کے بارے میں مسز احمد فضل بیگم نے یہ کہا۔ ”ہم آنے والے انتخابات کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔“ اور ان کی یہ خواہش ہے کہ انہیں انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دی جائے۔ اس سلسلے میں محاذ رائے شماری کے صدر نے ہندوستان کے چیف الیکشن کمیشنر مسٹر ورما کے ساتھ بھی طویل بات چیت کی۔ محاذ

رائے شماری بیک وقت دو مختلف قسم کے موقف اپنا رہا تھا تاہم لوگوں میں جو یہ تاثر پیدا ہوا تھا کہ محاذ اپنے موقف سے ہٹ رہا ہے۔ اسے دور کرنے کے لئے محاذ کے جنرل سیکریٹری خواجہ غلام محمد شاہ نے ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے واضح الفاظ میں اعلان کیا کہ ”محاذ رائے شماری انتخابات میں اسلئے حصہ لینا چاہتا ہے تاکہ کشمیر کا مسئلہ کشمیری عوام کی مرضی کی مطابق حل ہو سکے۔“ ادھر پاکستان اس ساری صورت حال پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ چنانچہ ۲۹ جنوری ۱۹۶۰ کو پاکستان کے صدر جنرل محمد یحییٰ خان نے ہندوستان کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں انہوں نے ہندوستان سے یہ کہا کہ کشمیر کا تنازعہ اعلانِ تاشقند کی بنیاد پر طے ہو سکتا ہے اور اس کے سوا جو بھی کوشش کی جائے گی۔ پاکستان اسے قبول نہیں کرے گا۔ کشمیر میں محاذ رائے شماری نے انتخابی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔ تو عوام لوگوں نے اس کی کوئی خاص حمایت نہیں کی۔ جب شیخ محمد عبداللہ نے یہ محسوس کیا تو انہوں نے نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس منعقد کی جس میں انہوں نے یہ اعلان کیا۔ ”میں کشمیری عوام کے لئے حق خود اختیاری کے معاملے سے کسی بھی طرح دستبردار نہیں ہو سکتا۔ کشمیری عوام نے اپنا یہ مطالبہ نوانے کے لئے جو قربانیاں دی ہیں۔ ان کے پیش نظر میں ان کے جائز مطالبے کو ترک نہیں کر سکتا۔“ کشمیر میں محاذ کی طرف سے انتخابی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا جنگ بندی سرحد کی دوسری طرف شدید ردِ عمل ہو رہا تھا۔ اور وہاں بلبرین قیاس آرائیاں زور رکھتی جاری تھیں کہ محاذ رائے شماری اپنے موقف سے ہٹ رہا ہے۔ چنانچہ فروری ۱۹۶۰ میں جنگ بندی سرحد پر فوجی اہل و حرکت میں اضافہ ہو گیا۔

اور مسلح جھڑپیں ہونا شروع ہو گئیں۔ اسی دوران آزاد کشمیر کے ذوالحجی خفیہ طور پر سرسبز آئے اور یہاں میزِ اخط منزل میں مولوی محمد فاروق کے ساتھ بات چیت کی اور انہیں ہدایت دی کہ وہ کشمیری عوام کو انتخابی میدان سے الگ رکھنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ مولوی فاروق نے ۲۰ فروری ۱۹۶۰ کو جامع مسجد سری نگر میں ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے انتخابات کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان کر دیا۔ مولوی محمد فاروق کے اس اعلان سے محاذ رائے شماری کی سیاسی پوزیشن کو مزید دھکا لگا۔ مولوی فاروق کے اس اعلان کے صرف ایک دن بعد مسز اندرا گاندھی نے نئی دہلی میں شیخ محمد عبداللہ کو اس وقت نئی دہلی میں کھلے پر مدعو کیا۔ اس

موقع پر شیخ محمد عبداللہ اور سراندرانہ کا ندھی کے درمیان اٹھائی گھنٹے تک بات چیت ہوئی اور دونوں کے درمیان اس بات پر اتفاق رائے ہو گیا کہ پیپل کونونشن کو کسی ٹھوس نتیجے پر پہنچانے کے لئے پہلوتین مسلم کی جماعتیں چنانچہ ہندوستان کی حکومت نے اس تجویز سے بھی اتفاق کر لیا کہ کونونشن کے دوسرے سیشن میں پاکستان میں مقیم کشمیری مندوبین کو سبزی سکرانے کی اجازت دی جائے تاکہ کشمیر پیپل کونونشن کے فیصلے کی ایک خاص سیاسی اہمیت بن سکے۔ اس کے ساتھ ہی محاذ رائے شماری کے جو عہدیدار نظر بند تھے انہیں آہستہ آہستہ رہا کیا جانے لگا۔ مسٹر اندرا کا ندھی بیک وقت اور ایک ہی تیر سے ڈوٹرکار کھیلنا چاہتی تھیں۔ ایک طرف شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ مذاکرات میں انہیں ان کے بنیادی مطالبے سے دستبردار ہونے پر آمادہ کرنے کی کوشش ہو رہی تھی اور دوسری طرف جموں کشمیر اسمبلی میں وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی گئی تھی غلام محمد صادق ساری صورت حال سے باخبر تھے۔ انہوں نے اپنے حقوق کا استعمال کرتے ہوئے اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ عرصے تک کیلئے ملتوی کر دیا۔ جب اسمبلی کا اجلاس ملتوی ہو گیا تو اسی شام وزیر اعلیٰ نے مجھے ٹیلی فون پر بتایا۔ ”اب نئی دہلی کے لئے صرف دو گھنٹے رہ گئے ہیں۔ ایک بیکر مجھے بالکل اسی طرح برطرف کیا جائے جس طرح شیخ محمد عبداللہ کو ۱۹۵۳ء میں کیا گیا تھا اور دوسرے کہ موجودہ اسمبلی توڑ کر وزیر اعلیٰ نافذ کیا جائے۔“ اس کے اگلے دن سراندرانہ کا ندھی نے غلام محمد صادق اور سید میر تقی کو نئی دہلی طلب کیا۔ جہاں شیخ محمد عبداللہ پہلے سے ہی موجود تھے۔ محاذ رائے شماری نے بھی موقع غنیمت سمجھ کر اسمبلی توڑنے کا مطالبہ پیش کر دیا۔ اس مطالبے سے اسمبلی کے ممبران گھبرائے کیونکہ انہیں عوام نے منتخب نہیں کیا تھا اور نہ ہی انہیں اس بات کی نفی کوئی امید تھی کہ وہ دوبارہ منتخب ہو سکیں گے۔ ۳۲ ممبران نے ۱۶ مارچ کو نئی دہلی میں وزیر اعظم مسٹر گاندھی کے ساتھ ملاقات کی۔ ان ممبران اسمبلی کی قیادت سید میر تقی کر رہے تھے۔ ان سب لوگوں نے مسٹر گاندھی کے سامنے جب یہ تجویز پیش کی کہ انہیں وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق کی جگہ نیا پارٹی لیڈر منتخب کرنے کی اجازت دی جائے تو مسٹر گاندھی نے پھرے اجلاس میں ان کی اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ کانگریس کے میٹر عبدالغنی لون جو ان دنوں سید میر تقی کے حامی اور اور ان ۳۲ ممبران اسمبلی میں شامل تھے، نے دہلی سے واپسی پر مجھے بتایا کہ وزیر اعظم مسٹر گاندھی نے ان کے اس مطالبے پر کہ انہیں پارٹی کا نیا لیڈر منتخب کرنے کی اجازت دی جائے۔ ان سب کو سخت بلے عزت کیا اور مسٹر گاندھی کے

کے کہنے پر کہ میں جانتی ہوں کہ تم سب لوگ کس طرح منتخب ہو کر اسمبلی کے ممبر بنے ہو مجلس میں سنا چکا گیا اور صبح شرم سے پانی پانی ہو کر رہ گئے۔ لون صاحب نے مجھے بتایا کہ مسٹر اندرا کا ندھی نے ان سب کو زیر دست جھاڑ پلائی اور کہا کہ ”آپ لوگ کس کی نمائندگی کرتے ہیں۔ آپ میں سے کون ممبر ایسا ہے جو لوگوں کے دلوں سے منتخب ہو کر اسمبلی کا رکن بناسے؟“ آپ لوگ تو ہماری مدد سے ممبر اسمبلی بنے ہیں۔ اس لئے یہ دیکھنا حرام کام ہے کہ کشمیر میں کون وزیر اعلیٰ رہتا ہے۔ آپ لوگ جس طرح سے آئے ہیں اسی طرح واپس چلے جائیں۔“ چنانچہ یہ ۳۲ ممبران اسمبلی مایوس ہو کر واپس لوٹ آئے غلام محمد صادق اور سید میر تقی نے الگ الگ بھی مسٹر گاندھی کے ساتھ ملاقاتیں کیں۔ ان کی واپسی پر جموں میں ۲۸ مارچ ۱۹۶۰ء کو جب دوبارہ ریکیتی اسمبلی کا اجلاس طلب کیا گیا تو اس میں غلام محمد صادق کی قیادت پر اٹھارہ اعتماد اور نئے مالی سال کا بجٹ پاس ہو گیا۔ ان واقعات کے بعد محاذ رائے شماری نے وادی میں پھر لوہا انتخابی سرگرمیاں شروع کر دیں اور لوگوں کو یہ بتایا گیا کہ انتخابات میں حصہ لینا کشمیر کا مسئلہ حل کروانے کی ہی ایک کوشش بھی جائے۔ محاذ کے لیڈروں نے وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق کے ساتھ ملاقاتوں کا سلسلہ بھی شروع کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ بلدیاتی انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان بھی کیا گیا۔ محاذ رائے شماری کے اس اعلان پر سنگریں طلباء اور لوجو والوں نے ایک سیم کا اکیٹیویشن شروع کیا اور توڑ پھوڑ کے واقعات شروع ہو گئے توڑ پھوڑ کے ان واقعات کے بارے میں ایک سرکاری ترجمان نے سری نگر میں اخباری نمائندوں کو بتایا کہ حکومت کو توڑ پھوڑ کی وسیع پیمانے پر کارروائیاں شروع ہونے کی اطلاعات ملی ہیں۔ ترجمان نے انکشاف کیا کہ وادی کے مختلف حصوں میں آتش زنی کی جو وار دہیں ہوئی ہیں ان میں ڈیڑھ ہزار مکان جلانے گئے ہیں اور کئی گاؤں بالکل خاکستر ہو چکے ہیں۔ اسی اثناء میں شیخ محمد عبداللہ جو صرف دس دن قبل نئی دہلی سے سرنگر آئے تھے، ۷ اپریل ۱۹۶۰ء کو پھر نئی دہلی گئے جہاں انہوں نے وزیر اعظم مسٹر گاندھی اور دوسرے لیڈروں سے پھر مذاکرات شروع کئے۔ ان مذاکرات کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ ہندوستان کی حکومت اپنے اس وعدے سے پھر گئی ہے کہ وہ پاکستان یا آزاد کشمیر سے کسی شخص کو پیپل کونونشن کے اگلے اجلاس میں شرکت کیلئے سرنگر آنے کی اجازت دے گی۔ تاہم شیخ محمد عبداللہ نے نئی دہلی سے واپس آکر منسلح ڈوڈہ میں انتخابات کے لئے محاذ رائے شماری کی سرگرمیوں کا آغاز کرتے ہوئے یہ اعلان

کیا کر محاذ رائے شماری کی انتخابات میں شرکت کمیتز کے بنیادی مسئلے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ یہ مسئلہ حق خود
اختیاری کی بنیاد پر حل کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد ۱۳ مئی کو سرنگری میں کشمیر پیپلز کنونشن کی میزبانی کی گئی
یہ مجمعہ محمد عبداللہ کی صدارت میں پھر اجلاس ہوا جس میں کہا گیا کہ کشمیر کی سیاسی صورت حال بگڑ چکی ہے۔ اس لئے موجودہ حکومت کو
برخواست کیا جانا چاہیے۔ اسی دوران ۲۶ مئی ۱۹۶۰ کو شیخ محمد عبداللہ نے مجاہد منزل میں ایک آل پارٹیز کانفرنس بھی طلب
کی جس میں کشمیر کی داخلی صورت حال پر باہمی صلاح مشورہ کیا گیا۔ اس کانفرنس کے بعد بتایا گیا کہ وادی میں آئین کی جو
دراویں ہو رہی ہیں۔ ان میں اب تک ۳۲ وزارت سے زیادہ مکان خاکستر ہو چکے ہیں۔ اس کے ایک ہفتے بعد کشمیر پیپلز کنونشن کا
دوسرا مکمل اجلاس بھی بلایا گیا جس میں مختلف حلقوں کی طرف سے پیش کئے گئے کمیتز کے مسئلے کے مختلف اور متبادل حل
زیور بحث لائے گئے۔ اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے اعلان کیا کہ اس کنونشن کا مقصد کمیتز کے تنازعہ
کا کوئی منصفہ حل تلاش کرنا اور اسے ہندوستان اور پاکستان کے سامنے پیش کرنا ہے۔ کنونشن میں آزاد کشمیر کے
لیڈروں کی طرف سے بھی کئی ایک تحریر پڑھ کر سنائی گئی جس میں ریاست جموں کشمیر کو خود مختار ملک بنانے کی تجویز پیش
کی گئی تھی۔ کنونشن کی کارروائی سے عیاں ہوا تھا کہ کوئی متفقہ حل تلاش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس میں مختلف
خیال کے لوگ شامل تھے۔ ایک خیال کے لوگ کشمیر کی پاکستان میں شمولیت، دوسرے خیال کے لوگ
اسے ہندوستان کا الٹ انگ اور تیسرے خیال کے لوگ اسے خود مختار رکھنے پر زور دیتے رہے۔ کنونشن کے آخری
اجلاس میں یہ کمالات کی تشریح پر اختلافات شدید ہو گئے اور اس میں فلسفیانہ لفظوں کی بنیاد پر پھوٹ پڑ گئی اور
اس طرح مختلف خیال کے لوگوں کے اتفاق رائے سے کشمیر کا کوئی سیاسی حل تلاش کرنے کی یکوشش جسے
کشمیر پیپلز کنونشن کا نام دیا گیا تھا ناکام ہو کر رہ گئی۔ اس کے بعد ۱۳ جولائی کو وزیر عظم ہند مندر لا گاندھی
سرنگری آئیں اور یہاں انہوں نے سرکاری لیڈروں کے ساتھ کشمیر کے داخلی مسائل پر بات چیت کی۔ مندر لا گاندھی
کی آمد کے دوسرے دن سرنگری میں طلباء اور نوجوانوں کا بہت بڑا جلسہ ہوا اور انہوں نے کشمیر میں شہری آزادی
سلب کرنے اور کشمیر کا مسئلہ حل کرنے میں تاخیر کی سخت لاتعداد آمیز مظاہرے کئے۔ پولیس نے بڑی بے دردی کے
ساتھ لاشمی چارج کیا اور ہمت سے طلباء کی مار پیٹ کرنے کے علاوہ درجنوں کو گرفتار کر لیا گیا جس کا مذہبی

نے نئی دہلی واپس جا کر وزیر اعلیٰ اور بعض بڑے سرکاری آفیسروں کو دہلی طلب کیا اور وہاں کشمیر کی داخلی صورت
حال کے بارے میں ایک نئی حکمت عملی اختیار کرنے کا منصوبہ کیا گیا۔

ادھر وادی میں طلباء اور نوجوانوں کا اکیٹیویشن پھیل گیا اور ساری وادی میں اس قانون درہم برہم
ہو گیا۔ اسی دوران ایک سابق وزیر عظم کشمیر غلام محمد نے اپنی پارٹی نیشنل کانفرنس کو توڑ کر کانگریس میں شامل ہوجانے کی
پیش کش بھی کر دی۔ ہندوستان کی پارلیمنٹ میں کچھ نئی تبدیلیاں محسوس کرنے کے بعد شیخ محمد عبداللہ ۱۵ اگست
۱۹۶۰ کو پھر دہلی گئے۔ جہاں انہوں نے انسانی بلڈری نام کے کنونشن میں شمولیت کی۔ اس کنونشن کا اہتمام مسٹر جے پرکاش
نارائن نے کیا تھا اور اس میں تھریر کرتے ہوئے شیخ صاحب نے ہندوستان کے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ مسلم لیگ
کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔ کنونشن میں مسٹر جے پرکاش نارائن کو صدر اور شیخ صاحب کو نائب صدر
بنایا گیا۔ اس کنونشن کا مقصد سکولر طاقتوں کو مضبوط بنانا تھا۔ دوسری طرف کشمیر میں محاذ رائے شماری نے انتخابات
کے لئے تیاریاں شروع کر دیں اور شیخ محمد عبداللہ نے ۲۳ اکتوبر ۱۹۶۰ کو پانچویں اجلاس منعقد کیا، اس
میں انہوں نے عوام سے باقاعدہ اپیل کی کہ وہ آئندہ انتخابات میں محاذ رائے شماری کو ووٹ دیں۔ اس کے
ساتھ ہی مولوی محمد فاروق نے انتخابات کے بائیکاٹ کی ایک مہم سی شروع کر دی۔ بین الاقوامی سطح پر ہندوستان
کی وزیر اعظم مسرگاندھی نے ماسکو میں روسی لیڈروں کے ساتھ کشمیر کے مسئلے پر مشورہ کیا اور پاکستان کے صدر یحییٰ خان
نے واشنگٹن جاکر صدر نجس کے ساتھ اس مسئلے پر بات چیت کی۔ وادی میں محاذ رائے شماری کے ساتھ ساتھ کانگریس
نے بھی انتخابی سرگرمیاں شروع کر دیں اور دونوں پارٹیوں کے لیڈروں نے اپنے اپنے سیاسی جلسوں میں ایک دوسرے
پر زور دار حملے شروع کر دیے۔ کانگریس کے لیڈروں سے یہ کہہ رہے تھے کہ محاذ رائے شماری نے اپنا موقف
بدل لیا ہے اور اسکے لیڈر حق خود ارادیت کے حصول کی بجائے اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں اور محاذ رائے شماری
کے جلسوں میں محاذی لیڈر بار بار عوام کو یہ یقین دلارہے تھے کہ ان کی جدوجہد کا مقصد رائے شماری کو وانا ہے
اقتدار حاصل کرنا نہیں! جب عوام میں بے چینی بڑھنے لگی تو ۱۲ نومبر ۱۹۶۰ کو شیخ محمد عبداللہ پلوامہ گئے
جہاں انہوں نے ایک پبلک جلسہ میں گفتگو کرتے ہوئے کہا — ”میں اگرچہ عسر سربیدہ ہو چکا ہوں۔ لیکن

ایک بات ہمیشہ کے لئے یاد رکھنی چاہیے کہ جب تک میں زندہ ہوں میں حق اور انصاف اور کثیر عوام کے پیدائش حق حق خود ارادیت کے لئے لڑتا رہوں گا۔ اسی جلسہ میں انہوں نے اعلان کیا۔ ”میں درگاہ حضرت بل کی تعمیر کا کام کر رہا ہوں جس کے لئے مجھے ۵ لاکھ روپے چاہیں اور مجھے یہ امید ہے کہ لوگ یہ روپیہ فراہم کریں گے۔“ آنے والے انتخابات کے سلسلے میں نئی دہلی سکرمینڈنٹی چنانچہ اس نے غلام محمد صادق ایک سابق وزیر اعظم بخشی غلام محمد اور سید میر قاسم کے علاوہ تمام ہندوستان نواز لیڈروں کا ایک متحدہ محاذ بنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ دوسری طرف پاکستان میں جنرل یحییٰ خان نے عام انتخابات کروانے جس کے نتیجے میں مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی جیت گئی اور مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کامیاب ہو گئی۔ ان انتخابی نتائج کا کثیر میں کچھ اچھا رد عمل نہیں ہوا اور لوگوں میں یہ تشویش پیدا ہو گئی کہ انتخابی نتائج پاکستان کی تعمیر کا موجب بن جائیں گے۔ صورت حال بڑی تیزی سے بدل رہی تھی اور ریلے برصغیر میں کشیدگی، تذبذب اور بے چینی پھیل رہی تھی۔ اندری اندر کیا ہو رہا تھا یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ اچانک وزیر اعظم ہند کے کثیر آئے کا اعلان کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی انڈین پارلیمنٹ توڑنے اور درمیانی مدت کے چناؤ کی خبریں آنا شروع ہو گئیں۔ وزیر اعظم ہند ۲۲ دسمبر کو ایک فوجی طیارے میں نئی دہلی سے لندن گئیں۔ جہاں ایک دن قیام کے بعد وہ اگلے روز جموں پینچیس۔ جہاں انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں یہ اعلان کیا کہ ”جب تک محاذ رائے شماری اپنا موقف تبدیل نہیں کرتا اسے انتخابات لڑنے کی اجازت نہیں دی جائے گی“ اس اعلان کا محاذ رائے شماری کے لیڈروں میں بڑا مالوس کن رد عمل ہوا اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ ہم حق خود ارادیت کے مطالبے سے دستبردار نہیں ہو سکتے اور ہم نے الیکشن لڑنے کا فیصلہ بھی کیا ہے جس پر ہم قائم ہیں۔ ۲۳ دسمبر کو مسٹر گاندھی سرنگرائیں اور یہاں اعلان کیا۔ ”میں ہندوستان کی وزیر اعظم کی حیثیت سے کہہ رہی ہوں اور یہ سلسلے ہندوستان کی رائے ہے کہ ہم اپنی علاقائی سالمیت کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کریں گے۔ کثیر میں کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ آئین کی وفاداری کا حلف اٹھا کر اسمبلی میں جائیں گے اور اسمبلی میں آئین کو توڑنے کی باتیں کریں گے۔ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔“ انہوں نے یہ بھی کہا کہ محاذ رائے شماری کو انتخابات لڑنے سے روکنے کے لئے جو کچھ بھی کرنا پڑے گا، کیا جائے گا۔ میر گاندھی

کی نئی دہلی میں واپسی پر اعلان کیا گیا کہ ہندوستان کی لوک بھارتی گئی ہے اور اس کے لئے یکم مارچ ۱۹۶۱ کو انتخابات کروائے جائیں گے۔ محاذ رائے شماری نے پارلیمانی انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بتایا گیا کہ محاذ کے صدر مرزا محمد فضل بیگ مبلغ اسلام آباد کی نشست سے، خواجہ مبارک شاہ بارہ پور کی اور خواجہ غلام محمد شاہ سرنگر کی نشست سے انتخاب لڑیں گے۔ شیخ محمد عبداللہ نئی صورت حال پر بات چیت کرنے کیلئے دہلی گئے۔ وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق بیمار تھے اور بمبئی کے ایک ہسپتال میں زیر علاج تھے کہ اسی اثناء میں ۲ جنوری ۱۹۶۱ کو ٹھیک بارہ بجے دو پہر جموں کثیر بینک کی کثیر لو نیورٹی شاخ میں ایک ڈرامائی واردات ہوئی۔ جبکہ لم، وردی پوش مسلح لو جو ان بینک میں داخل ہو گئے اور انہوں نے بینک کا سارا روپیہ اپنی تحویل میں لے لیا۔ وردی پوش بظاہر پولیس انسپروں نے بینک کے منجر سے پتول کی لوک پر ایک لاکھ روپیہ حاصل کیا اور منجر اور خزانچی کو بھی اغوا کر لیا۔ ان دونوں کو بعد میں دو ایک میل سفر کرنے کے بعد چھوڑ دیا گیا اور بینک کوٹھنے والے ۴ وردی پوش جس گاڑی میں آئے تھے اس میں سوار ہو کر فرار ہو گئے۔ بینک کا خزانچی ان وردی پوش لو جو اڑوں میں سے ایک کو پہچان چکا تھا۔ کیونکہ وہ اسکا کالج میں کلاس فیلو رہ چکا تھا۔ شیخ محمد عبداللہ جو نئی دہلی میں تھے، کی ہندوستانی لیڈروں کے ساتھ بات چیت کا جب کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو وہ ۸ جنوری کو واپس سرنگر آنے کے لئے پالم پورانی اڈے پر جہاز میں سوار ہوئے۔ ان کے جہاز میں بیٹھنے کے دس منٹ بعد جہاز کی سرنگر کے لئے پرواز روک لی گئی اور بظاہر اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ جہاز میں ایک بم رکھا گیا ہے۔ بعد میں پراسرار اور معنی خیز طور پر بلا وجہ اڑان منسوخ کر دی گئی اور مسافروں سے کہا گیا کہ وہ اب کل جا سکتے ہیں۔



١٢



مرزا محمد افضل بیگٹ جموں میں تھے اور شیخ صاحب کے داماد خواجہ غلام محمد شاہ نئی دہلی میں تھے۔ جنوری
 ۱۹۶۱ء صبح پانچ بجے شیخ محمد عبداللہ اور غلام محمد شاہ کو این کی رالیش گاہ ۳ کوٹلین پر یہ تحریری حکم پیش
 کیا گیا کہ ریاستی حکومت نے پیپاک سیکورٹی ایکٹ کے تحت ان کے جموں کشمیر کی حدود کے اندر داخلے پر پابندی
 لگا دی ہے۔ اسی روز دہلی کے ریاست کے چیف سیکرٹری مسٹر داوے نے سرنگم میں ایک پریس کانفرنس منعقد کی
 جس میں انہوں نے ان فیصلوں کا اعلان کیا اور بتایا کہ سیکورٹی ایکٹ کے تحت مجازاتے شماری کے تین سو سے
 زیادہ اراکین کو گرفتار کر لیا گیا ہے حالانکہ حقیقت میں گرفتاریوں کی تعداد اس سے تین گنا زیادہ تھی۔ اس کے ساتھ
 ہی ۱۲ جنوری کو نئی دہلی میں وزارت داخلہ کی طرف سے ایک نوٹیفیکیشن جاری کیا گیا جس میں مجازاتے شماری کو خلاف
 قانون جماعت متعارف کر دیا گیا اس پر پابندی لگا دی گئی۔ ۱۸ جنوری ۱۹۶۱ء کو کشمیر کے سپریم کورٹ نے پولیس مسٹر سریندر ناتھ
 کیس میں ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ پولیس نے کشمیر میں "افس" نام کی ایک تنظیم کا سراغ لگایا ہے
 جو افسانہ تنظیم کے ۲۲ سرکردہ ممبروں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ سپریم کورٹ نے بتایا "افس" نے یکم اپریل ۱۹۶۰ء کو نوٹ

میں تفصیل اس کی جو کشن اس پر چکر لگایا تھا اور وہاں سے ۲۷ ہزار روپیہ حاصل کئے تھے پلوآنہ سے حاصل کئے گئے ۲۷ ہزار روپیہ الفتح تنظیم کے پھیلاؤ اور دوسرے مقام پر صرف کئے گئے۔ ان لوگوں نے سرسنگر سے پتھوہیل کے فاصلہ پر بارہویں ایک خفیہ جگہ اپنا سرحد کو اڑھائی قائم کیا اور وہاں سے آزادی کی تحریک چلانے کے لئے مسلح کاروائیوں کا آغاز کیا گیا۔ الفتح کا ہیڈ کوارٹر بارہویں آبادی سے دور ایک مکان میں رکھا گیا۔ اس مکان کی تعمیر پر چاس ہزار روپیہ صرف کئے گئے اور اس کے قریب ہی دس ہزار روپیہ کا ایک فارم خریدا گیا۔ جسے الفتح کی سرگرمیوں کے لئے وقف رکھا گیا۔ الفتح والوں نے مختلف مقامات پر جو جیل سے ہتھیار چھین لینے اور سرسنگر میں میٹل بنیک ان انڈیا کو ٹوٹے کا پودا کر دیا تھا لیکن بعد میں انہوں نے ۲۷ جنوری ۱۹۷۱ء کو بعد دوپہر جیل کشمیر بنیک کی یونیورسٹی شاخ پر چکر لگایا اور وہاں سے ایک لاکھ روپیہ لے گئے۔ اس حملے میں مسلح انسداد کا لیڈر ڈی، ایس، پی کی وردی پہنچے ہوئے تھے۔ جسے بنیک کے خزانچی نے کالج میں کلاس فیلو ہونے کی بنا پر شناخت کر لیا۔ انسپکٹر جنرل پولیس نے اخباری نمائندوں کو اس شخص کا نام فاروق احمد بتایا جو دودری کے ایک سابق ہنگری ممبر علی خواجہ عبدالحق بٹ کا بیٹا ہے۔ اور اُس نے پوچھ گچھ کے دوران الفتح تنظیم کے بارے میں پولیس کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ پولیس اس تنظیم کے ہیڈ کوارٹر کی تلاش کرنے کے لئے بارہو گئی۔ جہاں میڈیکل کوارٹر میں قیام پذیر الفتح کے نوجوانوں اور مسلح پولیس کے درمیان مختصر سی جنگ ہوئی لیکن گولیاؤں سے مستم ہو جانے کی وجہ سے الفتح والوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اور پولیس نے اُن کے ہیڈ کوارٹر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس تنظیم کے باقی ماندہ انسداد کو بھی مختلف مقامات سے گرفتار کر لیا گیا جن کی تعداد اڑھائی سو سے زیادہ تھی۔ اس کے پانچ دن بعد ۲۳ جنوری کو کشمیر کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس پی غلام حسن شاہ نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ ”الفتح تنظیم کا مقصد کشمیر میں آزادی کے لئے گوریلا طرز کی جنگ شروع کرنا تھا۔ گوریلا جنگ کی تربیت کے لئے ایک جنگل میں ایک خفیہ مرکز قائم کیا گیا تھا۔ جہاں پاکستان کا ایک برگیدیہ صفر خان دودھل بشیر احمد اور سرحد علی اور ایک مشہور کشمیری نوجوانوں اور طلبہ کو گوریلا جنگ کی تربیت دے رہے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ پولیس نے اب تک بہت سی دتاویزیں اور فوجی اہمیت کے نقشے ضبط کئے ہیں اور اس کے علاوہ بہت سی الفیلین دتی ہم اور ایک ٹائپ مشین پر قبضہ کر لیا ہے۔“ ڈی آئی، جی نے بتایا کہ ”اس خفیہ تنظیم کے ساتھ کشمیر میں دتاویزیں

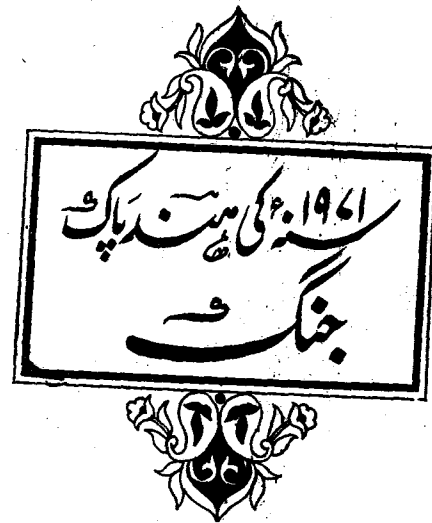
فیلڈین، کمیشنریکٹ مینزلیکٹ اور طلباء کی کچھ دوسری تنظیمیں بھی وابستہ تھیں اور ان کا مقصد کوارٹر اور تربیتی مرکز جو ایک جنگل میں تھا، آپس میں زمین دوز راستے سے ملانے گئے تھے۔ بارہ سو کے مہیڈ کوارٹر سے دریائے جہلم تک ایک ننگی مٹی کی گلی تھی تاکہ بوقت ضرورت کام آسکے۔ الفتح تنظیم میں دو مجسٹریٹ، تین ڈاکٹر اور چھ پرنسپل بھی شامل تھے اور پولیس نے ان سب کو گرفتار کر لیا ہے۔ الفتح تنظیم کے مجسٹریٹ کی گرفتاری کے بعد طلباء اور نوجوانوں کے حوصلے بڑی حد تک لپٹ ہو گئے۔ ایک اندازے کے مطابق محاذ راستے شماری کے علاوہ طلباء اور نوجوانوں کی تنظیمیں کے جن مجسٹریٹ کو گرفتار کیا گیا تھا۔ انکی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہو گئی تھی۔ ان واقعات کے صرف ایک ہفتے بعد ۱۳ جنوری ۱۹۷۱ء کو انڈین آئر لیمز کا ایک نوکریٹ شپ طیارہ گنگا جوہر نگر سے مجبوراً جارا تھا نہایت پر افسوس اور غمناک طریقے پر لاہور لائی جیک کیا گیا۔ نظام بیہوش کیا گیا کہ یہ طیارہ الفتح والوں نے اغوا کر لیا ہے لیکن راستہ کے وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق نے اس لائی جیکنگ پر ایک ڈرامائی بیان دیا۔ انہوں نے اپنے اس بیان میں کہا کہ یہ طیارہ آزادی کا کوئی مجاہد اغوا کر کے نہیں لے گیا ہے بلکہ اسے ہندوستان کے بارڈر سکیورٹی فورس کے ایک تنخواہ دار ملازم ہاشم قریشی نے اغوا کر لیا ہے۔ وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ حکومت کمیشن نے لکھنؤ کی فورس والوں سے کسی بد یہ کہا تھا کہ وہ ہاشم قریشی کو ہمارے حوالے کر دیں کیونکہ اس کی سرگرمیوں کے بارے میں راستی حکومت کے پاس یہ اطلاعات ہیں کہ وہ پاکستان آتا جاتا ہے لیکن لکھنؤ کی فورس والوں نے یہ کہہ کر اسے ہمارے حوالے کرنے سے انکار کر دیا کہ ہاشم قریشی ایک خاص منصوبے کے تحت بارڈر سکیورٹی فورس کے لئے کام کر رہا ہے طیارہ اغوا کر کے والوں نے حکومت پاکستان سے پوچھے بغیر اسے لاہور کے ہوائی اڈے پر نذر آتش کر دیا۔ البتہ لاہور ہوائی اڈے کے حکام نے اس کے ۶۰ مسافروں کو بچا لیا۔ اور انہیں بڑی حفاظت کے ساتھ واپس ہندوستان بھیج دیا۔ بعد میں طیارہ اغوا کرنے والے دونوں اشخاص ہاشم قریشی اور محمد شرف کو پاکستان میں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ اور ان پر پاکستان کے خلاف ایک سازش میں ملوث ہونے کے الزام میں مقدمہ چلا گیا۔ اس واقعہ کے سلسلے میں جب اصل حقائق منظر عام پر آئے تو معلوم ہوا کہ حکومت ہندوستان، مشرقی پاکستان کو الگ کرنے کی تحریک کی جو پشت پناہی کر رہی تھی۔ اس طیارے کا اغوا اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ چنانچہ برٹنگ سے طیارہ اغوا کرنے والے کی بنا پر ہی ہندوستان نے مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ہندوستان کے علاقے پر سے پاکستانی طیاروں

کی پڑا پر پابندی لگا دی۔ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جس دن یہ اغوا کیا جانے والا علیا رہ برنگ کے ہوائی اڈے سے روانہ ہوا، تو ہوائی اڈے پر ہندوستان بارڈر سکورٹی فورس کے ۸ اہلکار اور افسر موجود تھے اور جب کشمیر پولیس کے ایک افسر نے اُن سے اُن کی ہوائی اڈے پر موجودگی کا سبب دریافت کیا۔ تو اُنہوں نے اُسے بتایا۔ ”الفتح قذافی“ جارہے ہیں ہم انہیں ضمانت کرنے آئے ہیں۔ اور اُن کا یہ جملہ اگلے دن ہی دہلی سے شائع ہونے والے ایک انگریزی روزنامہ میں جوں کا توں چھپ گیا۔ اس کے بعد فروری میں ہندوستان کی لوک بھاکہ کے انتخابات کا جملہ آگیا۔ ان انتخابات کے سلسلے میں وادی میں کانگریس کے جوتن امیدوار کھڑے ہوئے تھے۔ اُن میں سے ایک سابق وزیر خزانہ غلام محمد تھے، جو برنگ سے لوک بھاکہ کے لئے کھڑے ہوئے تھے بخشی صاحب کے مقابلے میں ایک آزاد امیدوار شمیم احمد شمیم کھڑا ہوا تھا جس نے کسی نہ کسی طرح شیخ محمد عبداللہ کی حمایت حاصل کر لی۔ چنانچہ شیخ محمد عبداللہ نے نئی دہلی کے کشمیر کے ووٹروں سے براہ راست اپیل کی کہ وہ شمیم صاحب کو کامیاب بنائیں اور اس کے علاوہ شیخ عبداللہ کو برنگ بھیج دیا۔ تاکہ وہ بخشی غلام محمد کی خلاف انتخابی مہم چلا سکیں شیخ عبداللہ نے برنگ کے اکو مولانا مسعودی اور غلام غلام محی الدین قرہ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب کشمیر لوں نے انتخابات میں غیر معمولی دلچسپی لی اور کئی جمہوری ادارے کے لئے لوگوں کی مٹی سے کوئی نمائندہ منتخب ہوا۔ یہ الیکشن اس لحاظ سے تاریخی نوعیت کا تھا کہ لوگنگ کے روز تقریباً ہر لوگنگ بوٹھ پر خواتین اور مردوں کی لمبی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ اور اُس دن اگرچہ برف گر رہی تھی لیکن اس کے باوجود ہزاروں لوگ دوڑنے کے لئے لوگنگ مرکزوں پر پہنچے۔ ان انتخابات میں عوام نے اپنی قوت کا لوہا منوایا اور اس کے نتیجے میں ہندوستان کی وزیر اعظم مسز انڈرا گاندھی کی طرف سے کھڑے کئے گئے امیدوار بخشی غلام محمد کو شکست ہو گئی۔ اور شیخ محمد عبداللہ کی حمایت سے شمیم احمد شمیم الیکشن جیت گئے۔

اُدھر لوک بھاکہ کے انتخابات میں مسز انڈرا گاندھی کو زبردست اکثریت حاصل ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی پاکستان اور ہندوستان میں تناؤ اور جنگ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ پاکستان میں شیخ مجیب الرحمن نے سخت ردِ اختیار کر لیا۔ چنانچہ صدر جنرل محمد یحییٰ خان نے ایک ریڈیو براڈ کاسٹ میں اعلان کیا کہ چونکہ مجیب الرحمن مشرقی پاکستان کو الگ کرنے پر پابند ہیں۔ اس لئے اُن کی جماعت عوامی لیگ کو خلافِ قانون قرار دے دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی پاکستان

کی طرف سے یہ اعلان بھی کیا گیا کہ ہندوستان نے مشرقی پاکستان کی سرحدوں پر فوجی مداخلت شروع کر دی ہے۔ مشرقی پاکستان سے تقریباً ساٹھ لاکھ انسان اور ہجرت کر کے ہندوستان آچکے تھے۔ ہندوستان اور پاکستان میں جنگ کی سی کیفیت کا کشمیر میں نہایت ناخوشگوار ردِ عمل ہوا اور برنگ میں طلباء اور نوجوانوں نے پھر اسی شیشن شروع کر دیا۔ کشمیر میں اندرونی بے صبری اور مشرقی پاکستان میں مداخلت اور اُس کی علیحدگی کی تحریک کے خلاف کشمیری عوام میں غم و غصہ بڑھ گیا۔ چنانچہ قلعے و قلعے کے بعد برنگ اور وادی کے دوسرے حصوں میں مظاہرے اور ٹوٹ پھوٹ کے واقعات رونما ہونے لگے جن کی بنا پر ریزر جنرل انسلا کو گرفتار کیا جاتا مختلف مقامات پر گھروں کی تاشیاں لی جاتیں اور لوگوں کو ڈرایا جھکایا جاتا تھا لیکن صورت حال کسی بھی طرح قابو میں نہیں تھی۔ اور اس پر نئی دہلی کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی۔ اسی دوران کشمیر کے گورنر اور وزیر اعلیٰ کو دو مرتبہ نئی دہلی طلب کیا گیا اور انہیں ہدایت دی گئی کہ کشمیر میں اُن قانون برت راز رکھنے کے لئے ہر ممکن کارروائی کی جائے صورت حال کا مشاہدہ کرنے کیلئے ہندوستان کی وزیر اعظم خود بھی ۱۸ جون ۱۹۷۱ء کو کشمیر آئیں اور یہاں مسلح اسلام آباد اور ضلع بائرنہ کو بھی دورہ کیا۔ وہ سرحدوں پر بھی گئیں جہاں کئی مقامات پر فوجوں سے بھی خطاب کیا گیا۔ نئی دہلی کے لئے واپسی سے پہلے برنگ کے گیسٹ ہاؤس میں ہندوستان کی وزیر اعظم نے ایک پریس کانفرنس منعقد کی اس پریس کانفرنس میں، میں نے مسز گاندھی سے یہ پوچھا کہ کیا وہ موجودہ ہند پاک تناؤ کو کم کرنے کے لئے جنرل یحییٰ خان سے ملاقات کی تجویز قبول کر لیں گی؟ تو مسز گاندھی نے اس خیال کو سر سے ہی مٹا دیا۔ میں نے ہندوستان کی وزیر اعظم سے شیخ محمد عبداللہ کی ریاست میں داخلے پر پابندی ہٹانے اور محاذ راستے شماری کو خلافِ قانون قرار دینے کے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کے بارے میں جب اُن کی لئے دریافت کی تو مسز گاندھی نے اس خیال کو بھی مٹی مٹی سے مٹا دیا۔





ہندوستان اور پاکستان کے درمیان مشرقی پاکستان کے سوال پر شدیدگی اس قدر بڑھ
 گئی کہ دونوں ملکوں کے سفارتی تعلقات ٹوٹ گئے اور مشرق کے ساتھ ساتھ مغرب میں بھی دونوں ملکوں کے
 درمیان پوری سرحد پر سطح جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ برصغیر کی اس صورت حال پر دنیا کے بیشتر ممالک کو تشویش ہوئی
 اور اقوام متحدہ نے بھی کوشش کرنا چاہی لیکن کوئی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوئی۔ ۸ اگست ۱۹۷۱ء کو روس کے وزیر
 خارجہ مرٹیر کو میکو، اعلیٰ فوجی آفیسر دل کا ایک وفد لیکر نئی دہلی آئے۔ جہاں دونوں ممالک میں دوستی کا معاہدہ ہوا
 اور یہ طے پایا کہ روس ہندوستان کی ہر طرح مدد کرے گا۔ اس مجھوتے کی تفصیلات ہندوستان اور روس کے درمیان بہت
 پہلے طے پا چکی تھیں اور مرٹیر کو میکو محض رسمی طور پر اس معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے دہلی آئے تھے کہ غیر میں محاذزائے
 شہری کے جولیڈر جبل سے باہر تھے۔ انہوں نے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ کے حالات پر احتجاج
 کیا تو ان سب کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ جن لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ ان میں مولوہ کے صوفی خمد اکبر بھی شامل تھے ان گرفتاریوں
 کے خلاف اوشیخ محمد عبداللہ کی رہائی کے مطالبے کے حق میں ۱۹ اگست ۱۹۷۱ء کو ساری وادی میں زبردست احتجاجی
 ہڑتال کی گئی اور وادی کے مختلف حصوں میں ہندوستان کی طرف سے مشرقی پاکستان میں مداخلت کی کارروائیوں اور

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی حمایت کرنے کیخلاف مظاہرے بھی کئے گئے تھے۔ برصغیر میں ہوتی اس بے عینی کا بھی دہلی میں شدید رد عمل ہوا اور اس بات پر تشویش کا اظہار کیا گیا کہ جموں کشمیر میں جنگ بندی سرحد پر اقوام متحدہ کے مقررین کی ٹیم کے سربراہ نے سیکرٹری جنرل اوتھانٹ کو بھی اپنے ایک مراسلے میں کشمیر میں برصغیر میں ہوتی بے عینی سے باخبر کیا ہے۔ چنانچہ حالات کا خود مشاہدہ کرنے کے لئے ہندوستان کی وزیراعظم، راجگڑھ کو چھ ہفتے تھیں اور یہاں سکرٹری لیڈرٹن اور فوجی افسروں کے ساتھ طویل صلاح مشورہ کیا جاتا تھا۔ وزیراعظم کی نگرانی میں دہلی کے بعد سرنگار اور دادی کے دوسرے علاقوں میں جگمگاتے مسلح پولیس بٹھادی گئی۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ کو ٹالنے کے لئے شہنشاہ ایران محمد رضا شاہ پہلوی نے مصالحت کی کوشش کی۔ لیکن انہیں اس میں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ ۱۷ ستمبر کو ہندوستان کے وزیر دفاع برٹر جگموت رام سرنگار آئے اور یہاں فوجی کمانڈروں کے ساتھ کشمیر کی داخلی صورت حال کے علاوہ فوجی مسائل پر بھی تبادلہ خیال کیا۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ کے خطرات کے پیش نظر عرب ملک میں زبردست تشویش پیدا ہو گئی۔ چنانچہ صدر سات نے قاہرہ میں متعین ہندوستانی سفیر کو طلب کیا۔ اور انہیں ہندوستان کی وزیراعظم کے نام ایک مراسلہ دیا۔ جس میں ان سے یہ اپیل کی گئی تھی کہ وہ پاکستان کو توڑنے کی حمایت نہ کریں۔

اسی دوران اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل اوتھانٹ نے نئی دہلی اور لاہور کو اپنی آخری مصالحت کی کوشش کی۔ جو ناکام رہی۔ ۳۰ نومبر ۱۹۴۷ء کو کشمیر میں مسلح افواج کو کارروائی کے لئے چوکی کر دیا گیا۔ ۸ نومبر کو پاکستان کے صدر جنرل یحییٰ خان نے کولمبیا براڈ کاسٹنگ کارپوریشن کو ایک انٹرویو میں بتایا کہ اگرچہ ہندوستان نے کسی باقاعدہ جنگ کا اعلان نہیں کیا ہے لیکن دونوں ممالک کے درمیان پوری سرحد پر جنگ ہو رہی ہے۔ اور پاکستان کے علاقے پر حملے ہو رہے ہیں۔ ۹ نومبر کو کشمیر کی جنگ بندی سرحد پر متعین اقوام متحدہ کے مقررین کے سربراہ جنرل ٹسار نے اوتھانٹ کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں انہیں کشمیر کی اندرونی صورت حال اور جنگ بندی سرحد پر مسلح جھڑپوں سے باخبر کر دیا گیا۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی وزیراعظم شریمنی انڈرا گاندھی نے پاکستان سے مطالبہ کیا کہ وہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور دہلی سے اپنی مسلح افواج واپس بلالے۔ اسی دن شام کو اعلان کیا گیا کہ پاکستان کے بے باک طاقتور نے اگر آخر کے ہوائی اڈے کو تباہ کرنے کی کوشش کی جسے ناکام بنا دیا گیا۔ اور اس کے اگلے دن دونوں ملکوں کے درمیان زمینی اور فضائی جنگ

مشرق ہو گئی۔ گو کہ اس کا باقاعدہ اعلان نہیں کیا گیا تھا۔ نئی دہلی میں ایک سرکاری ترجمان نے اعلان کیا کہ ہندوستان نے جوابی کارروائی کے طور پر اسلام آباد، سرگودھا، میانوالی اور کراچی کے ہوائی اڈوں پر بمباری کی ہے۔ ترجمان نے یہ بھی بتایا کہ ہندوستان کی ہوائی فوج نے دھاکہ، چٹا گام اور جیسور پر بھی بمباری کی ہے اور بری فوج ٹینکوں اور توپ خانے کی مدد سے مشرقی کشمیر میں پیش قدمی کر رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی بحری بیڑے کو محکمہ دیا گیا کہ وہ مشرقی پاکستان کی بحری ناکہ بندی کرے اور مغربی پاکستان سے آنے والے ہر بحری جہاز کو تباہ کر دے۔ یا اپنے قبضے میں کر لے۔ ۲۰ دسمبر کو ہندوستان کی حکومت نے بنگلہ دیش بننے سے پہلے ہی اسے باقاعدہ تسلیم کرنے کا اعلان کر دیا۔

ادھر نیو یارک میں جب اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا اجلاس ہوا تو اس میں دو قراردادیں پیش کی گئیں۔ جن میں عالمی ادارے نے ہندوستان اور پاکستان سے اپیل کی تھی کہ وہ جنگ بند کر دیں اور اپنی اپنی مسلح افواج کو تین الٹوی سرحدوں پر واپس لیں۔ لیکن روس نے ان دونوں قراردادوں کو ٹوک دیا۔ جس پر امریکہ نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا ہنگامی اجلاس طلب کرنے کی درخواست پیش کی۔ جنرل اسمبلی کے اجلاس میں ہندوستان کے نمائندے نے برسرِ سرحدیں نے اعلان کیا کہ ہندوستان کوئی ایسی تجویز قبول نہیں کر سکتا جس میں بنگلہ دیش کو تسلیم کر دیا گیا ہو۔ جنرل اسمبلی میں عرب اور دوسرے مسلم ممالک نے ساری صورت حال کے لئے ہندوستان کو ذمہ دار ٹھہرایا اور کہا کہ اوتھانٹ اور دوسرے ممالک نے مصالحت کی جس قدر کوششیں کیں وہ سب ہندوستان نے مسترد کر دیں۔ غاصبوں پر جنگ جاری تھی کہ کشمیر کے وزیراعلیٰ غلام محمد صادق ۱۲ دسمبر ۱۹۴۷ء کو انتقال کر گئے۔ کشمیری عوام صورت حال سے اس قدر بددل تھے کہ ان کی نماز جنازہ میں ان کے رشتہ داروں سیکاری اہلکاروں، کانگریسی کارکنوں اور افسروں کے بواکسی شہرہ نے شرکت نہیں کی۔ اور عین اسی وقت جبکہ برسرِ سرحد کے گول بلاغ میں ان کی نماز جنازہ پڑھی جا رہی تھی برسرِ سرحد میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جٹ طیاروں کی فضائی جنگ بھی ہو رہی تھی۔ غلام محمد صادق کے انتقال پر نئی دہلی نے یہی میز قاسم کو جموں کشمیر کا وزیراعلیٰ مقرر کر دیا۔ ۱۴ دسمبر ۱۹۴۷ء کو برسرِ سرحد کی صورت حال پر غور کرنے کے لئے پھر سلامتی کونسل کا اجلاس ہوا۔ جس میں جنگ بندی اور فوج کی مین الاقوامی سرحد پر واپسی کی ایک قرارداد پھر پیش کی گئی۔ اس قرارداد کو بھی روس نے ٹوک دیا اور اس کے اگلے دن دھاکہ پر لیٹا کر کے ساتھ ساتھ ساتویں امریکی بحری بیڑے ٹکی خلیج بنگال کی طرف پیش قدمی اور شمالی سرحدوں پر بھینی

فوجوں کے بستہ کی اطلاعات آئیں برسرِ نگر کی فضا میں ہر روز ہندوستان اور پاکستان کے درمیان فضا کی جنگ ہوتی رہی اور جنگ بندی سرحد پر بھی لڑائی جاری تھی کہ اگر دیکھ کر کوئی دہلی میں سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ مشرقی پاکستان میں پاکستانی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ اسی شام ہندوستان کی وزیر اعظم نے ریڈیو براؤکاسٹ میں ہندوستانی فوج کو مبارکباد دیتے ہوئے اس بات پر مسرت کا اظہار کیا کہ مشرقی پاکستان جو کہ جنگ و دشمن بن چکا ہے۔ اس لئے ہم نے لڑائی بند کر دی ہے جنگ بندی کے اس اعلان کے سوا گھنٹے بعد پاکستان کے صدر جنرل یحییٰ خان نے مغربی پاکستان کی سرحدوں پر بھی جنگ بندی قبول کرنے کا اعلان کیا۔

اس کے اگلے دن برسرِ نگر میں کشمیر کے گورنر مسٹر بھگوان سہلے کی صدارت میں شہرلوں کا ایک اجلاس ہوا جس میں مولانا مسعودی نے تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ”۱۹۶۵ء میں اور آج ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جو جنگ ہوئی ہے اس کا اصل سبب ان دونوں ملکوں کے درمیان کشمیر کا تنازعہ ہے اور جب تک یہ تنازعہ حل نہیں کیا جاتا ہندوستان اور پاکستان کے درمیان امن قائم نہیں ہو سکتا“

اواخر ۲۰ دسمبر ۱۹۶۱ء کو پاکستان میں جنرل یحییٰ خان کی جگہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو صدر بنائے گئے مسٹر بھٹو نے اقتدار سنبھالتے ہی شیخ مجیب الرحمن کو روک دیا اور انہیں لندن کے لئے ڈھاکہ بھیج دیا گیا جہاں وہ جنگ و دشمن کے پہلے وزیر اعظم بن گئے ان تمام ملاقات کا کشمیر میں بڑا شدید رد عمل ہوا چنانچہ ہندوستان کے حامی لیڈروں اور مگراری ایڈمنسٹریشن کا حوصلہ بڑھانے کے لئے ہندوستان کی وزیر اعظم مسز انڈرا گاندھی ۲۹ دسمبر ۱۹۶۱ء کو پھر کشمیر آئیں اور یہاں مگراری ایڈمنسٹریشن کے لیڈروں سے سیاسی اور انتظامی مسائل پر طویل بات چیت کی۔

۱۹۶۲ء کشمیر کے لئے یہ مصائب لکھ کر آیا امن و قانون کی برقراری کے نام پر شہری آزادیوں پر سنگین پابندی بٹھائی گئے اور کشمیری عوام جو شیخ محمد عبداللہ کی برائی اور اپنے حقوق کی بحالی کا مطالبہ کر رہے تھے کا منہ بند کرنے کے لئے نئے حربے استعمال کئے جانے لگے۔ یہ بدقیاسم جو کشمیر کے وزیر اعلیٰ بن گئے تھے نے سابق وزیر اعظم غلام محمد کو اپنے ساتھ ملا لیا تاکہ راجی اہلی کے آئے والے انتخابات کے لئے عمران کانگریس کی ایک طرف کامیابی کو یقینی بنایا جاسکے۔ بنگال کے قیام کی کوششوں میں ہم ول ادا کرنے پر مسٹر دنگا پراڈھ کو جو ماسکوں میں ہندوستان کے مفیر تھے اور بعد میں حکومت ہند کی فلاح

خارج میں پالیسی پلاننگ کمیٹی کے چیرمین بنائے گئے تھے مرکزی کابینہ میں منہویہ بندی کا وزیر بنا دیا گیا۔ یہ بدقیاسم جو دنگا پراڈھ کی مکمل حمایت حاصل تھی چنانچہ مسٹر بھٹو نے کشمیر میں اپنے حامیوں کو اہم عہدوں پر بحال کر دیا اور ہندوستان کی وزیر اعظم مسز انڈرا گاندھی کو یہ مشورہ دیا کہ کشمیر اہلی کے انتخابات مکمل ہونے تک شیخ محمد عبداللہ کو نئی دہلی ہی میں رکھا جائے اور ان پر کشمیر میں داخلے کی پابندی جاری رکھی جائے۔ انتخابات کے سلسلے میں خود مختار ڈپٹی شہری و حکومتوں میں بٹ گیا اور اس کا اظہار ۲ جنوری کو عید کے دن برسرِ نگر عید گاہ میں ہوا جبکہ محاذ پر شہری کے بعض حامیوں نے مولانا مسعودی اور ان کے بعض رفقاء کو منبر سے گھسیٹ کر نیچے پھینک دیا۔ ان انتخابات کے سوال پر گفتگو کرنے کے لئے خواجہ غلام محی الدین قرہ اور مسٹر مبارک شاہ نئی دہلی گئے۔ اور ان شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ بات چیت کی لیکن یہ بات چیت بے نتیجہ رہی جب مسٹر قرہ واپس آگئے تو حکومت کشمیر نے انہیں اور مولانا مسعودی کو گرفتار کر لیا اور مسٹر عبداللہ جو اپنے خاندان کے پاس نئی دہلی میں مقیم پر ریاست میں داخل ہونے پر پابندی لگا دی گئی اور اس طرح کانگریس پارٹی نے انتخابی میدان کے ان تمام خطرہ کو ٹال دیا جو اسے لاحق تھے۔ برسرِ اقتدار پارٹی کے طاقتور مخالفوں کے گرفتار اور پابند سلاسل ہو جانے کے بعد مولانا خازق اور حاجت الاسلامی والوں کے موقعہ فینیت سمجھ کر الیکشن لڑنے کا اعلان کر دیا لیکن وہ کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اہلی کی ۵ سیٹوں میں سے چھ اسلامی صرف (پانچ) اور مولانا خازق صرف دو سیٹیں حاصل کر سکے اور نئی دہلی میں شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ مذاکرات کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا گیا۔ پہلے حکومت ہند کے کچھ اعلیٰ آفیسروں نے ان سے ملاقاتیں کیں اور انہیں ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق تسلیم کر لینے کی ترغیب دی۔ ان افسروں کے بعد مسٹر ڈی پی، وھرنے شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ دوبار ملاقات کی۔ اور اس کے بعد ہندوستان میں روس کے مفیر شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ ملاقات کی۔ درپردہ ان مذاکرات میں جس نوعیت کی بات چیت ہو رہی تھی اس کا اظہار ۵ فروری ۱۹۶۲ء کو محاذ پر شہری کے صدر مرزا محمد افضل بیگ نے نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس میں کر دیا۔ اس پریس کانفرنس میں بیگ نے اعلان کیا کہ ”ہم جنوں کشمیر کی اندرونی خود مختاری کی بنیاد پر حکومت ہند سے بات چیت کرنے کے لئے تیار ہیں ہم چاہتے ہیں کہ کشمیر کا ہند سے متعلق پائیدار بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ ریاست کے الحاق کا مسئلہ ہمارے لئے اب بے تعلق ہو چکا ہے میں یہ واضح کر دیتا ہوں کہ ہم نے ۱۹۴۷ء کی دستاویز الحاق اور اس کے تمام پہلوؤں کی بھرپور حمایت کی ہے۔ اب ہم اس الحاق کو یقینی اور مستقل

بنانے کے لیے کسی بھی وقت بات چیت کے لیے تیار ہیں۔ بیگ صاحب نے اپنی پریس کانفرنس میں یہ بھی کہا کہ اس کے لیے حکومت ہند اور شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں کمیٹی عوام کے درمیان مذاکرات سے ایک پلان مرتب کیا جاسکتا ہے جس میں ریاست کے لئے اندرونی خود مختاری کا سوال بنیاد پر بات چیت آئین ہند کی دفعہ ۳۲ کی روشنی میں کی جاسکتی ہے۔ بیگ صاحب نے پریس کانفرنس میں بتایا کہ پاکستان کو اس کے اندرونی مسائل حل کرنے کے لئے الگ چھوڑ دینا چاہیے ہم نے شہری کوڑاؤں کے مطالبے پر ہند نہیں ہیں، انہوں نے یہ بھی بتایا کہ میں بہت پہلے خود ہی اپنی پارٹی میں اتحاد رائے شہری کا نام تبدیل کرنے پر غور کر رہا تھا لیکن اب اس معاملے پر دوسرے ممبروں سے بھی صلاح مشورہ کرنا ہوگا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ اس سوال پر میری پارٹی خود مجھ کو ہی جماعت خارج کر دے۔ سزا افضل ریگٹ کے اس بیان کا سختی دہلی میں بلا جبار دھم بھاری سرکاری معلقوں نے لگھا ہر اس پر کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا لیکن یہی معلقوں نے مسٹر ریگٹ کے اس بیان کو ان کی نئی حکمت علی سے تعبیر کیا اور کہا کہ یہ لوگ اعتماد کے قابل نہیں ہیں چنانچہ ہندوستان کے وزیر اطلاعات مسٹر آئی کے گجرال نے نئی دہلی میں اپنی قیام گاہ پر پریس میٹے پر گفتگو کے دوران مجھے بتایا کہ شیخ محمد عبداللہ اور مسٹر ریگٹ جو فیصلہ طاقی سے حال نہیں کر سکتے یہ وہ صلح صفائی اور محبت سے حاصل کرنا چاہتے ہیں ہم یہ نہیں مان سکتے کہ انہوں نے اپنا موقف تبدیل کر لیا ہے البتہ انہوں نے اپنی حکمت عملی تبدیل کر لی ہے لیکن ہمیں یہ یقین نہیں بنایا جاسکتا۔ ۲۸ فروری ۱۹۶۲ء کو امریکی صدر نکسن اور چینی لیڈروں کے درمیان پکنیگ میں بات چیت کے بعد ایک مشترکہ اعلان جاری ہوا جس میں کمیٹی کا مسئلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کرنے پر زور دیا گیا۔ دو بڑی طاقتوں کے اس مشترکہ اعلان کا سختی دہلی میں شدید رد عمل ہوا اور ہندوستانی حکام نے شیخ محمد عبداللہ کو قریب لائے کی کوششیں تیز کر دیں پکنیگ میں جاری کئے گئے اس مشترکہ اعلان کے فوراً بعد مسٹر ڈی پی دھر کو اپنا ٹکٹ ماسکو بھیجا گیا تاکہ وہاں روسی لیڈروں سے اس معاملے پر بات چیت کریں اسی دوران شیخ محمد عبداللہ نے ۸ مارچ ۱۹۶۲ء کو لندن ٹائمز کو ایک انٹرویو دیا جو کئی لحاظ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ انہوں نے انٹرویو میں پہلی مرتبہ یہاں ہندوستان کی حکومت کے ساتھ ہمارا جھگڑا الحاق کے بارے میں نہیں ہے بلکہ اندرونی خود مختاری کے دھبے کے بارے میں ہے کسی کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ ہم ہی تھے جو کمیٹی کو ہندوستان میں لے آئے۔ وزیر کمیٹی بھی ہندوستان کا جھگڑہ نہ ہوتا۔ ماسکو میں کمیٹی کے سوال پر مسٹر ڈی پی دھر اور روسی لیڈروں کی بات چیت کے بعد روسی لیڈروں نے پاکستان کے صدر

مسٹر چھو کو ماسکو آنے کی دعوت دی تاکہ روس ہندوستان اور پاکستان کے درمیان مصالحت کو اس کے برسرِ محبوبین دن تک ماسکو میں رہے اور وہاں ہندوستان کے ساتھ مذاکرات کا پروگرام طے پایا۔ اگر کمیٹی اسمبلی کے یک طرفہ انتخابات میں کانگریس پارٹی کی کامیابی کے بعد سید میر قاسم دوبارہ وزیر اعلیٰ بنائے گئے اور روس کی طرف سے مصالحت کی کوششیں بھی تیز ہو رہی تھیں ایک طرف روس ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تعلقات کو معمول پر لانے کے لئے مذاکرات کو دانا چاہتا تھا اور دوسری طرف شیخ محمد عبداللہ اور نئی دہلی میں بھی مصالحت کی کوشش ہو رہی تھی مسٹر ڈی پی دھر کی ماسکو سے واپسی کے بعد نئی دہلی میں انہوں نے روسی سفیر کے ساتھ دوبار ملاقات کی اور ان کی روسی سفیر کے ساتھ دوسری ملاقات کے دوران بعد یعنی ۲۸ مارچ ۱۹۶۲ء کو روسی سفارت خانے کا فسطحہ سکرٹری شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ ملاقات کرنے ان کی قیام گاہ کو ٹولین گیا۔ یہ ملاقات تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہی اسی شام روسی سفیر نے سرنگاندگی کے ساتھ نصف گھنٹے تک ملاقات کی۔ اس کے اگلے دن ۲۹ مارچ ۱۹۶۲ء کو ہندوستان کی وزیر اعظم نے لوک سبھا میں اعلان کیا کہ ہم مجاؤں نے شہری کے لیڈروں کے نظریات میں تبدیلی کا خیر مقدم کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے اب ہندوستان کے ساتھ کمیٹی کا الحاق تسلیم کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی ہے۔ سرنگاندگی کی روسی سفیر سے ملاقات کے بعد ۳۰ مارچ ۱۹۶۲ء کو ہندوستان کے وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ کو ماسکو بھیجا گیا جہاں انہوں نے کمیٹی اور دیگر غیر کے معاملات پر روسی لیڈروں کے ساتھ بات چیت کی مقررہ سرورن سنگھ کی روس سے واپسی کے ساتھ ہی نئی دہلی نے سید میر قاسم کو ہدایت دی کہ وہ کمیٹی میں سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیں چنانچہ ریاستی حکومت نے یکم اپریل ۱۹۶۲ء کو اعلان کیا کہ اس نے بیگ عبداللہ پر عائد کی گئی پابندی ہٹا لی ہے اور اس کے ساتھ ہی مولانا مسعودی، مسٹر ستہ اور بعض دوسرے سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا گیا سید میر قاسم کو یہ بھی ہدایت دی گئی کہ کمیٹی میں کسی سیاسی صورت حال سے نمٹنے کے لئے وہ ایک سابق وزیر اعظم غلام غشی غلام محمد کے ساتھ اتحاد کر لیں چنانچہ سید میر قاسم اور غشی غلام محمد کے درمیان ایک طویل ملاقات کے بعد ۴ اپریل ۱۹۶۲ء کو غشی غلام محمد نے اپنی پارٹی نیشنل کانفرنس کو ختم کرنے اور کانگریس میں باقاعدہ شامل ہونے کا اعلان کر دیا۔

بیگ پارتھاسارتھی ہذاکرات اور شلمہ سمجھوتہ

سردار سورن سنگھ کی اسکو سے واپسی کے اگلے دن ۱۸ اپریل ۱۹۶۲ء کو مسز گاندھی نے رسمی طور پر
 میٹر بھٹو کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں ہندوستان نے دونوں ملکوں کے درمیان اعلیٰ سطح پر بات چیت کی تجویز
 پیش کی جسے میٹر بھٹو نے قبول کر لیا۔ بات چیت کا ایجنڈا اور دوسرے امور طے کرنے کے لئے مسز گاندھی نے
 میٹر ڈی پی دھر کی قیادت میں ۱۶ افسروں کا ایک وفد اسلام آباد بھیجا جس نے مرمی میں دو دن تک پاکستانی
 افسروں کے ساتھ بات چیت کے بعد ایجنڈا اور دوسرے امور طے کر لئے۔ ایک طرف پاکستان کے ساتھ مذاکرات
 کرنے کا اہتمام کیا جا رہا تھا اور دوسری طرف شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ بھی بات چیت ہو رہی تھی۔ چنانچہ مرزا
 محمد افضل بیگ پر ریاست میں داخلے کی پابندی اٹھائی گئی اور وہ جسٹس آگئے۔ جہاں انہوں نے وزیر اعلیٰ
 سید میر قاسم کے ساتھ اڑھائی گھنٹے تک ملاقات کی۔ اس ملاقات کے بعد میٹر بیگ نے یو، این، آئی کو بتایا کہ —
 ”اب ہندوستان سے کشمیر کے الحاق کا مسئلہ کوئی متنازعہ مسئلہ نہیں رہا۔ اب صرف یہ سوال طے کرنا ہے کہ کشمیر کو
 کس حد تک داخلی خود مختاری دی جائے گی؟“

میٹر ڈی پی دھر ایجنڈا اور دوسرے امور طے کرنے کے بعد ۲۲ مئی ۱۹۶۲ء کو واپس نئی دہلی آ گئے

سرٹریڈ پی دھرنے پاکستان سے نئی دہلی واپس آنے پر بتایا کہ انہوں نے دونوں ملکوں کی چوٹی کا نفرنس کے لئے سرٹریڈ کا مقام تجویز کیا تھا۔ لیکن پاکستان نے یہ تجویز مسترد کر دی۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ پاکستان کشمیر پر بات چیت کے لئے اصرار کر رہا ہے اور ہم نے اس پر بات چیت کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کر دی ہے۔ اسلام آباد واپسی کے بعد سرٹریڈ پی دھرنے ایک سرٹریڈ میگزین آئے اور یہاں سید میر تقی میر کے ساتھ طویل بات چیت کی۔ سرٹریڈ دھرنے سے بات چیت کرنے کے بعد سید میر تقی میر نے مجھے ایک ملاقات کے دوران بتایا کہ کشمیر میں تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے۔ جس میں انہیں یعنی سید میر تقی میر کو سب سے زیادہ اہم رسوم ادا کرنا ہوگا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ میں نے نئے حالات سے اپنے ساتھیوں کو بھی آگاہ کر دیا ہے۔ مئی کو مرزا محمد افضل بیگ سری نگر آئے اور یہاں انہوں نے عوام کے تیور دیکھ کر غنائیہ کے ایک عوامی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے لوگوں سے کہا ”کشمیری بھی بکریوں کا ریوڑ نہیں ہیں کہ انہیں بانٹ لیا جائے۔ ہم ہندوستان اور پاکستان کے درمیان چوٹی کا نفرنس کی کامیابی چاہتے ہیں۔ تاکہ سری نگر اور لہندہ شاہراہ کھولی جاسکے۔“ ۱۹ جون ۱۹۶۲ء کو شیخ محمد عبداللہ پر کشمیر میں داخلے کی پابندی اٹھائی گئی۔ تاہم وہ فوراً سری نگر نہیں آئے بلکہ نئی دہلی میں ہی ٹھہرے رہے۔ پابندی اٹھانے جانے کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے نئی دہلی میں یو این آئی کو ایک منٹرو دیو دیا۔ جس میں انہوں نے دو متفاو باتیں بیان کیں۔ ایک طرف انہوں نے یہ کہا کہ ”ہندوستان اور کشمیر کے درمیان تعلقات کی بنیاد آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰ ہے۔ ہمارا ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے بارے میں اصل جھگڑا اخلاق پر نہیں۔“ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ”اگر ہندوستان اور پاکستان امن سے رہنا چاہتے ہیں تو انہیں کشمیر کا مسئلہ طے کر لینا چاہیئے۔ اس برصغیر میں پائیدار امن کی یہ واحد صورت ہے۔“ ۱۲ جون ۱۹۶۲ء کو شیخ محمد عبداللہ نے نئی دہلی میں ہندوستان کی وزیر اعظم سرٹریڈ پی دھرنے کے ساتھ ایک گھنٹہ تک ملاقات کی اور اس کے بعد انہوں نے اعلان کیا کہ وہ ۱۹ جون کو سری نگر آئیں گے۔ مرزا محمد افضل بیگ بھی دہلی پہنچ چکے تھے اور شیخ صاحب کی سرٹریڈ پی دھرنے سے ملاقات کے بعد یہ انکشاف کیا گیا کہ دونوں لیڈر اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ وہ کشمیر اور نئی دہلی کے درمیان تصفیہ کر دینے

کے لئے آئینی مسئلوں پر بات چیت شروع کریں گے۔ اور اس بات چیت کے لئے سرٹریڈ پی دھرنے نے جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی کے وائس چانسلر سرٹریڈ پی دھرنے کو نامزد کیا اور شیخ محمد عبداللہ نے سرٹریڈ کو بات چیت کا اختیار دیا۔ چنانچہ بیگ پارٹھاسارثی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان واقعات کا کشمیری عوام میں بڑا شدید اور بالواس کُن رد عمل ہوا۔ چنانچہ اس بددلی کو دور کرنے کے لئے عا ذرائے شہری کے لیڈروں کی طرف سے متضاد قسم کے بیانات دیئے جانے لگے۔ جب کشمیری عوام میں تشویش پھیلنے لگی تو سرٹریڈ کو فوراً سری نگر بھیجا گیا اور انہوں نے ۱۹ جون کو درگاہ حضرت بل میں صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کہ لوگ مفاد پرست عناصر کے گمراہ کُن پردہ بانڈے میں نہ آئیں اور یہ یقین رکھیں کہ سرداری عوام کا حق ہے۔ اس لئے جو کچھ بھی ہوگا۔ کشمیری عوام کی رائے ہی کے مطابق ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی سرٹریڈ پارٹھاسارثی بھی سری نگر آئے اور یہاں صورت حال کا جائزہ لیا۔ اور مرزا محمد افضل بیگ سے ایکٹ گھنٹہ تک ملاقات کی۔ ۱۹ جون ۱۹۶۲ء کو شیخ محمد عبداللہ سری نگر آئے اور انہوں نے ہوائی اڈے پر عوام میں پھیلی ہوئی تشویش کا ازالہ کرنے کے لئے اخباری نمائندوں کو یہ بیان دیا کہ کشمیر کے بارے میں فیصلہ کوئی تصفیہ عوام کی آزادانہ رائے کے مطابق ہی ہوگا اور کوئی بات لوگوں پر نہیں ٹھونی جائے گی۔ وزیر اعظم شری نی اندرا گاندھی سے میری جو ملاقات ہوئی ہے اس میں ہم اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ کشمیر اور ہندوستان کے تعلقات میں ماضی کی لہجوں کو بھول کر ایک نیا باب شروع کریں گے اور یہ کوشش کی جائے گی کہ جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ ان کو دور کرنے کے لئے ایک باعزت راستہ تلاش کیا جائے۔ یاد رہے کہ نئی دہلی اور کشمیر کے درمیان تعلقات میں غلط فہمیاں پیدا ہونے کا جملہ شیخ صاحب نے پہلی بار استعمال کیا۔ جبکہ اس سے پہلے ۲۲ برس تک ان کا موقف بالکل واضح رہا کہ کشمیر ہندوستان زبردستی قابض ہے۔ ہوائی اڈے پر انہوں نے دوسری بہت سی باتوں کے علاوہ سوالات کے جواب میں یہ بھی کہا کہ ”اگر مستقبل میں پاکستان کا وجود قائم نہ بھی رہے تب بھی ہمارا مسئلہ باقی رہے گا۔ البتہ ہندوستان اور پاکستان کشمیر کے بارے میں اپنا اپنا موقف رکھتے ہیں۔ اس پر بات چیت کرنا ان کا کام ہے۔“ اس کے اگلے دن انہوں نے حضور ی باغ میں ایک پبلک جلسے میں یہ اعلان

کیا کہ کشمیری عوام کی عزت و آبرو اور ان کے جائز حقوق کے لئے میں آخری دم تک لڑوں گا اور ہم بنیادی مسئلے پر کوئی سودے بازی نہیں کریں گے۔ ہم نے یہ عہد کر لیا ہے کہ ہم اپنی تقدیر بدل دیں گے یا خود مر جائیں گے۔ میں ایک مسلمان ہوں اور میں نے یہ سارا معاملہ اللہ کے سپرد کر رکھا ہے۔ حکومت ہند کو اگر کچھ کرنا ہے تو اسے ۱۹۴۷ء کی بنیاد پر واپس جانا ہوگا۔ پھر بھی معاملہ اسی پر ختم نہیں ہوگا۔ ہمارا ایک حصہ ہم سے الگ ہے۔ ہماری تجارت کا حقیقی راستہ بند ہے۔ مسز گاندھی برصغیر میں پائیدار امن چاہتی ہیں۔ اس لئے انہیں اور مجھے پاکستان سے بھی بات کرنا ہوگی تاکہ سب کچھ پائیدار بنیادوں پر طے ہو سکے۔ یہاں کچھ لوگ یہ نعرہ لگا رہے ہیں کہ پاکستان اس مسئلے کا ایک فریق ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ پاکستان نے اپنے فریق ہونے کا دکالت نامہ یہاں کس کو دیا ہے۔ اگر پاکستان میں طاقت ہے تو وہ اپنی یہ پوزیشن منوا سکتا ہے۔ میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی آزادی کے لئے پاکستان اور چین کی طرف مت دیکھو۔ یہ ملک ہمارا ہے اور اس کے فیصلے صرف ہم کر سکتے ہیں۔

شملہ مذاکرات

۲۸ جون ۱۹۴۷ء کو شملہ میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان سربراہ کانفرنس شروع ہو گئی جس میں مسز اندرا گاندھی اور مسز ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان مذاکرات کے بعد شملہ سمجھوتے طے پایا اور شملہ سمجھوتے میں پاکستان کے کشمیر کے تنازعے میں اپنے فریق ہونے کی پوزیشن منوالی اور دونوں ملکوں کے درمیان چھ لنکاتی سمجھوتہ ہوا اس میں یہ طے پایا کہ ہندوستان اور پاکستان جسٹوں کشمیر کے تنازعے کا دائمی حل تلاش کرنے کے لئے طاقت کا استعمال کرنے کی بجائے بات چیت کے ذریعے کسی تصفیہ پر پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح ہندوستان نے پھر ایک بار ایک بین الاقوامی اقرار نامے کے ذریعے کشمیر کو ایک متنازعہ مسئلہ تسلیم کر لیا اور اس

پر ہندوستان میں انتہا پسند طبقے نے اظہارِ ناراضگی کے طور پر مسز اندرا گاندھی کی شملہ سے نئی دہلی واپسی پر ان کے خلاف سیاہ جھنڈیوں سے مظاہرے کئے شملہ سمجھوتے پر کشمیری عوام کا ردِ عمل مبالغہ تھا۔ شیخ محمد عبداللہ نے شملہ سمجھوتے کے خلاف اپنا ردِ عمل ۴ جولائی ۱۹۴۷ء کو سو پور عید گاہ میں اپنی تقریر میں ظاہر کیا اور کہا کہ مسز گاندھی اور مسز بھٹو کو کوئی اخلاقی یا قانونی حق نہیں پہنچتا کہ وہ کشمیر کے مل طلب مسئلے کا تصفیہ کشمیری عوام کی مرضی کے بغیر ہی کر لیں۔ یہاں کے لوگ ۴۰ برس سے حق خود ارادیت کی جو جدوجہد کر رہے ہیں۔ اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ شیخ محمد عبداللہ نے کہا کہ حال ہی میں جب ہندوستانی لیڈروں نے مجھ سے یہ پوچھا کہ کشمیری مسلمان ہندوستان کے کیوں خلاف ہیں؟ تو میں نے ان کو بتا دیا کہ آپ لوگ کشمیری عوام کے حق خود ارادیت کی حمایت سے منحرف ہو گئے ہیں اور یکطرفہ طور پر اٹوٹ الحاق کی رٹ لگا کر لوگوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا چکے ہیں۔ جب کہ پاکستان یہاں تک کہ چین نے بھی کشمیریوں کے حق خود ارادیت کی حمایت کر کے یہاں کے لوگوں کے دل جیت لئے ہیں۔ اگر ہندوستان بھی کشمیری عوام کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے بھی ان کے حق خود ارادیت کو تسلیم کرنا چاہیئے۔ بعد میں ۸ جولائی ۱۹۴۷ء کو شیخ صاحب نے مسز اندرا گاندھی کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں ان سے یہ کہا گیا کہ کشمیر کے تنازعے پر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ہونے والی بات چیت میں کشمیری لیڈروں کو بھی شامل کیا جانا چاہیئے۔ ۱۵ جولائی ۱۹۴۷ء کو صبح سویرے کشمیر کے ایک سابق وزیرِ اعظم بخشی غلام محمد مل بسے۔ ان کی موت پر شیخ محمد عبداللہ نے اپنے حایوں کو ہدایت دی کہ وہ ان کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہوں اور وہ خود بھی شریک نہیں ہوئے، اسی دوران ریاستی حکومت نے کشمیر میں وادی میں بلدیاتی انتخابات کروانے کے پروگرام کا اعلان کر دیا اور ممنوعہ محاذ رائے شماری جس پر کہ پابندی تھی اور عوامی ایکشن کمیٹی جس کے سربراہ مولانا فاروق تھے نے انتخابات لڑنے کا اعلان کر دیا لیکن جمہوریت کی سنگم روایات کے مطابق مختلف خیال اور مختلف پارٹیوں کے امیدواروں کو منتخب کرنے کا فیصلہ عوام پر چھوڑنے کی بجائے ہوا یہ کہ ممنوعہ محاذ اور عوامی ایکشن کمیٹی کے مولوی فاروق کے درمیان ایک ایسا انتخابی

سمجھوتہ طے کیا گیا جس کے مطابق شیخ صاحب اور مولانا فاروق نے میونسپل کونسل کی ۲۸ نشستوں کے لئے مشترکہ امیدواروں کی ایک فہرست جاری کر دی اور جو لوگ اس کے علاوہ انتخابات میں کھڑے ہوئے تھے انہیں انتخابی مقابلے سے دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ چنانچہ اس طرز عمل کے مطابق میونسپل انتخابات میں بلا مقابلہ کامیابی کی دیرینہ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ان تمام امیدواروں کو بلا مقابلہ کامیاب کروایا گیا جنہیں شخصاً اور مولانا فاروق نے ایک مشترکہ فہرست کے ذریعے نامزد کیا تھا۔

۱۱ نومبر ۱۹۶۲ء کو عید الفطر کے موقع پر وزیر اعلیٰ سید میر قاسم نے ایک دعوت عصر ادا کا اہتمام کیا جس میں شیخ محمد عبداللہ اور مسٹر بیگ کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ چنانچہ ۱۹۵۳ء کے بعد دونوں لیڈر پہلی مرتبہ ایک سرکاری دعوت میں شامل ہوئے اور اس کے بعد ۱۳ نومبر ۱۹۶۲ء کو شیخ محمد عبداللہ مسٹر گاندھی اور دوسرے لیڈروں سے بات چیت کرنے پھر دہلی گئے اور اس دوران بیگ پارٹیاں سارنقی ملاقاتوں اور مذاکرات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ بیگ پارٹیاں سارنقی مذاکرات کا سلسلہ اس قدر طویل رہا کہ یہ ملاقاتیں عوام کے نزدیک ایک مذاق بن کر رہ گئیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ عوام میں ان ملاقاتوں کے متعلق شکوک و شبہات بڑھتے گئے۔ نئی دہلی میں شیخ محمد عبداللہ تقریباً دو ہفتے تک قیام کے بعد ۳۰ نومبر ۱۹۶۲ء کو واپس سرسنگر آ گئے۔ ان کی سرنگری میں آمد کے فوراً بعد کشمیر کے وزیر اعلیٰ سید میر قاسم کو نئی دہلی طلب کیا گیا۔ جہاں انہیں شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ گفتگو سے آگاہ کیا گیا۔ بعد میں سری نگر میں تقریباً ایک ماہ تک قیام کرنے کے بعد شیخ محمد عبداللہ ۲۰ دسمبر ۱۹۶۲ء کو پھر نئی دہلی گئے۔ نئی دہلی کے ساتھ ان کے مذاکرات کے بارے میں وہ اپنے قیام کشمیر کے دوران بار بار کشمیری عوام کو یقین دلاتے رہے کہ وہ کشمیر کے مسئلے پر کوئی سودے بازی نہیں کریں گے اور اگر نئی دہلی کے ساتھ کوئی بات طے بھی ہوئی تو اسے سب سے پہلے کشمیری عوام کے سامنے رکھا جائے گا اور کشمیری عوام کی پیٹھ پیچھے کسی بھی قیمت پر کوئی بات طے نہیں کی جائے گی۔ اس دوران بیگ پارٹیاں سارنقی بات چیت بھی جاری تھی کہ ۱۱ جنوری ۱۹۶۳ء کو حکومت ہندوستان نے محاذ رائے شماری پر پابندی ہٹائی اور اس کے لگے دن محاذ کے جنرل

سیکریٹری خواجہ غلام محمد شاہ جو شیخ صاحب کے داماد بھی ہیں محاذ سے پراسرار طور پر استعفیٰ ہو گئے اور نیہسریں آنا شروع ہو گئیں کہ وہ کانگریس میں شامل ہو کر ریاستی کابینہ میں ایک وزیر کی حیثیت سے شمولیت کرنے والے ہیں اس کے ایک ہفتے بعد ۱۸ جنوری کو عید الفطر کے روز سرسنگر اور اسلام آباد میں مولوی فاروق اور مرزا محمد افضل بیگ کے خلاف زبردست مظاہرے ہوئے۔ مسٹر بیگ جب نماز ادا کرنے کے لئے اسلام آباد کی جامع مسجد میں گئے اور وہاں تقریر کرنا چاہی تو لوگوں نے ان کے خلاف مخالفانہ فریے بلند کئے جس پر وہ تقریر کئے بغیر ہی اں سے چل دیئے۔ یہی حالت سرسنگر کی جامع مسجد میں مولوی فاروق کے خلاف نمودار ہوئی۔ شیخ محمد عبداللہ نے جونئی دہلی میں تھے۔ ہندوستانی لیڈروں کے ساتھ بات چیت کے بعد ۲۲ جنوری کو پریس ٹرسٹ آف انڈیا کو اپنی بات چیت کے بارے میں ایک انٹرویو میں بتایا کہ ”میں ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کی حقیقت کو اب پہنچ نہیں کرتا لیکن کشمیر کے مرکز کے ساتھ تعلقات دشمنانہ اور دھوکے ۳۰ کے مطابق ہونے چاہئیں۔ اس پر وادی میں زبردست بے چینی پھیلی اور جب اسن و قانون کا مسئلہ کھڑا ہو گیا تو وزیر اعلیٰ سید میر قاسم فوراً جموں سے سرسنگر آئے اور حکام کو یہ ہدایت دی کہ وہ ہر قسم کا ایجنڈا شیخ نعتی کے ساتھ دبا دیں۔ لوگوں کی طرف سے محاذ رائے شماری کے لیڈروں پر الزام لگایا گیا کہ وہ اپنے بنیادی موقف سے انحراف کر رہے ہیں۔ چنانچہ ۳۰ جنوری کو پلوامہ میں محاذ کے ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے مرزا محمد افضل بیگ نے اپنے بنیادی موقف سے منحرف ہو جانے کی یہ تشریح بیان کی کہ ”میدان جنگ میں ہم نے ایک محاذ پر ناقابل عبور مشکلات کے پیش نظر لڑائی کو دوسری جگہ منتقل کیا ہے اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ ہم نے شکست تسلیم کی ہے، البتہ ہم نے اپنی حکمت عملی تبدیل کر لی ہے۔“ مسٹر بیگ نے مخالفت کا بڑھتا ہوا زور دیکھ کر یکم فروری کو مجاہد منزل میں ایک اجلاس طلب کیا جس میں انہوں نے اعلان کیا ”ہمیں اقتدار کی ہوس یا آرزو نہیں! اور ہم پر محاذ پرست عناصر غلط الزامات عائد کر رہے ہیں۔“ اس پر محاذ رائے شماری کے ایک حصے نے مسٹر بیگ سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ محاذ کی قیادت سے دستبردار ہو جائیں لیکن یہ مطالبہ تحریک کی شکل اختیار نہیں کر سکا۔ البتہ محاذ کے ایک حصے نے

جس کی قیادت حکیم جواد کر رہے تھے، یہ اعلان کیا کہ وہ عدالت سے رجوع کر رہے ہیں تاکہ مسٹر بیگ کو مجاز دینے
شمار کی آئین کی خلاف ورزی کرنے پر انہیں مجاز کا نام اور اس کا اثاثہ استعمال کرنے سے روکا جاسکے
دوسری طرف پاکستان نے سرکاری طور پر یہ اعلان کر دیا کہ شیخ محمد عبداللہ اور نئی دہلی کے درمیان
جوابات چیت ہو رہی ہے اس میں پاکستان کو بھی شامل کیا جائے کیونکہ وہ اس مسئلے کا اہم فریق ہے اور
اس کی شمولیت کے بغیر یہ بات چیت بنیادی مسئلے کو حل نہیں کر سکے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ کشمیر میں مجاز
رانے شماری کے حامیوں میں زبردست غم و غصہ پھیل گیا اور پارٹی کا تنظیمی ڈھانچہ عملاً درہم برہم ہو گیا اس
تشنہ ناک صورت حال کے پیش نظر مسٹر بیگ نے شیخ محمد عبداللہ کو نئی دہلی میں تھے کے ساتھ ٹیلی فون
پر بات چیت کی اور انہیں فوراً کشمیر آنے کے لئے کہا۔ حکومت ہندوستان نے بھی مسٹر درگا پرشاد دھر
کو صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے سرسنگر بھیجا۔ مسٹر دھر ۱۹ مارچ ۱۹۴۷ء کو سری نگر آئے اور یہاں تین
دن تک مختلف لوگوں سے حالات معلوم کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر کرن سنگھ بھی کشمیر آئے
اور انہوں نے بھی حالات کا جائزہ لیا البتہ مسٹر ڈی پی دھر اور ڈاکٹر کرن سنگھ نے ہندوستان کی وزیر اعظم
مسز گاندھی کو مختلف اور متضاد اطلاعات فراہم کیں۔

کشمیر میں صورت حال بگڑتی چلی جا رہی تھی جس کے پیش نظر شیخ محمد عبداللہ ۱۷ اپریل ۱۹۴۷ء کو نئی دہلی
سے جوں ہوتے ہوئے سری نگر پہنچے۔ سری نگر میں ۱۰ اپریل ۱۹۴۷ء کو انہوں نے مجاہد منزل میں مجاز کے
کارکنوں اور عوام کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے لوگوں کو یقین دلایا کہ وہ پریشان نہ ہوں اور ان باتوں کا
یقین نہ کریں کہ وہ نئی دہلی کے ساتھ کوئی سودے بازی کر رہے ہیں، اپنی تقریر میں انہوں نے کہا: ”میری چالیس
سالہ سیاسی زندگی آپ کے سامنے ہے۔ میں نے ساری عمر آپ کی عزت اور آزادی کے لئے جدوجہد کی اب میں
ایک ڈو جتا ہوا سورج ہوں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس عمر میں آپ کی آزادی کا سودا کروں۔ مجھے صدائیں اور
دنائیں پیش کی گئیں۔ اگر میں صدر بننا چاہتا تو پاکستان کا صدر بن سکتا تھا اور یہاں کا وزیر اعظم تو تھا ہی اہم نے

یہ عہد کر رکھا ہے کہ کشمیر کی تقدیر کا فیصلہ صرف کشمیری عوام ہی کر سکتے ہیں اور کوئی دوسرا نہیں اور دوسری
طرف بیگ پارٹیاں سارے مقامی مذاکرات چلتے رہے جس کے خلاف عوام میں اندر ہی اندر لاوا پختہ رہا۔ چنانچہ ۳۱ مئی ۱۹۴۷ء
کو یہ عوامی لاوا پھوٹ پڑا اور ”بگ آف نائیلنگ ٹائی کتاب میں تو ہمیں آمیز الفاظ درج ہونے کی آڑ میں پوری اودی
میں ایک ایچی ٹیشن شروع ہو گیا حالانکہ یہ کتاب تقریباً ایک سو برس پہلے ۱۸۸۸ء میں ایک انگریز مصنف
نے لکھی تھی۔ لیکن بظاہر یہ مشہور کیا گیا کہ یہ کتاب کشمیر کی کسی لائبریری میں موجود ہے اصل میں ایچی ٹیشن
کشمیری لیڈروں کے بدلتے ہوئے نظریات کے خلاف تھا اور ”بگ آف نائیلنگ“ کا قصہ غصہ ایک بہانہ تھا۔
۳۱ مئی کو سری نگر میں زبردست احتجاجی ہڑتال اور تشدد آمیز مظاہرے ہوئے۔ جن میں پولیس فائرنگ
سے تین افراد ہلاک اور درجنوں زخمی ہو گئے، مشتعل کشمیری عوام اور سک پولیس کے درمیان جگہ جگہ جھڑپیں
اس زبردست ایچی ٹیشن کو سید میر قاسم کی حکومت نے شیخ محمد عبداللہ اور مولوی فاروق کے تعاون سے
دبا دیا۔ بے شمار لوگوں کو گرفتار کیا گیا اور بہت سے لوگوں کو نوکریوں کا لالچہ دیکر حکومت نے اپنے ساتھ ملا لیا
مرنے والوں اور زخمیوں کے لواحقین کو بھاری معاوضے دیئے گئے۔ اس کے باوجود کشمیری عوام کے جذبات
مشتعل رہے۔ اس ایچی ٹیشن میں تقریباً تین سو سو ڈسٹ اور نوجوان گرفتار کئے گئے۔ اس ہمد گیر ایچی ٹیشن کو
دبانے کے سلسلہ میں شیخ محمد عبداللہ اور مسٹر بیگ نے حکام کے ساتھ تعاون کر کے نئی دہلی کو یہ تاثر دیا کہ
کشمیر میں ہندوستان کی خلاف تحریک کو صرف ہی لوگ قابو میں رکھ سکتے ہیں۔ ۱۳ جولائی ۱۹۴۷ء کو سرسنگر
کے مزار شہدا پر ایک عوامی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ
کشمیری عوام میں ان کے خلاف شک و شبہ کی فضا پیدا ہو رہی ہے اور انہوں نے نہایت دانشگاہ الفاظ
میں یقین دلایا کہ وہ لوگوں سے بوجھ بغیر اور ان کی پیٹھ پیچھے کوئی بھی فیصلہ نہیں کریں گے اور نہ ہی لوگوں
کے انتشار کے خلاف ان پر کوئی فیصلہ ٹھونس جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود عوام کی بے چینی دور نہیں ہو سکی
چنانچہ ۱۹ جولائی کو مجاہد منزل میں تحریک آزادی کے ایک مجاہد خواجہ غلام نبی گلکار کو جن کا پاکستان میں انتقال ہوا تھا

خارج عقیدت ادا کرنے کے لئے جو جلسہ ہوا اس میں شیخ محمد عبداللہ نے پھر یہ نکوہ کیا کہ ”لوگ ہمارے متعلق اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم اپنے موقف سے ہٹ گئے ہیں۔ لیکن میں آج پھر یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کشمیر کی قسمت کا فیصلہ صرف کشمیری عوام کریں گے وہ پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا ہندوستان کے ساتھ یا آزاد رہنا چاہتے ہیں یہ ان کا حق ہے۔“ انہوں نے کہا ”یہ سرزمین غلام ہے اور اگر یہ غلام ہی رہی تو میرے مرنے کے بعد میری میت کچھ عہد عرب کی لہروں کے سپرد کی جانی چاہیے کیونکہ میں ایک غلام سرزمین میں دفن نہیں ہونا چاہتا۔“ یکم اگست ۱۹۶۳ء کو مسٹر گاندھی نے کشمیر کے وزیر اعلیٰ سید میر قاسم کو دہلی طلب کیا اور ان سے کشمیر کی سیاسی بے چینی اور دوسرے معاملات پر بات چیت کی۔ سید میر قاسم نے نئی دہلی سے واپس آکر مجھے بتایا کہ انہوں نے نئی دہلی کو مشورہ دیا ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ کوئی تصفیہ کر لیا جائے۔ کیوں کہ کشمیر میں ان کی سیاسی ساکھ ختم ہوتی جا رہی ہے۔ سید میر قاسم سے شیخ محمد عبداللہ کی ایک مختصر سی ملاقات کے بعد شیخ صاحب پھر دہلی گئے جہاں انہوں نے ہندوستان کی وزیر اعظم کے ساتھ طویل بات چیت کی اور مسلم مجلس مشاورت کے اجلاس میں بھی شریک ہوئے جہاں انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ قومی دائرے سے الگ ہو کر نہ سوچیں۔ اس کے بعد وہ ۸ اگست کو واپس سرنگم آگئے اور ایک ہفتے بعد پھر دہلی گئے جہاں انہوں نے مسٹر گاندھی کے ساتھ پھر بات چیت کی۔ اس موقع پر ہند پاک بات چیت میں حصہ لینے والے وفد کے لیڈر مسٹر عزیز احمد جو ہندوستانی افسروں کے ساتھ نئی دہلی میں بات چیت کر رہے تھے نے شیخ صاحب کو پیغام بھیجا کہ وہ ان سے ملنا چاہتے ہیں لیکن شیخ محمد عبداللہ ان سے نہیں ملے۔ البتہ وزیر اعظم ہند کے سیکریٹریٹ میں اچانک ان کی مسٹر عزیز احمد سے مدھیڑ ہو گئی جس پر مسٹر عزیز احمد نے ان پر یہ فقرہ چست کیا ”شیخ صاحب آج تو آپ بالکل نوجوان نظر آتے ہیں“

شیخ محمد عبداللہ کی ہندوستانی وزیر اعظم سے اس بات چیت کے تقریباً ایک ماہ بعد ۲۶ ستمبر ۱۹۶۳ء کو مسٹر گاندھی کشمیر آئے اور پہلے گام میں قیام کیا۔ اس کے اگلے روز ۲۷ ستمبر کو شیخ محمد عبداللہ سرنگم

سے پہلے گام گئے جہاں انہوں نے ہندوستانی وزیر اعظم کے ساتھ کوئی دو گھنٹے تک ملاقات کی اور مسٹر گاندھی کو پھر یقین دلایا کہ وہ نئی دہلی کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے بالکل تیار ہیں ان سے ملاقات کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے پہلے گام میں ہی سید میر قاسم سے بھی ملاقات کی اور پھر سید میر قاسم مسٹر گاندھی سے ملے۔ اس کے اگلے دن ۲۸ ستمبر کو کشمیر کے گورنر مسٹر ایل کے جہا نے راج بھون میں ہندوستان کی وزیر اعظم کو دوپہر کے کھانے کی دعوت دی جس میں شیخ محمد عبداللہ کو بھی مدعو کیا گیا۔ راج بھون میں گورنر کی موجودگی میں کوئی ڈیڑھ گھنٹے تک شیخ محمد عبداللہ کی طرف سے تعاون کی پیش کش پر ان کے ساتھ بات چیت ہوتی رہی۔ شام کو مسٹر زائر گاندھی شیخ محمد عبداللہ کے ہاں مدعو کی گئیں اور اس موقع پر مسٹر گاندھی کے علاوہ کشمیر کے گورنر اور وزیر اعلیٰ سید میر قاسم بھی بات چیت میں شریک ہوئے۔ ۲۹ ستمبر کو بھی مذاکرات جاری رہے لیکن اس کے باوجود ۳۰ ستمبر کو ہندوستانی وزیر اعظم نے سرنگم میں اپنی پریس کانفرنس کے دوران ان مذاکرات کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہا اور اخباری نمائندوں نے اس بارے میں جو سوالات کئے انہیں بالکل ٹال دیا۔ البتہ انہوں نے سری نگر سے واپس نئی دہلی جا کر اخباری نمائندوں کو بتایا کہ وہ شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کرنے میں زبردست احتیاط برت رہے ہیں اور ہندوستان کے قومی مفاد کے خلاف کچھ بھی نہیں کیا جائے گا۔ اسی دوران سید میر قاسم کی حکومت نے یہ طے کیا کہ سری نگر کے گورنمنٹ ڈومین کالج کا نام تبدیل کر کے اس کا نام نہرو میموریل کالج رکھا جائے اور کالج کے نام کی تبدیلی کی جو تقریب ۲ نومبر تمام کو منعقد ہوئی تھی اس کی صدارت شیخ محمد عبداللہ کو کرنا تھی لیکن ۲ نومبر ۱۹۶۳ء صبح سویرے کالج کا نام تبدیل کرنے کے خلاف ایکیٹین شروع ہو گیا اور زبردست تشدد آمیز مظاہرے ہوئے یہ ایکیٹین وادی کے دوسرے علاقوں میں بھی پھیل گیا اور سو پور اور اسلام آباد میں بھی زبردست مظاہرے ہوئے کئی سرکاری گاڑیوں کو آگ لگا دی گئی اور پولیس پر پتھراؤ کیا گیا جس سے پوری وادی میں امن و انتظام درہم برہم ہو گیا۔ چنانچہ حکومت نے تو اس کالج کا نام تبدیل کر سکی اور نہ نام تبدیل کرنے کی وہ تقریب

منعقد ہو سکی جس کی صدارت شیخ محمد عبداللہ کو کرنا تھی۔ اس کے دو دن بعد شیخ محمد عبداللہ سری نگر سے جوں چلے گئے۔ البتہ سری نگر میں ایکی ٹیشن جاری تھا اور اس نے ۱۲ نومبر کو اس وقت سنگین صورت اختیار کر لی جبکہ تمام کالجوں کے طلباء اور طالبات سری نگر کی سڑکوں پر آمد آئے اور محاذ رائے شماری کے لیڈروں کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا۔ اس کے اگلے دن مرزا محمد افضل بیگ نے اخبارات کے نام ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے اعلان کیا ”ہندوستان سے کشمیر کا الحاق رائے شماری کے تابع ہے اور جو لوگ ہمارے متعلق غلط فہمیاں پیدا کر رہے ہیں وہ کشمیری عوام کے دشمن ہیں۔ پولیس نے ان تشدد آمیز مظاہروں کے دوران لگ بھگ چار سو طلباء اور نوجوانوں کو گرفتار کیا اور طاقت کے بے پناہ استعمال کے بعد اس ایکی ٹیشن کو دبا دیا گیا۔ اس ایکی ٹیشن کے بعد شیخ محمد عبداللہ جیسٹوں سے نئی دہلی پہنچے اور ہندوستانی حکام کو بتایا کہ کشمیر میں صورت حال سرعت کے ساتھ بگڑ رہی ہے اور اس کا بروقت اور موثر علاج کیا جانا چاہیے۔

۲۲ نومبر ۱۹۴۷ء کو مجاہد منزل میں محاذ کے کارکنوں کا ایک اجلاس منعقد کیا گیا جس میں اس ایکی ٹیشن سے پیدائندہ صورت حال پر غور کیا گیا جو سرینگر میں جاری تھا۔ اس اجلاس میں مرزا محمد افضل بیگ نے اعلان کیا کہ وہ کشمیر کو ایک حل طلب مسئلہ تسلیم کرتے ہیں۔ ۲۵ نومبر کو روس کے صدر برزنیف نئی دہلی آئے پالم کے ہوائی اڈے پر ان کا خیر مقدم کرنے والوں میں شیخ محمد عبداللہ بھی شامل تھے۔ نئی دہلی میں ہندوستان کی وزیر اعظم نے مسٹر برزنیف کے اعزاز میں جو کھانے کی دعوت دی اس میں شیخ محمد عبداللہ کو بھی مدعو کیا گیا اور انہیں مسٹر برزنیف سے متعارف کروایا گیا اس کے اگلے روز شیخ محمد عبداللہ روسی وزیر خارجہ مسٹر مارکو ویو کو مسٹر برزنیف کے ساتھ آئے تھے۔ ملنے گئے اور دس منٹ تک ان کے ساتھ رہے۔ ۲۸ نومبر کو شیخ محمد عبداللہ نئی دہلی سے واپس سری نگر آئے جب میں ہوائی اڈے پر ان سے ملا تو وہ غیر معمولی طور پر ہشاش بشاش نظر آئے تھے چنانچہ ۳۰ نومبر بروز جمعہ انہوں نے درگاہ حضرت بل میں تقریر کی اور کہا ”ہمارے خلاف یہاں زہبان پیدا کیا جا رہا ہے، یہ محض ایک سازش ہے۔ میں نے اپنی

زندگی اپنی قوم کے لئے وقف کر رکھی ہے جو شخص ساری زندگی آپ کی آزادی کے لئے جدوجہد کرتا رہا وہ آپ اس بڑھاپے میں آپ کے مقاصد اور فوائد کے ساتھ کس طرح بے وفائی کر سکتا ہے۔ مسٹر بھٹو ہمارے معاملہ میں دخل دینے کی بجائے اپنے اندرونی معاملات سمجھالیں وہ نامعلوم ہم مصیبت زدہ لوگوں سے ہڑتال کی کیوں اپیل کرتے ہیں آخر اس ہڑتال کے نتائج کون بھگتے گا۔ شیخ صاحب نے اپنی اسی تقریر میں مسٹر بھٹو کے اس بیان کی بھی نکتہ چینی کی جس میں مسٹر بھٹو نے یہ کہا تھا کہ اگر اقوام متحدہ کی قراردادیں پرانی ہو چکی ہیں تو کشمیر کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے بات چیت کی جاسکتی ہے شیخ صاحب نے کہا کہ ان قراردادوں میں کشمیری عوام کا بنیادی حق تسلیم کر لیا گیا ہے اور انہیں ردی کی ٹوکری میں انہیں پھینکا جاسکتا ہے۔ البتہ انہوں نے مسٹر بھٹو کی اس اپیل پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا جس میں پاکستان کے وزیر اعظم نے شیخ محمد عبداللہ اور نئی دہلی کے درمیان کسی امکانی سمجھوتے کے خلاف احتجاج کے طور پر ہڑتال کرنے کو کہا تھا۔ اس کے اگلے روز انہوں نے مجاہد منزل میں محاذی کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ میری نئی دہلی کے ساتھ بات چیت کی واحد بنیاد ۱۹۴۷ء کی پولریشن بحال کرنے پر ہی آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ انہیں۔ اس کے بعد انہوں نے وادی کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا اور جبکہ جگہ جگہ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے بعد وہ پھر دہلی گئے اور وہاں ایک ہفتے تک قیام اور بات چیت کے بعد ۱۹ نومبر کو عید الاضحیٰ کے قریب منانے کے لئے واپس سری نگر آئے چنانچہ انہوں نے ۱۹ نومبر کو مجھے ایک ملاقات کے دوران بتایا ”نئی دہلی کے ساتھ میری بات چیت آگے بڑھ رہی ہے اور مجھے امید ہے کہ ہم جلد ہی کسی نتیجے پر پہنچ سکیں گے۔ جب میں نے ان کی توجہ اس بات چیت کے خلاف کشمیری عوام کی بے چینی کی طرف

لے یاد رہے کہ حکومت ہندوستان اور شیخ صاحب کے درمیان کسی امکانی سمجھوتے کے لئے بات چیت کے بارے میں پاکستان میں تشویش کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ مسٹر بھٹو نے ایک جلسے میں یہ اعلان کیا تھا ”اگر شیخ محمد عبداللہ نے نئی دہلی کے ساتھ یکطرفہ طور پر کوئی سمجھوتہ کر لیا تو پاکستان اس سمجھوتے کو قبول نہیں کرے گا۔ اور اگر کوئی ایسا سمجھوتہ ہوا تو میں اس کے خلاف کشمیر کے لوگوں سے احتجاج کرنے کے لئے ایک روز کی ہڑتال کرنے کی اپیل کروں گا۔“

مبذول کردانی تو انہوں نے اس پر کہا۔ ”یہ سب مفادِ خصوصی والے کروارہے ہیں۔“ چنانچہ وہ ۸ جنوری ۱۹۴۷ء کو پھر نئی دہلی جا پہنچے۔ اور تقریباً اٹھائی ماہ تک ریاست سے باہر قیام پذیر رہے۔ ۲۲ مارچ کو وہ نئی دہلی سے جسٹسوں پہنچنے جہاں انہوں نے مختلف سیاسی لیڈروں کے ساتھ بات چیت جاری رکھی اور اس کے چند دن بعد ۲۸ مارچ کو واپس سری نگر آ گئے۔ اُن کی کثیرہ میں عدم موجودگی کے دوران لوگوں میں مخالفت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ چنانچہ یہاں پہنچنے کے اگلے دن بروز جمعہ انہوں نے درگاہ حضرت بل میں تشریف رکرتے ہوئے اعلان کیا کہ ”کچھلے دو اٹھائی ماہ کے دوران میرے متعلق یہاں مختلف کہانیاں پھیلانی جاتی رہی ہیں۔ لیکن لوگوں کو ایسی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہیئے۔ میں آپ کو اس مقدس مقام پر یہ یقین دلاتا ہوں کہ جس طرح میں نے آج تک کبھی آپ کے مفاد کا سودا نہیں کیا اور نہ آپ کو چھوڑا اسی طرح میں آئندہ بھی اپنے عہد پر قائم رہوں گا جو وعدہ میں آپ کے ساتھ کر چکا ہوں اُس پر تاحیات قائم رہوں گا۔ میری ۲۲ سالہ سیاسی زندگی آپ کے سامنے ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بہتر تعلقات اور تصفیہ ہی میں ہمارا حقیقی مفاد ہے۔ نئی دہلی میں میرے سامنے یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ خاذا رائے شماری کو اپنا نام بدل لینا چاہیئے۔ لیکن میں نے اُن پر واضح کر دیا کہ خاذا رائے شماری اپنا نام کیوں بدلے گا۔ اس کا موقف تو رائے شماری ہے۔ اگر کشمیر کے تصفیے کے لئے کوئی متبادل راستہ ہے تو وہ ہمارے سامنے رکھا جائے ہم اس پر ضرور غور کریں گے۔“ اُن کی اس تقریر کا ملاحظہ راجل ہوا لیکن مجموعی طور پر لوگوں کی بالوی برقرار رہی۔ اس کے بعد انہوں نے ترائل میں یکم اپریل ۱۹۴۷ء کو اور چارہ منزل میں ۲۸ اپریل کو خاذا رائے جلسوں میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ ”نئی دہلی کے ساتھ بات چیت کی بنیاد یہ ہو سکتی ہے کہ ۱۹۴۷ء پر لوٹا جائے میں نے بار بار آپ کو یقین دلایا ہے کہ بات چیت کا جو بھی نتیجہ نکلے گا وہ آپ کے سامنے رکھا جائے گا۔ اس بات کا فیصلہ کرنے کے مجاز آپ ہوں گے کہ جو کچھ بھی نتیجہ نکلا ہے وہ منظور کیا جائے یا نہ منظور“

شیخ محمد عبداللہ کی ان یقین دہانیوں کے باوجود کشمیر میں سیاسی بے چینی بڑھ رہی تھی اور لوگوں

میں یہ خیال عام ہوتا جا رہا تھا کہ خاذا رائے شماری اپنے موقف سے ہٹ گیا ہے۔ ۱۱ اپریل کو سری نگر میں پھر ہنگامے اور مظاہرے ہونا شروع ہو گئے، جن کی بناء پر تمام کالج اور کشمیر یونیورسٹی بند کر دی گئی۔ کئی روز کے ان ہنگاموں کے بعد صورتِ حال پھر بظاہر پُر سکون سی ہو گئی اور حکومت نے بڑے سخت ہاتھ سے ایجنے ٹیشن کو کچل دیا۔ ۲۰ اپریل ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی وزیرِ اعظم جب سری نگر میں تو شہر میں زبردست احتجاجی ہڑتال اور مظاہرے ہو رہے تھے۔ اسی دوران ۲۱ اپریل کو شیخ محمد عبداللہ نے گاندربل میں نماز جمعہ پر تقریر کرتے ہوئے پھر کہا۔ ”کشمیر کا مسئلہ برابر ٹک رہا ہے اور ابھی اس کا فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ اس کا فیصلہ صرف کشمیری عوام ہی کر سکتے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں قوم کا سودا نہیں کروں گا اور میں نے قوم سے جو وعدے کئے ہیں۔ اُن پر آخری دم تک قائم رہوں گا۔“ ہندوستان کی وزیرِ اعظم دودن یہاں قیام کرنے اور صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد واپس نئی دہلی چلی گئیں۔ ۲۳ اپریل ۱۹۴۷ء کو سرینگر اور وادی کے دوسرے حصوں میں پھر زبردست اور تشدد آمیز واقعات ہوئے جو تقریباً ۴۸ دن تک جاری رہے اس کے بعد ۲۹ اپریل کو شیخ محمد عبداللہ نے بڈگام کے ایک جلسہ میں پھر یہ اعلان کیا کہ ”ہم نے ہندوستان کے ساتھ مذاکرات میں یہ واضح کر دیا ہے کہ ہمیں صرف وہی حل قابلِ قبول ہو گا جو عوام کے حق خود ارادیت کا آئینہ دار ہو اور جس میں لوگوں کے حقوق کے تحفظ کی مکمل ضمانت دی گئی ہو۔ کشمیر کے مسئلہ کا کوئی پائیدار اور آبرو مند حل نکالنے کے لئے ہم اپنی کوششیں جاری رکھیں گے۔“ ۱۴ مئی ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی وزیرِ اعظم اپنے وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ کو ساتھ لے کر پھر سری نگر پہنچیں اُن کے ہمراہ سینکال کے صدر بھی تھے ریاستی حکومت نے ہندوستانی وزیرِ اعظم اور سینکال کے صدر کے اعزاز میں جسٹس ٹرنر کا انتظام کیا اس میں شیخ محمد عبداللہ بھی شریک ہوئے۔ یہ پہلا موقع تھا جب وہ سرینگر میں ہندوستانی حکام کے بالکل قریب دیکھے گئے۔ سری نگر میں شیخ صاحب نے دو مرتبہ سردار سورن سنگھ کے ساتھ طویل بات چیت کی۔ شیخ محمد عبداللہ اور نئی دہلی کے درمیان مذاکرات پر پاکستان کو جو اطلاعات مل رہی تھیں اُن پر پاکستان کے

وزیر اعظم مسٹر بھٹو نے ہندوستان کی وزیر اعظم کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں یہ کہا گیا کہ شیخ صاحب اور نئی دہلی کے درمیان کوئی بھی سمجھوتہ یکطرفہ نوعیت کا ہوگا اور پاکستان کی شرکت کے بغیر کشمیر کے مسئلہ کا کوئی بھی حل پائیدار ثابت نہیں ہوگا۔ اس کے جواب میں ہندوستان کی وزیر اعظم نے مسٹر بھٹو کو جو مراسلہ بھیجا اس میں ان پر واضح کیا گیا کہ جس طرح مسٹر بھٹو آزاد کشمیر کے لیڈروں کے ساتھ داخلی معاملات پر بات چیت کرتے ہیں اسی طرح حکومت ہند شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ داخلی معاملات پر بات چیت کر رہی ہے۔ ۵ جون ۱۹۶۵ء کو ہندوستان کی وزیر اعظم کے سیکرٹری مسٹر بی این دھرتی دہلی سے سرسنگر آئے اور انہوں نے یہاں مختلف لوگوں کے ساتھ سیاسی معاملات پر گفت و شنید کی۔ وہ شیخ محمد عبداللہ سے بھی ملے مسٹر دھسر سے میری ملاقات گورنر ہاؤس میں ہوئی اور انہوں نے بات چیت کے دوران اشارہ دیا کہ کشمیر میں بہت جلد سیاسی تبدیلیاں ہونے والی ہیں اور شیخ محمد عبداللہ نے نئی دہلی کے ساتھ تعاون کرنے کا یقین دلادیا ہے اور پھر ۸ جون ۱۹۶۵ء کو وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ دوبارہ سرسنگر آئے اور یہاں انہوں نے گورنر وزیر اعلیٰ اور شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ بات چیت کی شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ دو طویل ملاقاتوں کے بعد سردار سورن سنگھ نے سرسنگر کے چشمہ شاہی گیسٹ ہاؤس میں اخباری نمائندوں کو بتایا: ”میں سرسنگر میں بات چیت کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ چونکہ شیخ محمد عبداللہ اور نئی دہلی کے درمیان بنیادی معاملات پر آپرچ میں یکسانیت ہے جس کی بناء پر ایک بامقصد تعاون کا تجربہ کیا جاسکتا ہے اس لئے اگر اس قسم کے تعاون کی بنیاد رکھ دی جائے تو نئی دہلی اس کا خیر مقدم کرے گی۔“ سردار سورن سنگھ نے یہ بھی بتایا کہ بیگ پارتھاسارتھی بات چیت جاری ہے اور معاملات طے ہو جانے کی امید ہے۔ سردار سورن سنگھ نے یہاں تو اتنا ہی بتایا لیکن ۱۲ جون کو نئی دہلی واپس لوٹنے پر انہوں نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ شچیت سے سمجھوتے کی بنیاد طے ہو گئی ہے۔ البتہ تفصیلات طے کرنے میں دو ایک ماہ لگیں گے۔ سردار سورن سنگھ کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے ایک انٹرویو میں مجھے بتایا: ”سردار سورن سنگھ سے

میری بات چیت خوشگوار ماحول میں ہوئی ہے۔ میں نے اپنے نظریات بڑی صفائی کے ساتھ واضح کر دیئے ہیں جب کوئی ٹھوس فارمولہ طے ہوگا تو اسے براہ راست لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ لوگوں کو یقین کھانا چاہیے کہ ان کی پیٹھ پیچھے یا ان کے مفاد کے خلاف نہ میں نے پہلے کچھ کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گا۔ ۴ جون کو سید میر قاسم کی کابینہ کا پانچ گھنٹے طویل اجلاس ہوا جس میں سید میر قاسم نے صورت حال سے اپنے رفق کو آگاہ کیا تاہم شام سید میر قاسم نے اپنی قیام گاہ پر مجھے بتایا: ”سمجھوتے کی بنیاد طے ہو گئی ہے اب اسے عملی جامہ پہنانے کے طریقہ کار کا سوال حل کرنا باقی ہے۔“ ۵ جون کو ہندوستان کی وزیر اعظم نے غیر ملکی اخبار نویسوں کی طرف سے دی گئی ایک دعوت پر سوالات کے جواب میں کہا: ”میں یہ بات واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ ہندوستان سے کشمیر کا الحاق شک و شبہ سے بالاتر ہے اور اس پر شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ کوئی بات چیت نہیں ہو رہی ہے البتہ ان کے ساتھ داخلی معاملات پر بات چیت ہو رہی ہے۔“ اس پر ۸ جون ۱۹۶۵ء کو شیخ محمد عبداللہ نے بڈگام میں غاذ کے ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ”انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ کشمیریوں کے جائز حقوق تسلیم کئے جائیں اور ہم ایک ایسا تصفیہ چاہتے ہیں جسے ریاستی عوام یہاں تک کہ آزاد کشمیر کے لوگوں تک کی حمایت حاصل ہو۔“ اس کے پانچ دن بعد ۱۲ جون ۱۹۶۵ء کو ہندوستان کے وزیر اعظم پھر سری نگر آئیں۔ ۱۳ جون بروز اتوار ہندوستان کی وزیر اعظم نے ریاستی وزیروں اور کانگریس کے اعلیٰ عہدیداروں کو کھانے پر بلایا اور انہیں شیخ محمد عبداللہ کو جنوں کشمیر کا وزیر اعلیٰ بنانے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ تین گھنٹے کی اس بات چیت میں کانگریسی وزیروں اور عہدیداروں نے ہندوستان کی وزیر اعظم کو تعاون کا یقین دلایا۔ وزیر اعلیٰ سید میر قاسم نے بھی مسز گاندھی کو کھانے کی دعوت دی اور جب اس دعوت پر وہ آئیں تو شیخ محمد عبداللہ اور میر قاسم دونوں نے اکٹھے ان کا خیر مقدم کیا۔ ہندوستان کی وزیر اعظم نے کشمیر میں مقیم فوجی کمانڈروں کے ساتھ بھی صلاح مشورہ کیا۔ ان مذاکرات کے فوراً بعد ریاستی حکومت نے انٹیکس کئے تمام ملزموں کو رہا کر دیا۔ مسز گاندھی کی سہری نگر میں بات چیت اور نئی دہلی کو واپس کے

بعد ۲ جولائی ۱۹۶۴ء کو مسٹر پارٹھاسارثی سری نگر آئے اور یہاں مسٹر بیگ کے ساتھ دو دن تک بات چیت کی۔ ۴ جولائی ۱۹۶۴ء کو غازی رائے شماری کا سالانہ اجلاس ہوا۔ جس میں غازی رائے کے لیڈروں نے اپنا موقوفہ دہراتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ کشمیر کے بنیادی مسئلے کا تصفیہ چاہتے ہیں۔ سالانہ اجلاس کے بعد ۸ جولائی کو لال چوک سرسنگر میں ایک بہت بڑا جلسہ عام ہوا جس میں شیخ محمد عبداللہ نے اعلان کیا۔ ”میں آپ کو بار بار یقین دلا چکا ہوں کہ میری نئی دہلی کے ساتھ بات چیت کے نتیجے میں جو بھی حل نکل آئے اسے عوام کے سامنے رکھوں گا اور یہ آپ کو اختیار ہے کہ آپ اسے قبول کریں یا مسترد کر دیں۔ یہ حل آپ کو منظور ہو تو ٹھیک ہے ورنہ کوئی اور راستہ تلاش کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں آزاد کشمیر کے عوام سے بھی پوچھا جائے گا۔ یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ پاکستان کے مفاد کو ترک نہ پہنچے کیونکہ وہی حل پائیدار ثابت ہو سکتا ہے۔ جسے پورے برصغیر کی حمایت حاصل ہو۔“ لیکن عوام میں جو بے چینی تھی اس میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ غازی رائے کے اجلاس کے بعد عوام میں جو بے اعتمادی پھیل رہی تھی اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عوامی ایکشن کمیٹی کے لیڈر مولوی فاروق نے شیخ محمد عبداللہ اور نئی دہلی کے درمیان بات چیت کے خلاف ۱۲ جولائی کو یوم احتجاج منانے کا فیصلہ کر لیا۔ ۱۲ جولائی ۱۹۶۴ء کو انسانی سروں کا ایک سمندر شہر اور دیہات سے آئے ہوئے لوگوں کا ایک بے پناہ جھوم شہر اہوں پر اڑا دیا۔ سرسنگر میں یہ ایک بہت بڑا اور تاریخی عوامی مظاہرہ تھا اور حکومت کی زور زبردستی اور مادہ دھارے کے باوجود ہزار ہا مرد و زن سرسنگر کی جان مسجد سے شہر کے مختلف علاقوں سے ہوتے ہوئے اسی لال چوک میں پہنچے جس میں صرف پانچ دن پہلے شیخ محمد عبداللہ نے تقریر کی تھی۔ لیکن حکومت نے اس عوامی سمندر کو لال چوک میں جلسہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اور اس پر سارے شہر اور پوری وادی میں غم و غصہ پھیل گیا اور امن و اطمینان درہم برہم ہو گیا۔ ۱۵ جولائی کو پاکستان کے وزیر اعظم مسٹر بھٹو نے ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ اگر کشمیر کے بارے میں ہندوستان اور شیخ محمد عبداللہ نے کوئی ناپسندیدہ فیصلہ کیا تو پاکستان اس کا پابند نہیں ہو گا اور

ایسے کسی فیصلے سے کشمیر کی ممتاز جمیٹ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ مسٹر بھٹو کے اس اعلان پر مسٹر بیگ نے جو اس وقت نئی دہلی میں مذاکرات کر رہے تھے، اعلان کیا کہ کشمیر کے تصفیہ کے متعلق پاکستان کی رائے بھی معلوم کی جائے گی۔ مسٹر بیگ کے اس بیان کی سرسنگر کے اخبارات میں بڑی زبردست تہنیر کردانی گئی۔ کشمیر کی بڑی ہوائی بے چینی کو دیکھ کر شیخ محمد عبداللہ نے ۱۸ جولائی ۱۹۶۴ء کو پھر لال چوک میں ایک جلسہ بلایا جس میں انہوں نے واسکاف طور پر اعلان کیا کہ کشمیر کا فیصلہ صرف کشمیری عوام ہی کر سکتے ہیں۔ انہوں نے اعلان کیا کہ ”میں نے یہ عزم کر رکھا ہے کہ کشمیری عوام کی مرضی اور خواہشات کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں ہو گا اور نہ ہونے دیا جائے گا۔ میں پھر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ نئی دہلی سے میری بات چیت کا جو بھی نتیجہ نکلے گا۔ وہ سب سے پہلے کشمیری عوام کے سامنے رکھا جائے گا اور وہ اس بات کے غماز ہوں گے کہ وہ اسے قبول کر لیں یا مسترد کر لیں۔“ اور نئی دہلی میں بیگ پارٹھاسارثی ملاقات کے بعد وزیر اعظم کو یہ رپورٹ پیش کی گئی کہ معاملات خوش طواری سے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کی وزیر اعظم نے کشمیر کے وزیر اعلیٰ سید میر قاسم کو نئی دہلی طلب کیا۔ بعد میں مسٹر بیگ ۲۰ جولائی کو بذریعہ طیارہ سرسنگر آئے۔ اور ۲۲ جولائی کو پھر نئی دہلی چلے گئے اور وہاں مسٹر پارٹھاسارثی اور وزیر اعظم کے ساتھ پھر کئی بار ملاقات کی۔ اس کے بعد ۱۲ ستمبر کو ہندوستانی کابینہ کا ایک وزیر مسٹر برادہ سرسنگر آیا اور اس نے صورہ میں شیر کشمیر میڈیکل انسٹیٹیوٹ کا سنگ بنیاد رکھا۔ سنگ بنیاد رکھنے کی اس تقریب میں کشمیر کے وزیر اعلیٰ سرکاری افسروں اور کانگریسی لیڈروں نے بھی شرکت کی۔ اس تقریب میں بہت سے دوسرے لوگ بھی شامل تھے۔ اور جب مسٹر برادہ کا غیر مقدم کرتے ہوئے شیخ صاحب نے مسٹر برادہ زندہ باد کا نعرہ لگایا تو تقریب پر ایک شائسا اٹھا گیا۔ مسٹر برادہ اسے اس ڈنر پر جو شیخ صاحب نے ان کے اعزاز میں دیا تھا بات چیت کے بعد شیخ محمد عبداللہ ۱۸ ستمبر ۱۹۶۴ء کو نئی دہلی کے لئے روانہ ہو گئے جہاں انہوں نے وزیر اعظم اور مسٹر پارٹھاسارثی کے ساتھ طویل بات چیت کی مسٹر بیگ بھی ان کے ساتھ تھے ان مذاکرات کے بعد شیخ صاحب نے نئی دہلی کی ایک پریس کانفرنس میں ۱۸ ستمبر کو کہا ”میرا نئی دہلی کے

ساتھ اس وقت تک کوئی بھی سمجھوتہ خارج از امکان ہے جب تک کریاست کی موجودہ اسمبلی کو توڑ کر قاعدہ اور نئے سرے سے انتخابات نہ کروائے جائیں۔ میں نئی دہلی کے ساتھ اپنی بات چیت میں اس بات پر بھی زور دے رہا ہوں کہ کشمیر میں کم از کم ۱۹۵۳ء کی پوزیشن بحال کی جائے۔ نئی دہلی میں پانچ دن تک بات چیت کے بعد شیخ محمد عبداللہ اور مسٹر بیگ واپس سری نگر آگئے۔

اکتوبر کے پہلے ہفتے میں کشمیر میں پھر تشدد آمیز مظاہرے ہوئے اور پولیس اور طلباء کے درمیان کئی مقامات پر جھڑپیں ہوئیں۔ طلباء اور نوجوانوں نے کئی جلوس نکالے جن میں رائے شماری کا مطالبہ کیا گیا اور محاذ کے لیڈروں پر بنیادی متوقف سے انحراف کا الزام لگایا گیا۔ انہوں نے اندرا شیخ مذاکرات کے خلاف بھی احتجاج کیا۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو نواز عید پر عید گاہ میں تقریر کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے یہ ڈرامائی اعلان کر دیا۔ کہ ”اگر نئی دہلی کے لئے ۱۹۵۳ء کی پوزیشن قابل قبول ہو تو ہم اقتدار سنبھال سکتے ہیں۔“ لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ کشمیر کے معاملے پر ہندوستان کے ساتھ جو بات چیت ہو رہی ہے۔ اس کے نتائج سب سے پہلے یہاں کے لوگوں کے سامنے رکھے جائیں گے اور وہی اس کے مجاز ہیں کہ وہ اس امکانی حل کو قبول کریں یا مسترد کریں۔ ۲۵ اکتوبر کو شیخ محمد عبداللہ نے کشمیر کے وزیر اعلیٰ سید میر قاسم کے ساتھ ملاقات کی۔ سید میر قاسم نئی دہلی میں ۵ دن تک ہندوستانی لیڈروں کے ساتھ بات چیت کرنے کے بعد ۲۸ اکتوبر کو واپس سری نگر آئے تھے۔ شیخ محمد عبداللہ نے ان کے ساتھ ملاقات کے بعد اگلے دن پھر نئی دہلی کا رخ کیا اور وہاں دو دن قیام کرنے کے بعد ۲۸ اکتوبر کو واپس سری نگر آگئے۔ وہ اسی طیارے میں واپس سری نگر آئے جس میں ہندوستان کی وزیر اعظم سر سیمکھ سنہیاں، ہندوستان کی وزیر اعظم کشمیر کے وزیر اعلیٰ کو اپنے ہمراہ لے کر سری نگر سے لداخ گئیں اور ۳۰ اکتوبر کو واپس سری نگر آئیں اور یہاں ۳۱ اکتوبر شام کو سید میر قاسم کے ہاں کھانے پر شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ تقریباً اڑھائی گھنٹے تک بات چیت ہوئی۔ اس بات چیت میں خود سید میر قاسم نے بھی حصہ لیا۔ ہندوستان کی وزیر اعظم کیم نومبر ۱۹۴۷ء کو واپس نئی دہلی چلی گئیں اور اس کے اگلے دن ۲ نومبر کو مسٹر پارٹھاسار تھی سر سیمکھ

آئے اور انہوں نے سری نگر میں مسٹر بیگ اور شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ گفت و شنید کی۔ اس بات چیت کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے ۲ نومبر کو سری نگر کے لال چوک میں ایک عوامی جلسے کو بتایا۔ ”اگر ہندوستان کشمیر کا مسئلہ بات چیت کے ذریعے طے کرنا چاہتا ہے تو یہ اچھی بات ہے لیکن اگر وہ مال مٹول کرنا چاہتا ہے تو وہ یہ آخری موقع بھی کھودے گا اور اسے چھٹانا پڑے گا۔ کیوں کہ اگر بات چیت ناکام ہو گئی تو یہاں ایک انقلاب آجائے گا۔ آپ یقین رکھیں کہ ہم ۱۹۳۷ء کے مقاصد کو ترک نہیں کر سکتے۔“ اس کے بعد ۹ نومبر کو مسٹر بیگ نئی دہلی گئے اور وہاں مسٹر پارٹھاسار تھی کے ساتھ اپنی بات چیت جاری رکھی۔

۱۲ نومبر کو سری نگر سے ۵۵ میل دور کپورہ میں شیخ محمد عبداللہ نے پھر عوام کو یقین دلایا کہ ”ہم کشمیر کا مسئلہ حتمی طور حل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور اس مسئلے پر نئی دہلی سے بات چیت ہو رہی ہے اگر بات چیت میں کوئی باعزت حل نکل آیا تو اسے لوگوں کے سامنے رکھا جائے گا۔ کیوں کہ اسے قبول کرنا یا مسترد کرنا لوگوں کا کام ہے۔ اگر لوگوں نے یہ حل قبول کر لیا تو ہم اسے لے کر پاکستان کے پاس بھی جائیں گے تاکہ کشمیر کا کوئی حتمی فیصلہ ہو جائے۔ اور اس کے لئے پاکستان اور ہندوستان کی مفاہمت اور رضامندی لازمی ہے۔“ ۱۴ نومبر ۱۹۴۷ء کو نئی دہلی میں مرزا محمد افضل بیگ نے اعلان کر دیا کہ محاذ رائے شماری کے لیڈروں اور نئی دہلی کے درمیان سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ مسٹر بیگ نے نئی دہلی میں ۱۴ نومبر کی صبح کو ایک پریس کانفرنس میں یہ اعلان کرتے ہوئے کہا کہ ”میں اور مسٹر پارٹھاسار تھی بات چیت کے بعد جس نتیجے پر پہنچے ہیں اس سے مسرگاندھی اور شیخ محمد عبداللہ کو آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد مسٹر بیگ، ۱۹ نومبر کو واپس سری نگر آگئے مرزا محمد افضل بیگ کے ۱۴ نومبر کے بیان کے بعد ۱۵ نومبر ۱۹۴۷ء کو چور اشرف میں عوس کی تقریب پر شیخ محمد عبداللہ نے جو تقریر کی اس میں انہوں نے لوگوں کی مایوسی اور ان کے غم و غصے کا ازالہ کرنے کے لئے اعلان کیا کہ ”کشمیر کے بارے میں ہندوستان کے ساتھ باعزت سمجھوتہ ہونے سے ہی یہ مسئلہ ختم نہیں ہو سکتا بلکہ اب ہم پاکستان کے وزیر اعظم مسٹر بھٹو سے بھی بات چیت کریں گے۔ کیوں کہ جب تک پاکستان

بھی اس معاملے میں شریک نہیں ہوگا کشمیر کا مسئلہ حتمی طور پر حل نہیں ہو سکے گا۔ اس سمجھوتے کے اعلان پر پاکستان کو جو تشویش لاحق ہوئی اس کا اظہار کرتے ہوئے مسٹر بھٹو نے ۲۰ نومبر کو ایک اخباری کانفرنس میں اعلان کیا۔ ہندوستان شملہ سمجھوتے کے تحت کشمیر کا پاکستان کے ساتھ حتمی تصفیہ کرنے کا عہد کر چکا ہے اس عہد کے ہوتے ہوئے کشمیر میں کوئی بھی یکطرفہ اقدام شملہ سمجھوتے کی سپرٹ کے منافی ہوگا اور پاکستان اسے قبول نہیں کرے گا اس کے بعد ۱۲ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی حکومت نے پارلیمنٹ میں اعلان کیا کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بہت جلد کشمیر کے مسئلہ پر مذاکرات شروع ہو جائیں گے ہندوستان کے وزیر خارجہ نے پارلیمنٹ کو بتایا کہ شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ بات چیت ہندوستان کا داخلی معاملہ ہے اور پاکستان کو اس میں دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں اور اس کے بعد ۲ دسمبر کو عید الاضحیٰ پر شیخ محمد عبداللہ نے سری نگر کے عید گاہ میں ناراض اور مایوس لوگوں کے ایک بہت بڑے اجتماع سے کہا: ”میری نئی دہسلی کے ساتھ بات چیت جاری ہے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اس بات چیت کا مقصد اقتدار حاصل کرنا ہے۔ کیونکہ مجھے اقتدار کی کوئی خواہش نہیں۔ البتہ کشمیر کے مسئلے کا حل نکالنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ میں آج پھر یہ بات دہراننا چاہتا ہوں کہ اس مسئلے کا دائمی حل دی ہی ہوگا جو کشمیری عوام ہندوستان اور پاکستان تینوں فریقوں کو قابل قبول ہو۔ میں آپ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ بات چیت کا جو بھی نتیجہ نکلے گا اسے آپ کے سامنے رکھوں گا یہ آپ کا کام ہے کہ آپ اسے قبول کریں یا مسترد کر دیں۔“



واوی میں اپنے مختصر قیام کے بعد ۲ جنوری ۱۹۷۵ء کو شیخ محمد عبداللہ بن سبک کے جموں روانہ ہو گئے،
 جموں میں انہوں نے ریاست کے وزیر اعلیٰ سید میر قاسم کے ساتھ دو بار طویل بات چیت کی۔ اس بات چیت
 کے بعد سید میر قاسم نے اپنے مستیری رفقاء کو بتایا کہ ”نئی دہلی اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان جو
 کچھ طے پایا ہے، اس کے مطابق میری جگہ شیخ صاحب وزیر اعلیٰ ہوں گے۔ انہیں ریاستی اسمبلی کی موجودہ کانگریس
 یسلیچر پارٹی ہی وزیر اعلیٰ منتخب کرے گی اور وہ کانگریس پارٹی کے لیڈر کی حیثیت میں یہ عہدہ سنبھالیں گے۔ اس
 پر قاسم صاحب کے بعض رفقاء نے کچھ خدشات ظاہر کئے تو انہوں نے ان پر یہ واضح کر دیا کہ اصل اقتدار تو کانگریس پارٹی
 ہی کے پاس رہے گا۔ اس لئے انہیں گھبرانا نہیں چاہیے۔ اور اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو اب شیخ صاحب زیادہ دیر انتظار
 نہیں کریں گے اور انہوں نے مجھ سے یہ کہا ہے کہ اگر طے شدہ باتوں پر فوری طور پر عملدرآمد نہیں کیا جاتا تو میں اپنی پرانی پوزیشن
 پر واپس چلا جاؤں گا اور جموں کشمیر میں رائے شماری کرانے کا پھر سے مطالبہ کر دوں گا۔“
 جموں میں بات چیت کے بعد ۱ جنوری ۱۹۷۵ء کو شیخ محمد عبداللہ بذریعہ طیارہ اور اسی دن شام کو وزیر اعلیٰ
 سید میر قاسم بذریعہ ٹرین نئی دہلی روانہ ہو گئے۔ نئی دہلی پہنچنے کے بعد سید میر قاسم نے ہندوستان کی وزیر اعظم کو ساری صورت

حال سے باخبر کر دیا اور وہ بعد میں شیخ محمد عبداللہ کی قیام گاہ پر ان سے بھی ملنے گئے۔ اگلے دن شام کو میں نے ٹیلی فون پر یتیم قاسم کے ساتھ رابطہ قائم کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ ”میرے معاملات طے ہو گئے ہیں شیخ صاحب کانگریس لیجسلیشن پارٹی کا لیڈر بننے پر رضامند ہو گئے ہیں اور باقی تمام آئینی، انتظامی اور سیاسی معاملات جوں کے توں چلتے رہیں گے۔“ قاسم صاحب نے میرے استفسار پر بتایا کہ اگر شیخ صاحب نے یہ یوزرین قبول کر لی تو وہ انہی جگہ وزیر اعلیٰ ہوں گے تاہم اقتدار بابر کانگریس کے ہاتھ میں ہے گا۔ نئی دہلی میں شیخ صاحب نے یتیم قاسم کے علاوہ مٹھری، پی اچھار اور مٹھریا صاحب سارنہی سے بھی ملاقات کی اسی اثنا میں مٹھریا کی کوئی دہلی ملا گیا اور ان کے علاوہ کشمیر کے گورنر اور چیف سیکریٹری کو بھی نئی دہلی طلب کر لیا گیا۔ مذاکرات کا یہ سلسلہ تقریباً ایک ہفتہ تک جاری رہا چنانچہ ۱۸ جنوری کو شیخ محمد عبداللہ کشمیر کے وزیر اعلیٰ کے ہمراہ نئی دہلی سے جموں واپس آئے۔ جہاں ان دنوں کاسکری طور پر استقبال کیا گیا جموں میں شیخ محمد عبداللہ نے کانگریس لیڈر اعلیٰ کے ساتھ بات چیت کی اور انہیں یقین دلایا کہ وزیر اعلیٰ بننے کے بعد وہ ان کے منتخب لیڈر کی حیثیت سے کام کریں گے۔ ان ملاقاتوں میں یتیم قاسم اور مٹھری پی اچھار بھی شامل رہے۔ جموں میں بات چیت کرنے اور اطمینان حاصل ہونے کے بعد شیخ محمد عبداللہ ۲۵ جنوری کو واپس نئی دہلی گئے جہاں انہوں نے ہندوستان کی وزیر اعظم سرگاندھی کو اپنی جموں کی بات چیت کے نتائج سے آگاہ کیا اور سرگاندھی نے انہیں یقین دلایا کہ انہیں جموں کشمیر کا وزیر اعلیٰ بنا دیا جائے گا۔

شیخ محمد عبداللہ اور نئی دہلی کے درمیان سمجھوتے کی خلاف پاکستان میں شدید رد عمل ہوا اور پاکستان کے وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ وہ کشمیری عوام اور پاکستان کی طرف سے اس سمجھوتے کو مسترد اور اس کے خلاف احتجاج کرنے لگے۔ پاکستان اور ریاست جموں کشمیر میں ایک دن کی علامتی ہڑتال کی اپیل کریں گے، انہوں نے بتایا کہ ہڑتال کے دن کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔ اور حسب کچھ طے کرنے کے بعد ہندوستان کا وزیر اعظم نے کشمیر کے وزیر اعلیٰ اور بعض سرکردہ کانگریسی لیڈروں کو نئی دہلی بلایا اور ان کے ساتھ بات چیت کے دوران وزیر اعلیٰ یتیم قاسم کے کانگریس پارٹی کے لیڈر کے عہدے سے مستعفی ہونے اور ان کی جگہ شیخ محمد عبداللہ کو پارٹی کا لیڈر منتخب کرنے کا پروگرام طے کیا اور جب اس کی اطلاع مٹھریا قاسم مٹھریا کی کوئی تو بیگٹ صاحب نے ۶ فروری کو نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ شیخ صاحب اور نئی دہلی

کے درمیان مفاہمت ہو گئی ہے اور اس طرح ریاست جموں کشمیر اور مرکز کے درمیان پائیدار تعلقات کے لئے ایک اچھی بنیاد قائم ہو گئی ہے۔ اب میں کشمیر واپس جا کر اپنے رفقاء سے محاذزاتے شماری کا نام اور اس کے اعتراض و مقاصد تبدیل کرنے کے معاملے پر بات چیت کروں گا۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ معاملہ خوش السلوبی سے طے پائے گا۔ شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ مفاہمت کے فوراً بعد سرگاندھی کا پرشاد دھرم کو دوبارہ ناسک میں سفیر مقرر کیا گیا۔ وہ دو برس تک ہندوستان کی کابینہ میں منصف بنہندی کے وزیر رہے۔ اور اہم داخلی اور خارجی مضامین کو پورا کرنے کے بعد نئی دہلی سے ماسکو گئے جہاں انہوں نے پھر سفیر کا منصب نبھال لیا۔ اور فروری کو مٹھریا صاحب نے بیگٹ صاحب کو آخری ذراتے شماری کا اجلاس طلب کیا اور اس میں بتایا کہ ”مذاکرات کے نتائج سے کسی موزلہ وقت پر عوام کو آگاہ کیا جائے گا۔ ہمارا نئی دہلی سے سمجھوتہ ہو چکا ہے اور یہ سمجھوتہ میرے اُس بیان کے مطابق ہے جو میں نے ۵ فروری ۱۹۶۲ء کو نئی دہلی کی ایک پریس کانفرنس میں دیا تھا اور جس میں یہ بات میں نے واضح کر دی تھی کہ صغیر میں حالات کی تبدیلی نے ہمیں مجبور کر دیا ہے کہ ہم ایک حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کریں۔ ہم پاکستان کے غیر خواہ میں اور اسے خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں لیکن کشمیر کے لوگ اپنے مسائل خود طے کرنا چاہتے ہیں۔ بدقسمتی سے یہاں ایک خوشگوار فضا دیکھنے میں آ رہی ہے یہ ان لوگوں کی بنیاد کردہ ہے جو سمجھوتے سے پریشان ہو گئے ہیں۔“ اس کے چند دن بعد وہ یہاں سے جموں چلے گئے جہاں سے وہ دہلی گئے۔ چنانچہ پروگرام کے مطابق ۲۲ فروری ۱۹۶۵ء کو جموں میں کانگریس لیجسلیشن پارٹی کا اجلاس ہوا جس میں یتیم قاسم نے اپنا استعفیٰ پیش کیا اور ممبروں سے استدعا کی کہ وہ ان کی جگہ شیخ محمد عبداللہ کو وزیر اعلیٰ منتخب کریں اس کے اگلے دن شیخ محمد عبداللہ نئی دہلی سے بذریعہ ٹرین جموں روانہ ہوئے۔ ۲۴ فروری ۱۹۶۵ء کو ہندوستان کی وزیر اعظم نے بالعمیل کو بتایا کہ شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ جو سمجھوتہ ہوا ہے وہ آئین ہند کی حدود کے اندر ہے اور مرکز اور جموں کشمیر کے تعلقات آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰ کے مطابق ہوں گے۔ اگر کسی آئینی دفعہ کے بارے میں رائی آئین میں ترمیم کی جائے گی تو یہ صدر جمہوریہ ہند کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہو سکے گی۔ ہم نے کشمیری لیڈروں کی اس تجویز کو منظور نہیں کیا ہے کہ جموں کشمیر میں پریس کورٹ کا عدم اختیار ختم کیا جائے۔ جموں کشمیر میں گورنر کو صدر ریاست اور وزیر اعلیٰ کو وزیر اعظم نام دینے کے بارے میں بھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ ہم نے شیخ محمد عبداللہ کی اس تجویز کو بھی منظور نہیں کیا ہے کہ کشمیر میں ۱۹۵۳ء کی آئینی

پوزیشن بحال کی جائے شیخ صاحب نے رایت میں گورنر راج نافذ کرنے کے بارے میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ ایسا کرنے سے پہلے ریاستی حکومت کی رضامندی حاصل کی جائے لیکن ہم نے یہ تجویز بھی تسلیم نہیں کی۔ آئین ہند کی دفعہ ۳۷ ایک مستقل دفعہ ہے اور ۱۹۵۲ء سے آئین ہند کا ایک حصہ ملے آ رہی ہے۔ ہندوستان کی وزیر اعظم کے اس بیان کا کثیر میں انتہائی شدید رد عمل ہوا۔ اور شہر میں کئی جلوس نکالے گئے جن میں شیخ اندرا گھوڑے سوار کے نعروں بلند کئے گئے۔ ۱۷ فروری ۱۹۶۵ء کی صبح مید میر قائم سخت پریشان ہو گئے کیونکہ انہیں پارلیمنٹ کے ایک ممبر شری مہاشیم نے یہ بتایا تھا کہ پارلیمنٹ میں ممبر گاندھی کے بیان سے شیخ صاحب کو بہت دکھ ہوا ہے۔ انہوں نے صبح سویرے مجھے بتایا ہے کہ وہ وزیر اعلیٰ کا عہدہ نبھانے کے لئے تیار نہیں ہیں لیکن مید میر قائم کا کہنا تھا کہ جب شیخ محمد عبداللہ کی قیام کاہ پر انہیں اپنے ساتھ لانے کے لئے گئے۔ تو وہ یہ دیکھ کر ششدر ہو گئے کہ شیخ صاحب ایک خوبصورت سوٹ پہنے اور وزیر اعلیٰ بننے کے لئے تیار بیٹھے ہیں اور انہوں نے اس موقع پر ممبر گاندھی کے بیان کا ذکر نہیں کیا۔ شیخ صاحب اجلاس میں آئے اور کانگریس پارٹی نے شیخ محمد عبداللہ کو اپنا لیڈر منتخب کیا۔ اور شیخ صاحب نے ممبر گی کے علاوہ دو سرکاری ملازمین جنوں کے ایک جج ہائی کورٹ تھا اور دیو داس اور لاراخ کے منظم راجو رایت میں پبلک دکنس کے انجینئرز چکے تھے پر مشتمل اپنی کابینہ بنالی۔ یہ ساری کارروائی کثیر می عوام کی پیٹھ پیچھے ہی کی گئی اور انہیں پوچھا تاک نہیں گیا۔ البتہ محاذ کے کارکنوں نے اس بات کی خوشی منائی کہ انہیں اقتدار مل رہا ہے۔ وزیر اعلیٰ کے عہدے کا حلف اٹھانے کے بعد شیخ صاحب نے اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے مختلف سوالات کے جواب میں بتایا۔ ”موجودہ انتظام بالکل عارضی نوعیت کا ہے۔ اگلے دو تین ماہ کے دوران ریاستی اسمبلی کے لئے نئے انتخابات کرائے جائیں گے تاکہ عوام کی منتخب کی گئی حکومت بن سکے“

شیخ محمد عبداللہ کے وزیر اعلیٰ بننے پر پاکستان کے وزیر اعظم مہر مہبون نے کثیر می عوام سے اپیل کی کہ وہ اس سمجھوتے کے خلاف ۲۸ فروری ۱۹۶۵ء بروز جمعہ ہڑتال کریں، جو شیخ محمد عبداللہ اور ہندوستان کی وزیر اعظم کے درمیان ہوا ہے۔ چنانچہ ۲۸ فروری ۱۹۶۵ء کو نہ صرف ممبر بلکہ وادی کے تمام حصوں میں ایک ہجرت احتجاجی ہڑتال ہوئی اور ساری وادی میں خوف و ہشت کا سماں پیدا ہو گیا۔

۲۸ فروری بروز جمعہ ہڑتال ہونے سے ایک روز قبل ممبر مہاشیم نے کچھ دھماکے نیز واقعات رونما ہوئے اور تقریباتیں

مقامات پر پتوں کے دھماکے بھی ہوئے۔ ایک مہم کا دھماکا شہر کے سب اہم اور بارون مرکز امیر اکل میں ہوا جس میں کثیر کڑ پولیس کے چار انسداد بری طرح زخمی ہوئے جن میں سے ایک ہلاک ہو گیا۔ ان واقعات نے ممبر مہاشیم کو خوف و ہشت کی ایک فضا میں قائم کر دی۔ ان دھماکے نیز واقعات اور خوف و ہشت کی فضا نے مہاشیم صاحب کی ہڑتال کی اپیل کو کامیاب بنا دیا۔ ہڑتال کو ناکام بنانے کے لئے حکام نے زور زبستی کے تمام تر حربے استعمال کئے یہاں تک کہ سولہویں سنٹرل ریزیولوشن کے سپاہیوں نے طلباء اور راجو والوں کے ایک جلوس پر اس بے دردی سے لاشی چارج کیا کہ اس میں ایک جوان سال طالب علم غلام محمد بل ہلاک اور دوسرے کئی نوجوان بری طرح زخمی ہو گئے۔ وادی میں تو مہاشیم کی اپیل پر مکمل ہڑتال ہوئی لیکن ہندوستان کی پارلیمنٹ میں وزیر اعظم مہاشیم اندرا گاندھی نے اس سلسلے معاملے کی پردہ پوشی کے لئے یہ مضحکہ خیز بیان دیا کہ ”میں کثیر می عوام کو مبارکباد پیش کرتی ہوں کہ انہوں نے مہاشیم کی اپیل کو نظر انداز کر دیا اور کوئی ہڑتال وغیرہ نہیں کی۔“ ممبر اندرا گاندھی کے اس بیان پر پوزیشن پارٹی کے ایک لیڈر نے ایوان میں ممبر گی کے اخبارات ایوان کو دکھائے جن میں ممبر مہاشیم کے ساتھ اس ہجرت ہڑتال کی خبریں شائع ہوتی تھیں۔ اس احتجاج کے دوران بعد معنی ۲۲ مارچ ۱۹۶۵ء کو شیخ محمد عبداللہ جنوں سے ممبر گی آئے۔ ممبر گی پہنچنے پر وزیر اعلیٰ کا محاذ لڑتے شماری کی طرف سے اور سرکاری طور پر نہایت ہی برسرِ پیکار استقبال کیا گیا۔ یہاں لال چوک میں جم غفیر سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اپنی نئی کابینہ کا اس طرح تعارف کر دیا۔ ”جب میں وزیر اعلیٰ بنا تو مجھے رایت میں کوئی دیانت دار شخص نظر نہ آیا چنانچہ میں نے جنوں کے ٹھکانے دیو داس سے جو ہائی کورٹ کے جج تھے اسے دعا کی کہ ملازمت چھوڑ کر میری کابینہ میں شامل ہو جائیں۔ ٹھکانے کے بعد مجھے مہاشیم کی اور میری درخواست منظور کر کے کابینہ میں شامل ہو گئے۔ ممبر مہاشیم راجو مہاشیم کی کابینہ میں ہندوستان کے سفیر تھے کو میں نے ممبر گاندھی کی طرف سے واپس منگوایا۔ اور مہاشیم کی جڑ پاؤں سے اکرمیری کابینہ میں شامل ہو گئے۔ شیخ صاحب نے ممبر گی کا تعارف کرانے کے بعد ہما کہ میری نظریں صرف دیانت داروں کو تلاش کر رہی تھیں چنانچہ مجھے اس ساری رایت میں صرف یہ تین ایسے آدمی دیا دار میرا کہ جن کو وزیر بنایا گیا ہے۔ اس ساری کارروائی کے بارے میں محاذ لڑتے شماری کے لیڈر اور عہدے دار عوام میں یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ اصل مقاصد کو آگے بڑھانے کی جدوجہد کے لئے اقتدار پر قبضہ ضروری تھا۔“ جس میں ہم کامیاب ہو گئے ہیں اور بظاہر یہ تاثر بھی دیا جاتا تھا کہ شیخ صاحب کا کانگریس پارٹی کی حمایت سے

وزیر اعلیٰ بنامض ایک آئینی رقم کو پورا کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ درحقیقت میں شیخ صاحب تمام تر اختیارات کے لئے
 بن گئے ہیں۔ محاذ کے لیڈر اور عہدے دار عوام میں یہ تاثر پیدا کر کے اس بار میں کامیاب ہو گئے کہ لوگوں نے کسی قسم کی نراحت
 کی بجائے "انتظار کرو اور دیکھو آگے کیا ہوتا ہے" پر اکتفا کیا۔ شیخ محمد عبداللہ کے کانگریس لیجسلیٹر پارٹی کی اہمیت پر وزیر اعلیٰ
 بننے کے صرف دو ایک ہفتے بعد ہی ریاستی کانگریس نے کابینہ میں اپنے نمائندوں کو شامل کرنے کا مطالبہ پیش کر دیا۔ اور یہ انکشاف
 کیا کہ سمجھوتے کی بات چیت کے دوران شیخ محمد عبداللہ نے اس بات سے اتفاق کیا تھا کہ وزیر اعلیٰ بننے کے بعد وہ کانگریس پارٹی
 کے نمائندوں کو بھی اپنی وزارت میں شامل کر لیں گے ایک طرف ریاستی کانگریس کے لیڈر کابینہ میں شمولیت کا مطالبہ کر رہے تھے اور
 دوسری طرف ۲۴ اپریل ۱۹۴۵ء کو محاذ رائے شماری کی مجلس عاملہ کا اجلاس جموں میں منعقد ہوا۔ محاذ رائے شماری کی ۲۲ برس کی نیای
 تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا جبکہ اس کی مجلس عاملہ کا اجلاس جموں میں ہوا۔ مجلس عاملہ میں ایک قرارداد پاس کی گئی جس کا مقصد محاذ
 رائے شماری کا نام تبدیل کرنا تھا۔ ریاستی کانگریس کے لیڈروں نے جب ہندوستان کی وزیر اعظم مہاتما جی سے شکایت کی کہ شیخ
 صاحب کانگریسوں کو بڑا بھلا کہتے ہیں اور طے شدہ سمجھوتے کے مطابق ریاستی کانگریس کو کابینہ میں نمائندگی نہیں دی جا رہی ہے
 تو مہاتما جی خود ۲۴ اپریل ۱۹۴۵ء کو نئی دہلی سے جموں آئیں اور وہاں اپنے دورِ وزرہ قیام کے دوران شیخ صاحب کہا کہ کابینہ
 میں کانگریسی وزیروں کو فوراً شامل کریں چنانچہ مہاتما جی کے مشورے کے مطابق وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے ۲۲ اپریل کو
 گیارہ افراد کی ایک فہرست گورنر کو بھیجی جنہیں وزیر اعلیٰ کے مملکت اور نائب وزیر بننے کی سفارش کی گئی۔ ان میں کانگریس کے
 پانچ — مھکت چھوڑام، سردار رنگیل سنگھ، مہارنگت رام، چوہدری محمد اسلم اور کرگل کے چوہدری محمد علی — محاذ رائے شماری کے
 تین عطا اللہ تہروردی، غلام نبی کوچک اور حکیم حبیب اللہ۔ اور تین نان پارٹی افراد — ریڈر ڈیشن جی موہن کشن، بھو، ناکل
 گولڑہ کالج کے پرنسپل مس طاہرہ شاہمیری اور خواجہ غلام محمد شاہ شامل تھے۔ جب کانگریسی لیڈروں کو اس فہرست کا علم ہوا تو
 انہوں نے ٹیلی فون پر مہاتما جی سے شکایت کی کہ شیخ صاحب سیاسی لیڈروں پر سرکاری ملازمین کو ترجیح دیکر وزیر بن رہے
 ہیں چنانچہ مہاتما جی نے شیخ محمد عبداللہ کو ٹیلی فون پر کہا کہ وہ مس طاہرہ شاہمیری کی بجائے ایک سابق وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق کی بیوہ
 زینب بیگم کو کابینہ میں شامل کریں۔ مس طاہرہ شاہمیری کو وزیر بننے کے لئے پہلے ہی مہارنگت سے جموں طلب کیا گیا تھا۔ کالج کے
 ٹاف نے انہیں الوداعی پارٹی بھی دی۔ اور محکمہ اطلاعات نے حسب دستور دوسرے وزیروں کی طرح ان کی کیفیکیشن خدمات

عمر، لمبائی، چوڑائی اور موٹائی کا خاکہ تیار کر کے اخبارات کو فراہم بھی کر دیا لیکن جب وہ جموں پہنچیں تو انہیں معلوم ہوا کہ ان کا نام
 ڈراپ کر کے زینب بیگم کو وزیر بنایا جا رہا ہے چنانچہ گورنر نے کانگریس کے چھوٹے، محاذ کے تین اور وہاں پارٹی وزیروں کو
 ان کے عہدوں کا حلف دلوا دیا۔

کابینہ میں نمائندگی حاصل کرنے کے باوجود ریاستی کانگریس کے جولیڈ راقبت رائے محرم ہو گئے تھے ان کے اور
 شیخ محمد عبداللہ کے درمیان سیاسی محاذ آرائی کی کسی کیفیت پیدا ہو گئی جس کا جائزہ لینے کے لئے ہندوستان کی وزیر اعظم نے مہارنگت
 سارنگی کو برسرِ بھیا اور سرنگم میں بسٹرا پتھا سارنگی نے بات چیت کے بعد ہندوستان کی وزیر اعظم کو صورت حال سے باخبر کر دیا۔
 اس کے بعد مہارنگت گاندھی نے، جون ۱۹۴۵ء کو ہندوستان کے صدر فخر الدین علی احمد کو کشمیری لیڈروں سے بات چیت کرنے کے لئے
 برسرِ بھیا، ان کی آمد کے دو سرے دن امون خاں کے سیکرٹری مہارنگت سنگھ اور سرنگم گاندھی کے ایک متمدن مہارنگت این کوئل کو بھیجی
 مہارنگت بھیجیا گیا۔ ۱۲ جون ۱۹۴۵ء کو کانگریس کے صدر مہارنگت بھیجی گئے اور اسی دن مہارنگت پی جی جی ۱۹۴۵ء سے
 کشمیر کی سیاست وابستہ رہے تھے اور ان دنوں ماسکو میں ہندوستان کے سفیر تھے، نئی دہلی میں ان کا انتقال کر گئے۔ ۱۱ جون ہی کو الہ آباد
 ہائی کورٹ کے جس جج موہن نہلنے ہندوستان کی وزیر اعظم مہاتما جی کا پارلیمنٹ کے لئے انتخاب کا عدم تدارک دیا۔
 ڈی، پی، دھوکا میت نئی دہلی سے مہارنگت لائی گئی جہاں ان کی آخری رسومات انجام دی گئیں ان کے لوگ میں وزیر اعلیٰ شیخ محمد
 عبداللہ کی صدارت میں ایک تعزیتی جلسہ بھی ہوا جس میں شیخ صاحب زار و قطار رونے ہوئے ڈی، پی، دھوکا زبردست خراج
 عقیدت پیش کیا۔ حالانکہ اس سے پہلے خواجہ غلام محمد صادق اور بخشی غلام محمد کی موت پر شیخ صاحب روتے ہوئے اس کے باکل غلغلہ
 رہا۔ انہوں نے بخشی صاحب اور صادق صاحب کی موت پر ان کے خاندان سے اظہارِ تعزیت تک نہیں کیا۔ ۲۵ جون ۱۹۴۵ء
 رات کو ہندوستان میں ہنگامی حالات کا فائدہ اٹھایا گیا جس کے تحت مہاتما جی نے وسیع تر اختیارات نبھالنے کے تمام
 پوزیشن پارٹیوں کے لیڈروں کو جن میں جے پکاش ترقی اور مارجی دیاسی بھی شامل تھے گرفتار کیا گیا، اخبارات پر پابندی لگا دی گئی،
 اور سرنگم بھی لایا گیا اور جماعت اسلامی ہند کے ساتھ ساتھ راشٹریہ سیکول سنگھ کو خلافِ قانون قرار دیا گیا۔
 ۱۲ جولائی ۱۹۴۵ء کو شیخ محمد عبداللہ کا ندل کے حلف سے انتخاب سے جمعی انتخاب پر مہارنگت ریاستی اسمبلی کے
 ممبر بن گئے۔ کانگریس کے ساتھ طے کئے گئے سمجھوتے کے مطابق اس حلقے کے کانگریسی ممبر اسمبلی مہارنگت بٹ نے مستعفی ہو کر

یہ نشست خالی کر دی تھی تاکہ شیخ صاحب الیوان کے ممبر بن سکیں۔ یہ اس لئے ضروری تھا کیونکہ کوئی شخص آئین کی رو سے اگر الیوان کا ممبر نہ ہو تو چھ ماہ کے بعد وزیر یا وزیر اعلیٰ انہیں روکتا۔ ان کے ممبر اسمبلی بن جائے اور ہندستان میں ایمر جنسی کے نفاذ کے بعد ریاستی اسمبلی کے لئے انتخاب کا معاملہ دھڑکے کا دھارہ گیا۔ ریاستی حکومت کی استدعا پر جموں کشمیر پر بھی ایمر جنسی کا اطلاق کر دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی جموں کشمیر جماعت اسلامی کو بھی خلاف قانون تہرہ دیا گیا۔



کشمیر ایکارڈ کی دستاویزیں

۱۳ نومبر ۱۹۴۷ء کو نئی دہلی میں مرزا محمد فضل بیگ اور سرجی پارٹھاساھی نے ”کشمیر ایکارڈ“ کی دستاویزیں پر دستخط کئے۔ اس دستاویز میں فریقین جن باتوں پر متفق ہوئے وہ حسب ذیل ہیں:-

۱۔ ریاست جموں کشمیر، جو ہندوؤں کا ایک جزو ہے، کے یونین کے ساتھ تعلقت برابر آئین ہند کی دفعہ ۳۴۰ کے تابع ہوں گے۔

۲۔ قانون سازی سے متعلق بقایا اختیارات برابر ریاست کے دائرہ اختیار میں رہیں گے تاہم ہند کی علاقائی سالمیت اور خود مختاری کو بھٹلانے، اس پر نگلی اٹھانے یا اس میں نقص نہ ڈالنے یا ہند کے کسی حصے کو الگ کرنے یا ہند کے کسی حصے کو یونین سے الگ کرنے یا ہند کے قومی پرچم، قومی ترانے اور آئین کی توہین کرنی، کارروائیوں کا تدارک کرنے سے متعلق قانون بنانے کا اختیار برابر پارلیمنٹ کو حاصل ہوگا۔

۳۔ اگر آئین ہند کی کوئی مد ریاست جموں کشمیر پر مناسبت یا تبدیلی کے ساتھ لاگو کی گئی ہو تو ایسی مناسبت یا تبدیلی دفعہ ۳۴۰ کے تحت صدر کے ایک حکمنامے کے ذریعے تبدیل یا منسوخ کی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں ہر منفرد تجویز کی افادیت پر غور کیا جائے گا۔ لیکن آئین ہند کی جو کلازیں پہلے ہی کی مناسبت یا تبدیلی کے بغیر ریاست جموں کشمیر پر لاگو کی گئی ہیں ان میں تبدیلی کی گنجائش نہیں۔

۴۔ ریاست جموں کشمیر کو اپنے خصوصی حالات کے موافق ملائی اقدامات، اتفاقی معاملات، سماجی تحفظ، پرسنل لا اور ضابطہ قوانین جیسے معاملات سے متعلق اپنے قانون وضع کرنے کی آزادی کی یقین دہانی

کے طور پر اس بات پر اتفاق کیا جاتا ہے کہ ریاستی حکومت کو کنٹرولڈ لیسٹ سے متعلق پارلیمنٹ کی طرف سے بنائے گئے یا ریاست پر ۱۹۵۳ء کے بعد لگاؤ گئے قوانین کا از سر نو جائزہ لے سکتی ہے اور اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کر سکتی ہے کہ ان میں سے کن میں ترمیم یا منسوخی کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد آئین ہند کی دفعہ ۲۵۴ کے تحت صحیح اقدامات کئے جاسکتے ہیں۔ ایسی قانون سازی پر صدر کی منظوری کے سلسلے میں صدر روادار ہو کر کیا جائے گا۔ یہی طرہیتہ کار اس دفعہ کے کلاریشن ڈو کے تحت مستقبل میں پارلیمنٹ کی طرف سے بنائے گئے قوانین کے بارے میں بھی اپنا یا جانے گا۔ ایسے کسی قانون کی ریاست پر لگاؤ کرنے کے بارے میں ریاستی حکومت سے مشورہ کیا جائے گا اور ریاستی حکومت کے خیالات پر پورا غور کیا جائے گا۔

• دفعہ ۳۶۸ کے تحت جو کچھ طے پایا گیا ہے۔ اس کے باہمی انتظام کے لئے ریاست پر لگاؤ شدہ اس دفعہ میں صدارتی حکمت کے تحت موزوں تبدیلی کی جانی چاہیے کہ ایسا کوئی قانون جو ریاست جوں کی توں قانون سازی نے مندرجہ ذیل معاملات سے متعلق ریاست جوں کی توں کے آئین کی کسی بھی شق میں تبدیلی لانے کی غرض سے بنایا ہو۔ اس وقت تک موثر نہیں ہوگا۔ جب تک وہ بل جسے صدر کی منظوری کے لئے مخصوص رکھا گیا ہو، صدر کی منظوری حاصل نہیں کرتا۔ یہ معاملات ہیں:-

(۱) گورنر کی تقرری، اختیارات، خدمات، فرائض، استحقاق اور استعفا

(ب) انتخابات سے متعلق مندرجہ ذیل معاملات جن کے نام ہیں:- ہند کے الیکشن کمیشن کی طرف سے انتخابات کی دیکھ بھال، ہدایت اور کنٹرول بلا لحاظ امتیاز انتخابی نشستوں میں اندراج کی اہلیت بالغ رائے دی اور قانون ساز کونسل کی تشکیل۔ یہ معاملات ریاست جوں کی توں کے آئین کی دفعات ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰ اور ۵۰ میں درج ہیں۔

۶۔ گورنر اور وزیر اعلیٰ کے مابین کوئی تصفیہ نہیں ہو سکا ہے۔ لہذا یہ معاملہ سربراہوں کے سپرد

کیا جاتا ہے۔

دستخط

مرزا محمد فضل بیگ

نئی دہلی — بتاریخ ۱۳ نومبر ۱۹۶۲ء

مناسب وقت پر غور کرنے کیلئے مخصوص کئے گئے معاملات

مندرجہ ذیل مخصوص سوالات مزید غور کرنے کیلئے الگ رکھے گئے

۱۔ ریاست کے آئین کے تحت گورنر کی تقرری پر ریاستی حکومت کے ساتھ تبادلہ خیال کے لئے کیا قول و قرار ہو نا چاہیے؟

۲۔ کیا ریاست پر آل انڈیا سرورسٹر سکیم کے اطلاق کی توسیع میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے؟

دستخط

مرزا محمد فضل بیگ

۱۳ نومبر ۱۹۶۲ء

دستخط

جی، پارتھاسارثی

۱۳ نومبر ۱۹۶۲ء

۱۳ نومبر ۱۹۶۲ء کو مرزا محمد فضل بیگ نے سر جی پارتھاسارثی کو یہ باقاعدہ لکھ کر دیا۔

کیمپ نئی دہلی

۱۳ نومبر ۱۹۶۲ء

ڈیریشری پارتھاسارثی

میں نے آج دستاویز، جس میں وہ نقطے درج ہیں، جن پر ہمارے مابین سمجھوتہ ہوا ہے، پر دستخط

کئے ہیں۔

آپ کو یاد ہو گا کہ ہمارے درمیان مختلف امور پر مذاکرات کے دوران میں نے مندرجہ ذیل امور پر اپنی تجویزیں پیش کی تھیں :-

۱ بنیادی حقوق سے متعلق دفعات ریاستی آئین میں شامل کی جائیں۔

۲ ریاستی قانون سازیر کے لئے انتخابات پر الیکشن کمیشن کی دیکھ بھال دہلیت اور دیکھ کنٹرول برٹا دیا جائے۔

۳ دفعہ ۳۵۹ میں یہ تبدیلی کی جائے کہ اسکے تحت جاری کئے جانے والے حکمنامے کے اجراء سے قبل ریاست کی منظوری حاصل کرنا پڑے۔ یا پھر ای تم کا تحفظ فراہم کیا جائے۔

طویل مذاکرات کے بعد آپ نے ان تجاویز سے اتفاق نہیں کیا تھا۔

بہرہائی جواب دیں

آپکا صادق

(دستخط) مرزا محمد فضل بیگ

ایک بار ٹکی دستاویز پر دستخط ہو جانے کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے ۲۵ نومبر ۱۹۷۴ء کو سری نگر سے وزیر اعظم ہند سزا اندرا گاندھی کو ایک خط بھیجا۔ خط کا متن حسب ذیل ہے :

مجاہد منزل

سربراہ کثیر

۲۵ نومبر ۱۹۷۴ء

مائی ڈیر اندراجی

مرزا محمد فضل بیگ نے مجھے لکھا ہے کہ ان کے اور شری پارکھا سارکتی کے درمیان ریاست جہول کثیر اور ہندوؤں کے درمیان تعلقات کے سلسلے میں اتنی اور پریقینہ ہو گیا ہے۔ ہماری تجویز پر ان کے مابین ان اور پریقینہ

بات چیت ہوئی ہے اور مجھے سٹریگی کی طرف سے دستاویزات کی کاپیاں موصول ہوئی ہیں جن میں وہ نقطے درج ہیں جن پر ان کے درمیان بھوتہ ہوا ہے اور وہ جی جن پر کوئی بھوتہ نہیں ہو سکا ہے۔

جن امور پر دولان ایلپیوں کے درمیان کوئی بھوتہ نہیں ہو سکا ہے ، ان امور سے متعلق اپنا نقطہ نظر میں نے کئی مرتبہ آپ پر واضح کیا ہے۔ مجھے پھر دوسرے ہے کہ آپ بہرہائی ہمارے نقطہ نظر کے لئے گنجائش پیدا کریں گی تاکہ میں اصل مدعا کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکوں۔

کچھ نقطوں پر یقینہ ہونے کے لئے انہیں آپ کے اور میرے اوپر چھوڑ دیا گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ جب ہمارے درمیان ملاقات ہوگی ، ہم اطمینان بخش طور پر ان نقطوں پر مفصل بات چیت کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ ایسا بھوتہ مرکز اور ریاست کے باہمی تعلقات کو مضبوط بنانے کے لئے میرے اور ریاست کے لوگوں کو دوڑنا بنیادیں فراہم کرے گا۔

ہم کہ ان امور پر بات چیت کر سکتے ہیں ، میں آپ کے موزوں جواب کا منتظر ہوں۔

احترام سے بھرپور آداب کے ساتھ

آپ کا صادق

دستخط

ایس۔ ایم عبداللہ

شرکتی اندرا گاندھی
وزیر اعظم ہند ، نئی دہلی

اس خط کے جواب میں وزیر اعظم ہند سزا اندرا گاندھی نے ۱۶ دسمبر ۱۹۷۴ء کو شیخ محمد عبداللہ کو مندرجہ ذیل خط لکھا :-

پرائیم منسٹر ہاؤس
نئی دہلی

۱۶ دسمبر ۱۹۷۷ء

ذیر شیخ صاحب

مجھے آپ کا ۱۵ نومبر ۱۹۷۷ء کا خط ملا ہے۔ شری جی پارٹھا سارثی نے مجھے وہ دستاویزی بھی دی ہیں، جو ان کے اور مرزا محمد فضل بیگ کے درمیان بات چیت کے نتیجے میں طے شدہ مجھوتے پر تیار کی گئی ہیں۔ آپ نے ان امور کا ذکر کیا ہے، جن پر ہمارے نمائندوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکا ہے آپ کو جو نبی علم ہے کہ یہ وہ بنیادی امور ہیں، جن پر ان کے درمیان مفصل بات چیت ہوئی ہے۔ اس بات چیت کے دوران بیگ صاحب نے آپ کے نظریات کو جو پیش کیا ہے اور شاید ہی ہمارے درمیان ان امور پر دوبارہ بات چیت سے کوئی نتیجہ حاصل ہو سکے گا۔

تاہم جب ہم ملیں گے تو ہم ان امور پر غور کر سکتے ہیں، جو ہماری سوچ بچار کے لئے مخصوص رکھے گئے ہیں۔

شری جی پارٹھا سارثی نے مجھ سے کہا ہے کہ آپ مجھے ریاستی آئین کے ان بنیادی خط و خال کی حاضرت میں لکھیں گے، جو نہ صرف ہم آہنگی کیلئے ضروری ہیں بلکہ ریاست میں حکومت کے جمہوری عمل کے بلے میں لوگوں کو اطمینان و اعتماد دلانے کی کارروائی کے لئے بھی۔

میلے حد آرزو مند ہوں کہ ہم اپنے مذاکرات کو اختتام تک پہنچائیں۔ مجھے آپ کی اس رائے سے مکمل اتفاق ہے کہ ہمارے درمیان سیاسی تعاون اُس شے کو اور مضبوط بنائے گا، جو ریاست جموں کشمیر اور یونین کے درمیان پایا جاتا ہے۔

بھیا کہ آپ جانتے ہیں، میں ان دنوں پارلیمنٹ میں بے حد مصروف ہوں۔ ہم ممکن ہے اس ماہ کے آخری ہفتے میں متفقہ طور پر مقرر کی گئی تاریخ کو مل سکیں گے۔

آپ کے لئے اور بیگ صاحب کیلئے نیک خواہشات کے ساتھ

دستخط

اندرا گاندھی

۲۹ دسمبر ۱۹۷۷ء کو شیخ محمد عبداللہ نے سرنگر سے مرزا اندرا گاندھی کو ایک اور خط لکھا۔ شیخ صاحب

کے اس خط کا متن درج ذیل ہے:

۱۰۔ مولانا آزاد روڈ

سرنگر (کشمیر)

۲۹-۱۲-۱۹۷۷ء

”خفیبہ“

مائی ذیر اندراجی

مجھے آپ کا ۱۶ دسمبر ۱۹۷۷ء کا خط موصول ہوا ہے

مجھے انوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ کے نمائندے کو مجھ سے یہ کہنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ میں آپ کو ریاست کے آئین کے ان بنیادی عوامل کی برقراری کے بارے میں لکھوں جو نہ صرف ہم آہنگی کیلئے بلکہ حوام کو ریاست میں حکومت کے جمہوری عمل کے بلے میں اطمینان دلانے کیلئے بھی ضروری ہیں۔ مجھے اس بات سے رنج ہوا ہے کہ جن قدروں کے لئے میں نے برسوں قربانیاں دیں اور مصائب برداشت کئے ان پر قائم نہ ہونے کیلئے مجھ سے تحریری یقین دہانی طلب کی جائے۔ اس رویے سے یہ بات واضح طور ثابت ہوتی ہے کہ مجھے مستقبل میں جن لوگوں سے واسطہ پڑے گا، ان کے ذہنوں میں برابر شک و شبہات پلنے والے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کو مجھ سے اتفاق ہوگا کہ ۹ اگست ۱۹۵۳ء کے من مانے اقدام کی وجہ سے ہندو کشمیر تعلقات کو جو زبردست زک پہنچی ہے

اس کا ازالہ ایک دوسرے پر مکمل اعتماد اور باہمی بھروسے سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس اعتماد میں ذرا بھی کمی ہو تو کسی سمجھوتے تک پہنچنے کی ہماری تمام تر کوششیں رائیگان ثابت ہوں گی۔

برصغیر کی تقسیم کے بنیادی اصولوں کے مد نظر، ۱۹۴۷ء میں ریاست جموں کشمیر پاکستان کے ساتھ شامل ہو جاتی لیکن کئی وجوہات کی بنا پر اس کے برعکس ہوا۔ ہندوستان کے بنیادی عقائد اور قدروں کے ساتھ ہماری یکجہالت کے سبب نیشنل کانفرنس کی قیادت نے مہاراجہ کی دستاویز الحاق کی حمایت کی۔ لیکن چند کشمیری تعلقات پائیدار بنانے کے لئے نیشنل کانفرنس کے اس نفل کی ریاستی عوام کے تمام حلقوں سے حمایت حاصل کرنے کے لئے اقدامات کرنے کی ضرورت تھی۔ ریاست کی اقلیتوں نے بے شک اپنے آپ کو اس وقت محفوظ تصور کر لیا جب نیشنل کانفرنس کی قیادت نے ہندوستان کے ساتھ ریاست کا الحاق کرنے کا فیصلہ کیا اور اس طرح ان کی حمایت لیتی تھی لیکن مسلم اکثریت کا کیا حال تھا؟ ریاست کے مسلمان بیک وقت ہندوستان کی کل آبادی میں اقلیت میں تھے اور اپنی ریاست کے اندر اکثریت میں تھے۔ اس طرح ان کے تمام خدشات کہ ان پر کل ہند اکثریت غالب ہے گی دور کئے جانے تھے اور انہیں اس بات کا یقین دلانا تھا کہ ریاست کے اندر بحیثیت اکثریت کے ان کے حقوق محفوظ رہیں گے۔ ان کے خدشات ریاست کی اندرونی خود مختاری کی ضمانت سے ہی دور کئے جاسکتے تھے۔ جیسا کہ دستاویز الحاق میں درج ہے۔ چنانچہ دو دنوں طے کے لیڈروں کے درمیان مرکز۔ ریاست تعلقات کے بارے میں ایک سمجھوتہ ہوا۔ ان تعلقات کو بناتے وقت مسئلے کے تمام پہلو اور حالات کی خصوصیت کو زیر غور رکھا گیا اور آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰، اپنی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

اس طریقے کے بارے میں میرے ذہن میں کوئی شک نہیں ہے۔ جس کے تحت حکومت ہند نے یکے بعد دیگرے آئین ہند کی خصوصی دفعوں میں تبدیلی کے تعلقات کی وہ بنیاد ڈالی جسے برسوں کی تھکا دینے والی محنت اور خلوص کے ساتھ قائم کیا گیا تھا۔ یہ یاد کرتے ہوئے میں بڑا دکھ اور کرب محسوس کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ ہندوستان کے ایک سابق وزیر خزانہ نے برسر عام دفعہ ۳۷۰ کو ایک ”ٹیل“ قرار دیا جس کا مطلب واضح طور پر تھا کہ اس کے ذریعے کشمیر کی داخلی خود مختاری ختم کی جائے گی اور حقیقت میں بڑی کوششوں کے

ساتھ بھی کچھ ہمارے چٹھے پیچھے ۹ اگست ۱۹۵۳ء کے بعد کیا گیا۔

حال ہی میں حکومت ہند کے ایک ذمہ دار عہدیدار نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ ہندوستان بنیادی حقوق کو ریاست کے آئین میں رکھ کر ریاست کے اقلیتی مسئلے کو اکثریتی فرقے کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ میں نے اسے بتایا کہ ہندوستان کا اس قسم کا طریقہ عمل اس مسلم اکثریت کا جس نے ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی قیادت پر مکمل اعتماد کیا۔ اور اس بات کا کافی ثبوت فراہم کیا کہ وہ ضرورت پڑنے پر نازک اوقات میں اپنی زندگیوں کے عوض اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کر سکتی ہے۔ اعتماد اور بھروسہ مکمل طور پر نیت و نالوڈ کر سکتا ہے تو اس سے کوئی جواب نہیں بن پایا۔

۱۹۵۷ء، ۱۹۶۲ء، ۱۹۶۴ء اور ۱۹۷۲ء میں ریاستی اسمبلی یا پارلیمنٹ کے لئے انتخابات کے موقعوں پر مجھے اور محاذ رائے شماری کے لیڈروں کو ایک مقصد کے تحت یا تو جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا یا پھر ریاست سے نکال دیا گیا۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ انتخابات میں بڑے پیمانے کی دھاندلیوں کا بھی سہارا لیا گیا۔ ان حربوں کو صرف اس لئے آزمایا گیا تاکہ ایک مخصوص پسند کی اسمبلی اور حکومت کا قیام عمل میں لایا جاتا اور ایک مؤثر اپوزیشن کو راستے سے ہٹایا جاتا اور اس طرح دفعہ ۳۷۰ کو ختم کرنا آسان بن جاتا۔ یہ ایک سلسلہ ہے، جو پچھلے بیس برس سے چل رہا ہے۔

اس تمام بے وفائی، مصائب اور سختیوں، جس کا ہم نے برسوں سے سامنا کیا ہے، کے باوجود میں نے آپ کی اس خواہش، جس کا آپ نے ۱۹۷۲ء میں اظہار کیا تھا کہ ہند کشمیر تعلقات کا از سر نو جائزہ لیا جائے، خیر مقدم کیا۔ میں نے آپ پر اور عوام پر کئی مرتبہ بیانات واضح کیے ہیں کہ ہندوستان کے ساتھ میرے اختلافات ریاست کے الحاق پر نہیں بلکہ الحاق کی مقدار پر ہیں۔ میں نے مہاراجہ کی دستاویز الحاق جس میں ریاست کی اندرونی خود مختاری کی ضمانت دی گئی ہے، کے تحت اپنی نیت ہندوستان کے ساتھ وابستہ کر دی۔ اگر یہ خود مختاری واپس لی جاتی ہے تو تعلقات کی بنیادی ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے میں نے یہ رائے آپ کے سامنے رکھی کہ اگر آپ اس اعتماد اور یقین جو ریاست کی اکثریت کو ہندوستان پر تھا اور اب ختم ہو گیا ہے، کو دوبارہ بحال کرنے میں میری مدد کرنا چاہتی

ہیں تو میں صرف اسی نقطے سے شروع کروں گا، جو میں نے اگست ۱۹۵۳ء میں چھوڑا تھا۔ اگرچہ میرے لئے یہ پوزیشن حاصل کرنا بھی مشکلات سے خالی نہیں اور مجھے بہت سے ایسے ذہنوں کا سامنا کرنا پڑے گا، جو شکوک و شبہات سے بھرے ہوں گے۔ لیکن اس کے باوجود میں ایک سچی کروں گا۔

آپ نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ وہ مسائل، جن پر ہمارے نمایندگان کے درمیان کوئی اتفاق نہیں ہو سکا ہے۔ اگرچہ بنیادی مسائل ہیں لیکن ہمارے درمیان ان اور پر دوبارہ تبادلہ خیال کرنے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان پر پہلے ہی بھرپور غور کیا گیا ہے۔ اگر ان بنیادی مسائل پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوتا تو ان مسائل پر بات چیت کرنے سے کیا حاصل ہوگا، جو بنیادی نہیں ہیں؟ ہمارے لئے وہ مسائل جن پر سمجھوتہ نہیں ہو سکا ہے بھی برابر اہم اور بنیادی درجہ رکھتے ہیں اور جب تک ان پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو جاتا، میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے درمیان مذاکرات کو طوالت دینے سے کوئی مقصد پورا ہوگا۔

بیگم صاحبہ تسلیمات بھیجتی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گی۔

آداب کے ساتھ

آپ کا صادق

(دستخط) شیخ محمد عبد اللہ

۳۰ دسمبر ۱۹۷۴ء کو نثار احمد کے ہاتھ بھجیا گیا

شیخ محمد عبد اللہ کے اس خط کا کوئی جواب ایسٹارڈ کی دتاویزات میں موجود نہیں۔ البتہ شیخ صاحب

جب فروری ۱۹۷۵ء کے شروع میں نئی دہلی گئے تو انہوں نے ان تمام مسائل پر وزیر عظم ہند سے بات چیت کی، جو بے منت سبجری اور جس کے بعد نئی دہلی سے ہی ۱۱ فروری ۱۹۷۵ء کو شیخ صاحب کو اپنے

—۲۲۲—

رہنما گاندھی کو مندرجہ ذیل مراسلہ بھیجا:۔

۳۔ کوٹلا لین

نئی دہلی۔

۱۱ فروری ۱۹۷۵ء

مانی ڈیر وزیر عظم

میں نے تصفیہ کی دتاویزات کا مضمون دیکھا ہے، جو شری جی۔ پارٹھا سارثی اور زار محمد فضل بیگ کے درمیان ان مختلف آئینی امور پر طے پایا ہے۔ جو ریاست جموں کشمیر اور ہندوؤں کے درمیان مرکز ریاستی تعلقات سے متعلق ہے۔ میں نے دتاویز کا مطالعہ کیا اور آپ کے ساتھ بھی تبادلہ خیال کیا۔ جیسا کہ آپ واقف ہیں۔ میری رائے میں مرکز اور ریاست جموں کشمیر کے درمیان آئینی تعلقات وہی ہونے چاہئیں، جو ۱۹۵۳ء میں تھے۔ تاہم مجھے یہ کہتے ہوئے خوش محسوس ہو رہی ہے کہ جن امور پر تصفیہ ہوا ہے، وہ ریاستی سطح پر اور مرکز ریاستی تعلقات کے سلسلے میں میرے تعاون کے لئے ایک اچھی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

مجھے احساس ہے کہ مذاکرات کا اصلی مقصد دونوں طرف کی غلط فہمیوں کو دور کرنا تھا تاکہ مرکز اور ریاست کے درمیان رشتے کو مزید مضبوط بنایا جائے اور ریاست کے لوگوں کی سماجی بہبود اور ترقیاتی اقدامات کے لئے راہ ہموار کی جائے۔

ہندوستان کے ساتھ ریاست جموں کشمیر کے الحاق پر کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ہمارے مشترک عقاید کے پیش نظر میرا یہ پختہ یقین ہے کہ جموں کشمیر کا مستقبل ہندوستان کے ساتھ وابستہ ہے۔ میرے ریاستی اور مرکزی سطح پر تعاون کے لئے آمادہ ہو جانے کا حقیقی مقصد ریاستی حکومت کے ریاست کے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے اقدامات کو یقینی بنانا ہے جسے کہ میں نے ہمیشہ اپنا مقدس سرعہ سمجھا ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ میرے اس جذبہ کی قدر کریں گی۔ ملک کی سالمیت اور ترقی کی حفاظت کے لئے ریاست جموں کشمیر کی طرف سے اپنا حصہ ادا کرنے

—۲۲۳—

کو یقینی بنانے میں میری مستقل جدوجہد جاری رہے گی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے یقین ہے کہ مرکزی حکومت ریاستی حکومت کی طرف سے ریاست کے ہندوستان کا ایک الٹ حصہ ہونے کی حیثیت میں اسکے عوام کی مزید ترقی اور بہبود کیلئے اس کی طرف سے کئے گئے اقدامات کے سلسلے میں ریاستی حکومت کو اپنا بھرپور تعاون دے گی۔

ملک اس وقت ایک نازک دور سے گزر رہا ہے اور ہم سب جو جمہوریت، سیکولازم اور موشلزم کے اصولوں میں یقین رکھتے ہیں، کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم ملک کی قیادت ہونے کی حیثیت میں آپ کے ساتھ مضبوط بنائیں اور میری طرف سے بھرپور ملی تعاون کے پیچھے بھی مقصد کا درملا ہے۔

آپ کا صادق

(دستخط) شیخ محمد عبداللہ

شیخ محمد عبداللہ کے اس مکتوب کے جواب میں وزیر اعظم ہندوستان لگانندھی نے انہیں اگلے دن ۱۲ فروری

۱۹۷۵ء کو خط لکھا ہے:

”رازدارانہ“

وزیر اعظم

نئی دہلی

۱۲ فروری ۱۹۷۵ء

ڈیر شیخ صاحب!

مجھے آپ کا خط حاصل کر کے خوشی محسوس ہوئی۔ جس میں آپ نے اس سمجھوتے کی منظوری دی ہے۔ جو مرزا محمد فضل بیگ اور شری جی۔ پارٹھاسارثی کے درمیان ریاست جموں کشمیر کے مرکز کے ساتھ تعلقات کے متعلق مختلف آئینی پہلوؤں پر ہوا ہے۔ اور جس میں آپ نے ریاست جموں کشمیر کے عوام کی بہبود کو مزید وسعت دینے کے لئے اپنی طرف سے سیاسی اور سرکاری سطح پر مکمل اور ملی تعاون دینے کا عزم ظاہر کیا ہے۔ میں ریاست

—۲۴۲—

جموں کشمیر کے معاملے میں مرکز ریاستی تعلقات کے سلسلے میں آپ کے خیالات سے واقف ہوں میں نے پہلے ہی آپ پر یہ بات واضح کر دی ہے کہ گھڑی کی سوئیاں پیچھے کی طرف نہیں لوٹانی جاسکتیں اور ہمیں موجودہ حالات کے حقائق کو مدنظر رکھنا ہے۔ میں آپ کے اس جذبہ کی قدر کرتی ہوں جس کے تحت آپ نے متفقہ امور کے ضوابط پر اپنے اتفاق رائے کا اظہار کیا ہے۔

متفقہ طور کا جائزہ لیا گیا ہے اور میں اس پوزیشن میں ہوں کہ آپ کو مطلع کروں کہ ان پر نظر عمل درآمد کے لئے جو موزوں اور صحیح اقدام ضروری سمجھا جائے گا، کیا جائے گا۔ میں ریاست کے وزیر اعلیٰ کے ساتھ رابطہ قائم رکھے ہوئے ہوں اور آپ کے ساتھ نیا ہی تعاون اور ریاست اور مرکز کے درمیان تعاون کے سلسلے میں جو مفاہمت ہوئی ہے، وہ اس سلسلے میں سیاسی تعاون دینے پر آمادہ ہیں۔

مرکزی حکومت بلاشبہ ریاستی حکومت کی طرف سے ریاست کے لوگوں کی ترقی اور بہبود جو مرکزی حکومت کے لئے بھی برابر اہمیت رکھتی ہے، کے لئے کئے جانے والے اقدامات کے سلسلے میں ریاستی حکومت کو اپنا بھرپور تعاون دینے کے لئے آمادہ ہوگی۔

جیسا کہ آپ نے بھی اشارہ دیا ہے کہ اس وقت ملک نازک دور سے گزر رہا ہے اور یہ بات میرے لئے باعث اطمینان ہے کہ آپ جیسے مرتبہ کا ایک شخص، جس نے ملک کی جدوجہد آزادی میں اپنا بھرپور حصہ ادا کیا ہے، ملک کو مستحکم بنانے اور اس کے نظریات کو زندہ رکھنے کے لئے سامنے آنا چاہتا ہے۔

آپ کی صادق

(دستخط) اندر گاندھی

اس کے ٹھیک دو مہینے بعد یعنی ۲۵ فروری ۱۹۷۵ء کو سید میر تقی میر کی سچے شیخ محمد عبداللہ کو جموں کشمیر کا وزیر اعلیٰ بنا دیا گیا۔



مجاہد منزل میں غاڈ رانے شماری کے کارکنوں کے ایک اجلاس میں غاڈ کا نام بدل کر نیشنل کانفرنس رکھ
 دیا گیا۔ ۵ اگست ۱۹۴۵ء کو بنگلہ دیش کے بانی شیخ مجیب الرحمن اور ان کے تمام ساتھیوں اور ہمنواؤں کے قتل
 کئے جانے کی خبر کشمیر میں بڑی توجہ اور دلچسپی کے ساتھ سنی گئی اسی دوران کانگریس اور نیشنل کانفرنس کے درمیان کشیدگی
 نے نئی دہلی کو مزید پریشان کر دیا اور شیخ محمد عبداللہ نے میزبانہ راگاندھی سے یہ اپیل کی کہ وہ یہاں کانگریس کو قائم رکھنے
 کی بجائے نیشنل کانفرنس ہی کو کانگریس کی ریاستی شاخ تسلیم کر لیں۔ لیکن میزبانہ راگاندھی نے شیخ محمد عبداللہ کی اس تجویز
 کو بڑی سختی کے ساتھ مسترد کر دیا اور اپنی پارٹی کے لیڈروں کو دہلی بلا کر یہ مشورہ دیا کہ وہ کشمیر میں کانگریس کو مضبوط
 بنائیں، چنانچہ اس سلسلے میں کانگریس کی ریاستی شاخ کو دوبارہ منظم کیا گیا اور مفتی محمد سعید اس کے صدر بنائے گئے
 شیخ محمد عبداللہ نے اس کے خلاف معمولی اظہار ناراضگی کیا ان کے رد عمل پر کشمیر کے گورنر کو فوراً دہلی بلا دیا گیا۔ جو
 ۸ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو واپس آئے۔ ۸ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو شیخ محمد عبداللہ نے لال چوک میں ایک جلسہ بٹایا جس
 میں کانگریس پارٹی کی مخالفت کرتے ہوئے انہوں نے کہا نئی دہلی کشمیریوں کی عزت سے کھیلنا چاہتی ہے لیکن ہم اپنی تو حسین
 برداشت نہیں کریں گے اس پر نئی دہلی کا مزاج کچھ مزید بگڑا چنانچہ اس کے اگلے دن ہی ہندوستان کی وزیراعظم

نئی دہلی سے سری نگر آئیں اور یہاں شیخ محمد عبداللہ ان کے رفقاء اور نیشنل کانفرنس والوں نے اگرچہ ان کا بڑا پرجوش استقبال کیا۔ لیکن اس کے باوجود اکتوبر ۱۹۴۵ء کو ہندوستان کی وزیر اعظم نے سری نگر کے ایسپوریم گارڈن میں اپنی پارٹی کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ یہ کشمیر کے لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے کہ وہ یہاں کانگریس کو رہنے دیں گے یا ختم کریں گے اگر کشمیر کے سارے لوگ بھی یہ چاہیں کہ یہاں کانگریس ختم ہو پھر بھی ایسا نہیں ہو گا۔ یہ کانگریس ہی تھی جس نے شیخ محمد عبداللہ سے سمجھوتہ کیا اور انہیں اقتدار بخشا۔ سید میر قاسم کو کوئی نہیں ہٹا سکتا تھا اور نہ ہیں اس کی ضرورت تھی لیکن ہم نے یہ پسند نہیں کیا کہ کشمیر کے لیڈر آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں اس لئے میر قاسم نے یہ پیش کش کی کہ اگر ان کے اقتدار سے طغیاء ہو جانے سے ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے تعلقات مزید مضبوط ہوتے ہیں تو وہ یہ قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں چنانچہ انہوں نے یہ قربانی دیش کے لئے کی۔ ہمیں فخر ہے کہ کانگریس نے کشمیر کے بے شمار مشکلات پر قابو پایا ہے اور اسے آئندہ بھی لوگوں کی خدمت کرنا ہے۔ مسز گاندھی کی اس تقریر کے ریڈیو پر نشر اور اخبارات میں شائع ہونے پر نیشنل کانفرنس کے حلقوں میں شدید رد عمل ہوا۔ لیکن خود شیخ صاحب نے اس پر کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا اور جب ۱۳ اکتوبر کو لوگوں کو معلوم ہوا کہ کشمیر میں مسز گاندھی سے ملنے ٹیسٹ باؤس گئے اور ان کی یہ تجویز قبول کر لی کہ سید میر قاسم مسز آدم مہتا مسٹر بیگ اور دیوی داس ٹھاکر پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جائے جو نیشنل کانفرنس اور کانگریس کے علاوہ ریاستی حکومت اور مرکز کے درمیان مختلف مسائل طے کیا کرے گی۔ تو کشمیری عوام کو بڑی مایوسی ہوئی اور پھر ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو شیخ صاحب نے لال چوک میں نیشنل کانفرنس کا پہلا پبلک جلسہ بلایا۔ جس میں انہوں نے اعلان کیا کہ وہ نئی دہلی یا ریاستی کانگریس سے محاذ آرائی نہیں چاہتے البتہ نیشنل کانفرنس کو مضبوط بنانا چاہتے ہیں اس جلسہ میں وہ خود بھی نیشنل کانفرنس کے ممبر بن گئے اور بعد میں وہ اس پارٹی کے صدر بن گئے لیکن ان کی نرم روی کے باوجود ریاستی کانگریس کے لیڈر ان کی نکتہ چینی کرتے رہے اور جب دوبارہ دونوں پارٹیوں کے درمیان محاذ آرائی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تو شیخ محمد عبداللہ نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ کشمیر اسمبلی کے لئے نئے سرے سے انتخابات کروائے جائیں

لیکن نئی دہلی نے ان کا یہ مطالبہ منظور نہیں کیا اور اس کے ساتھ ہی شیخ صاحب سے یہ کہا گیا کہ وہ کانگریس کو اپنی کابینہ میں مزید اور بھرپور نمایندگی دیں تاکہ کانگریس اقتدار میں با اثر حصے دار کا رول ادا کر سکے جنوری ۱۹۴۶ء کے پہلے ہفتے میں پردیش کانگریس کے صدر مفتی محمد سعید نے مجھے ایک ملاقات کے دوران بتایا کہ اگر شیخ محمد عبداللہ نے ہمیں وراثت میں بھرپور نمایندگی دینے سے انکار کر دیا تو ہم ان کے خلاف اسمبلی میں عدم اعتماد کر دیں گے اس خبر کی اشاعت پر شیخ محمد عبداللہ نے جونئی دہلی میں تھے سید میر قاسم کے ساتھ ملاقات کی اور ان سے اس معاملے پر تبادلہ خیال کیا لیکن سید میر قاسم نے انہیں یقین دلادیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی البتہ اس کے ساتھ ہی خود سید میر قاسم کے علاوہ ریاستی کانگریس کے بعض دوسرے لیڈروں نے بھی یہ تحریک شروع کر دی کہ شیخ محمد عبداللہ ریاستی سیاست تک محدود رہنے کی بجائے ملک کے وسیع سیاسی دائرے میں جا کر کام کریں۔ چنانچہ شیخ محمد عبداللہ نے نئی دہلی میں مسز گاندھی کے ساتھ ایک گفتگو کی ملاقات کے دوران یہ یقین دہانی حاصل کی کہ انہیں اقتدار سے نہیں ہٹایا جا رہا ہے اور اس کے بعد وہ ایک کچھل ٹروپ لیکر ہندوستان کی مختلف ریاستوں کے دورے پر گئے۔ ۱۶ فروری ۱۹۴۶ء کو ریاستی اسمبلی کے اجلاس میں شیخ محمد عبداللہ نے یہ تجویز پیش کی کہ سیاسی معاملات چند برس تک پس پشت ڈال دیئے جائیں اور ساری توجہ اقتصادی ترقی پر مرکوز کی جائے لیکن کانگریس ممبروں نے ان کی اس تجویز کی مخالفت کی۔ اس اجلاس میں ریاستی اسمبلی کی کانگریس پارٹی میں پھوٹ پڑ گئی اور ہندو وارہ کے ایک نوجوان ممبر عبدالنئی لون کی قیادت میں کانگریس ممبران اسمبلی کا ایک گروپ جو دس افراد پر مشتمل تھا کانگریس الگ ہو گیا اس اقدام کو نئی دہلی نے ناپسند کیا اور وہاں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ شیخ محمد عبداللہ کانگریس ممبران اسمبلی کو ملوٹر کر اپنے ساتھ لایا جاتا ہے ہیں۔ ان معاملات پر براہ راست شیخ محمد عبداللہ اور ریاستی کانگریس کے لیڈروں کے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے ہندوستان کی وزیر اعظم مسز گاندھی، مارچ ۱۹۴۶ء کو جنوبی پنجاب اور دہلی و دہلی قیام کے دوران ریاست کے گورنر اپنی پارٹی کے لیڈروں اور شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ کانگریس اور نیشنل کانفرنس کے درمیان تعلقات پر بات چیت کی۔ اس موقع پر جنوبی میں پردیش کانگریس کا کنونشن

بھی طلب کیا گیا جس میں شیخ محمد عبداللہ کی حکومت کی پالیسیوں کی کڑی محکمہ چینی کی گئی لیکن سرگزندھی نے اپنی پارٹی کے لیڈروں کو ہدایت دی کہ وہ شیخ محمد عبداللہ کی حکومت کے خلاف تب تک کوئی عملی اقدام نہ کریں جب تک شیخ محمد عبداللہ ان سے تعاون کرتے رہیں البتہ انہوں نے جسٹس کشمیر میں کانگریس کو متحرک کرنے اور اس کی سرگرمیاں تیز کرنے کے لئے کہا اور دوسری طرف شیخ محمد عبداللہ کو کہا گیا کہ وہ ریاستی کابینہ میں کانگریس کے بعض سرکردہ لیڈروں کو وزیر بنائیں۔ ۲۴ اپریل ۱۹۶۶ء کو شیخ محمد عبداللہ نے جموں میں نیشنل کانفرنس کا پہلا کنونشن بلایا جس میں انہوں نے اعلان کیا کہ وہ اور ان کی پارٹی نیشنل کانفرنس اس کنٹریکٹ کو اپنا نصبی قرار دیتی ہے جو ۱۹۴۷ء سے پہلے اس کا نصب العین تھا اور چونکہ اب نئی دہلی سے مجھوتہ ہو چکا ہے اس لئے اب ریاست کی تعمیر و ترقی اس پارٹی کا واحد نصب العین ہو گا۔ اس اجلاس میں ایک قرارداد پاس کی گئی جس میں اعلان کیا گیا کہ شیخ محمد عبداللہ اور سرگزندھی کے درمیان سمجھوتے سے کشمیر کا سیاسی مسئلہ حل ہو گیا ہے اور جموں کشمیر اور نئی دہلی کے درمیان تعلقات کا ایک نیا دور شروع ہو گیا ہے لیکن شیخ صاحب کے اس اعلان کے باوجود ریاستی کانگریس نے ان کے خلاف سیاسی مہم جاری رکھی اور اقتدار میں بھرپور شرکت کے مطالبے پر اصرار کیا جانے لگا۔ اسی دوران ۲۵ جون ۱۹۶۶ء کو کشمیر کے سابق وزیر اعلیٰ سید میر قاسم کو مرکز کی کابینہ میں شامل کر لیا گیا اور مرکز میں کشمیر کے ایک وزیر کی شمولیت کے مسئلے پر شیخ صاحب سے مشورہ تک نہیں کیا گیا جس کی بنا پر ریاستی کانگریس اور نیشنل کانفرنس کے درمیان کشیدگی بڑھ گئی۔ اس مسئلے پر بات چیت کے لئے کانگریس کے صدر سید میر قاسم کے ہمراہ ۵ جون ۱۹۶۶ء کو نئی دہلی سے سری نگر آئے اور یہاں شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ طویل بات چیت کی لیکن اس بات چیت کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا۔ اس کے بعد بعض مرکزی لیڈر جن میں سردار سولہ سنگھ اور مسٹر اوم مہتا بھی شامل تھے ریاستی کانگریس اور نیشنل کانفرنس کے درمیان مفاہمت کروانے میں سرسنگراتے اور پھر ۱۶ جولائی کو اس مسئلے پر بات چیت کے لئے خود شیخ صاحب نئی دہلی گئے لیکن بات چیت کے دوران کچھ بھی طے نہ پاسکا اس کے بعد ۲۶ جولائی کو سرگزندھی نے سرٹار تھا

سار تھی کو سری نگر بھیجا انہوں نے سری نگر میں شیخ صاحب اور مسٹر بیک کے ساتھ طویل بات چیت کی جس میں شیخ کانفرنس کے لیڈر اس بات پر بضد رہے کہ ریاست میں بلدیاتی انتخابات کروائے جائیں گے اور ان انتخابات میں یہ پارٹی ریاستی کانگریس کے ساتھ اشتراک نہیں کرے گی۔

۲۸ اگست ۱۹۶۶ء کو ریاستی اسمبلی کے ان دنوں کانگریسی ممبروں نے جو کانگریس سے الگ ہو گئے تھے نیشنل کانفرنس میں شمولیت کا اعلان کر دیا یہ اعلان سرسنگراتے ایک پبلک اجتماع میں کیا گیا اور اس اجتماع میں وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے بھی شمولیت کی۔ شیخ صاحب کا یہ اقدام ریاستی کانگریس کے خلاف ایک سازش قرار دیا گیا اور اس پر نئی دہلی میں بھی کوئی اچھا رد عمل نہیں ہوا۔ ریاستی اسمبلی کے ان باغی کانگریسی ممبروں کی قیادت کانگریس کے ایک سابق وزیر تسلیم مسٹر عبدالغنی لون کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی شیخ صاحب نے ریاست کی مینسٹریل کمیٹیوں اور ٹاؤن ایریا کمیٹیوں کے انتخابات کروانے کے پروگرام کا اعلان کر دیا یہ انتخابات اکتوبر میں کروانے کا فیصلہ کیا گیا اور اس کے لئے نیشنل کانفرنس نے تیاری شروع کر دی۔ پروگرام کے مطابق ۲۹ ستمبر کو کاغذات نامزدگی داخل کرنا تھے۔ شیخ محمد عبداللہ کے نئی دہلی کے ساتھ مجھوتہ اور اقتدار سنبھالنے کے باوجود کشمیر میں سیاسی بے چینی اور مایوسی برابر بڑھ رہی تھی۔ چنانچہ ۱۰ ستمبر کو اچانک انڈین ایئر لائنز کا ایک طیارہ نئی دہلی سے جے پور کے لئے پرواز کر رہا تھا اغوا کر کے لاہور پہنچایا گیا۔ یہ طیارہ ان کشمیری نوجوانوں نے ہائی جیک کیا تھا جو ہندوستان کے خلاف جدوجہد جاری رکھتے ہوئے تھے۔ جو لوگ طیارے کو ہائی جیک کر کے لے گئے ان کے نام محمد رفیق، غلام حسن، راہر، عبدالرشید شوپیان، غلام نبی، غلام رسول، حجام اور عبدالحمید دیوانی (گروپ لیڈر) تھے۔ ان کا مقصد یہ طیارہ لیبیا یا سعودی عرب لے جانا تھا۔ لیکن پائلٹ نے ایندھن نہ ہونے کا بہانہ بنایا جس پر اسے ہائی جیک کرنے والے اس خیال سے لاہور لے گئے کہ وہاں سے ایندھن مل جائے گا لیکن پاکستانی حکام نے یہ طیارہ ضبط کر لیا اور اسے ہائی جیک کرنے والوں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا اور بعد میں ان پر مقدمہ چلایا گیا۔

اور کشمیر میں بلدیاتی انتخابات کے لئے ساری تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں کہ شیخ صاحب نے نئی دہلی اور ریاستی کانگریس کے دباؤ کے تحت ۱۲ اکتوبر کو یہ انتخابات ملتوی کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی لیکن بعد میں بہر اکتوبر کو ریاستی حکومت نے پھر باقاعدہ طور پر بلدیاتی انتخابات کروانے کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا جس کے تحت اکتوبر کے تیسرے ہفتے میں بلدیاتی انتخابات ہونا تدار پائے۔ اس پر آل انڈیا کانگریس کے صدر مہر بھادراؤ اکتوبر کو سرینگر آئے اور نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کے ساتھ بات چیت کی اور جب بات چیت کا کوئی ٹھوس نتیجہ نہیں نکل سکا تو مہر بھادراؤ نے شیخ محمد عبداللہ کو نئی دہلی آنے کے لئے کہا اور اس کے ساتھ ہی ریاستی کانگریس کے لیڈر بھی دہلی بلائے گئے۔ شیخ صاحب ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو نئی دہلی پہنچے جہاں ان کے اور کانگریسی لیڈروں کے درمیان پھر بات چیت ہوئی اور ہندوستان کی وزیر اعظم کے کہنے پر شیخ محمد عبداللہ اپنی کابینہ میں کانگریس کو بھرپور نمائندگی دینے پر آمادہ ہو گئے وہ ۱۲ اکتوبر کو واپس سری نگر آئے اور ۱۳ اکتوبر کو اپنی کابینہ میں توسیع کا اعلان کر دیا جس کے مطابق کانگریس کے مسٹر علی محمد نایک ، مسٹر عبدالنہی گوئی ، مسٹر منگل رام اور سردار رنگیل سنگھ کو کابینہ کے درجے کا وزیر بنایا گیا اور جو کانگریس کے ممبر اپنی پارٹی چھوڑ کر نیشنل کانفرنس میں شامل ہو گئے تھے ان میں سے عبدالنہی میر محمد شرف خان اور سے محمد شفیع کو بھی نائب وزیر بنایا گیا ان سب افسر اد کو نائب وزیر بنانے پر ریاستی کانگریس ناراض ہو گئی اور انہوں نے ہندوستان کی وزیر اعظم سے اس کی شکایت کی شیخ محمد عبداللہ جو کانگریس کی حمایت سے وزیر اعلیٰ بنے ہیں کانگریس چھوڑ کر جانے والے باغی ممبران اسمبلی کی حوصلہ افزائی کر کے ریاستی کانگریس کو کمزور بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ نئی کابینہ کے حلف اٹھانے سے پہلے ہی سرنگاندھی نے اپنے کانگریسی ممبروں کو حکم دیا کہ وہ وزارت میں شمولیت کا حلف نہ اٹھائیں جس پر نیشنل کانفرنس کی قیادت سخت پریشان ہو گئی، کیونکہ شیخ محمد عبداللہ وزیروں کے ناموں اور ان کے محکموں تک کا اعلان کر چکے تھے، حلف اٹھانے کے لئے ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۷ء کی تاریخ مقرر تھی چنانچہ وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ اور نیشنل کانفرنس کے وزیر ٹھیک ڈس

صبح گورنر ہاؤس پہنچے جہاں نئی کابینہ کو حلف اٹھانا تھا۔ وزیر اعلیٰ جب گورنر ہاؤس پہنچے تو انہیں بتایا گیا کہ جرنل کانگریسی ممبروں کو انہوں نے وزیر بنایا ہے۔ انہوں نے حلف اٹھانے کی تقریب کا بائیکاٹ کر دیا ہے اور وہ حلف اٹھانے نہیں آئے ہیں۔ اس پر وزیر اعلیٰ نے گورنر سے کہا کہ وہ فی الحال نیشنل کانفرنس کے وزیروں کو ہی حلف دلاؤں لیکن ان کی یہ تجویز بار آور نہیں ہو سکی اس کے برعکس گورنر نے انہیں یہ ترغیب دی کہ شیخ صاحب نے اپنی وزارت اعلیٰ کی کرسی برقرار رکھنے کے لئے نان لیا کہ حلف اٹھانے کی رسم منسوخ کر دی جائے اور اس مقصد کے لئے گورنر ہاؤس میں جو تقریب ہو رہی ہے اس میں شیخ صاحب خود اس بات کا اعلان کریں اور نیشنل کانفرنس اور کانگریس کے درمیان مفاہمت کو برقرار رکھنے کے لئے کانگریس کی طرف سے پیش کی گئی شرائط کو قبول کرنے کا بھی اعلان کریں۔ چنانچہ اس تقریب میں جو مقررہ وقت سے تقریباً ایک گھنٹہ بعد شروع ہوئی، شیخ محمد عبداللہ گورنر کے ساتھ وارد ہوئے۔ گورنر صاحب کے چہرے سے اطمینان ٹپک رہا تھا اور شیخ صاحب نہایت اترے ہوئے چہرے اور منموم لہجے میں بایک پرا کر ایک تحریری بیان پڑھ کر سنایا جس میں سامنے لائے کہ گورنر کے مشورے پر حلف اٹھانے کی یہ تقریب منسوخ کی جا رہی ہے اور میری حکومت نے بلدیاتی انتخابات کروانے کا جو پروگرام شہر کر رکھا ہے۔ کانگریس کے ساتھ مفاہمت کو برقرار رکھنے کے لئے اسے بھی منسوخ کیا جا رہا ہے۔ شیخ صاحب کے اس ڈرامائی اور غیر متوقع اعلان پر مرزا محمد افضل بیگ نے جو کابینہ میں وزیر مال تھے، اخباری نمائندوں کے قریب آکر کہا کہ میں خبر گرم کر غالب کے اڑیں گے پرنز نے دیکھنے ہم بھی گئے پردہ تماشہ نہ ہوا۔ اصل میں بیگ صاحب کو یہ بات ہرگز گوارا نہ تھی کہ خواجہ غلام محمد شاہ اور بیگ صاحب کے ایک کٹر مخالف غلام نبی کو چپ کو بھی کابینہ کے درجے کا وزیر بنایا جائے۔ اس لئے جب وزارت میں توسیع کا معاملہ ٹھپ ہو گیا تو اس پر سب سے زیادہ بیگ صاحب کو خوشی ہوئی۔

اس کے اگلے دن یعنی ۱۶ اکتوبر کو وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے ہندوستان کی وزیر اعظم گاندھی کو سری نگر سے زعفران کے پھولوں کا ایک ٹکڑا اور دیوالی پر مبارکبادی کا پیغام بھیجا اور پھر ۲ نومبر کو مسٹر بیگ

دہلی بھیجے گئے تاکہ وہ نئی دہلی کو یقین دلائیں کہ نیشنل کانفرنس کی قیادت ہندوستان کی پوری طرح وفادار ہے
 میٹریک نے نئی دہلی میں مسٹر گاندھی کو یہ بھی یقین دلایا کہ ہندوستان کی وزیراعظم آئین میں جو تبدیلیاں لارہی
 ہیں، نیشنل کانفرنس ان کی مکمل حمایت کرے گی حالانکہ ان تبدیلیوں کی بنا پر ہندوستانی آئین کی دفعہ ۳۷۰ اور
 اس کے تحت جموں کشمیر کو دی گئی مراعات اور اختیارات بالکل ختم ہو جاتے۔ نیشنل کانفرنس کی قیادت اب پوری
 طرح بے بس ہو چکی تھی اور بے بسی کے اس عالم میں عوام کی توجہ تعمیراتی کاموں کی طرف لگانے کی کوشش
 کی جا رہی تھی لیکن عوام میں نیشنل کانفرنس کے خلاف غم و غصہ اور کٹھ پتلی برابری جاری تھی، کیونکہ
 نیشنل کانفرنس کی حکومت نئی دہلی کے ہر ارشاد اور ہر ہدایت کے تابع ہو کر رہ گئی تھی اور اسے اس بات
 کا ڈر ابھر بھی اندازہ نہیں تھا کہ ہندوستان میں اندرا گاندھی کے خلاف اندر ہی اندر جولا داپک رہا ہے
 وہ کسی بھی وقت پھوٹ سکتا ہے اور وحشیانہ جبری کے نفاذ سے لوگوں کی جو آواز دہائی گئی ہے وہ ہمیشہ
 کے لئے ہنسن دہکتی۔



کشمیر میں
 پہلی مرتبہ گورنر راج



پاکستان میں وزیر اعظم مسٹر جھٹ نے ۱۹۶۷ء کو جوہی یہ اعلان کیا کہ پاکستان میں پارلیمنٹ
 اور صوبائی اسمبلیوں کی مقررہ معیاد ختم ہونے سے پہلے ہی، مارچ کو عام انتخابات کو دئے جائیں گے تو اس کا ہندوستانی
 رائے عام میں عجیب و غریب رد عمل ہوا کیونکہ مسٹر گاندھی نے ایمر جنسی نافذ کر کے ہندوستانی عوام کے تمام ترجمہ پوری حقوق
 سلب کر رکھے تھے۔ ان نئے سیاسی رجحانات جو ہندوستان میں نظر آ رہے تھے کو محسوس کئے بغیر شیل کانفرنس کی قیادت
 ہندوستانی وزیر اعظم کی خوشنودی حاصل کرنے اور راستی کا کر لیں کچھ اختلافات کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی
 چنانچہ وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ ۱۵ جنوری ۱۹۶۷ء کو جموں سے نئی دہلی گئے اور وہاں بات چیت کے بعد کلکتہ کے دور پر گئے
 کہ اسی دوران ۱۸ جنوری ۱۹۶۷ء کی شام کو ہندوستان کی وزیر اعظم مسٹر گاندھی نے اپنے ایک اچانک اور ڈرامائی ریڈیو برادے کا
 میں ہندوستانی پارلیمنٹ کو توڑنے اور اس کے لئے مارچ میں انتخابات کو دئے کا اعلان کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی تمام
 پوزیشن لیڈر اس کو برا کرنے اور اخبارات پر سے سنسر شپ ہٹانے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ پارلیمنٹ کے لئے انتخابات کے اعلان

کے ساتھ ہی جموں کشمیر کے کانگریسی لیڈروں نے راجپوتی اسمبلی کے لئے بھی اسی کے ساتھ انتخابات کو دینے کا مطالبہ کر دیا اور
 جونہی اس مطالبے کی اطلاع شیخ محمد عبداللہ کو ملی۔ وہ مغربی بنگال کا اپنا دورہ منسوخ کر کے فوراً نئی دہلی لوٹ آئے۔ اور وہاں
 یکم فروری ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی وزیراعظم کانگریس کے صدر مرکز و وزیر سپریم کورٹ و وزیر سٹراٹوم ہمت
 کے ساتھ انتخابات کے مسئلے پر بات چیت کی نئی دہلی میں ہونے کے باوجود شیخ محمد عبداللہ نے ہوا کے بدلے ہونے رخ کا
 اندازہ نہ کیا۔ وہ نئی دہلی میں ہی تھے کہ کانگریس کے ایک سرکردہ لیڈر مشرک جیون رام نے مرکزی کابینہ سے استعفیٰ دے
 دیا اور اپنے بہت سے حامیوں سمیت اپوزیشن سے جاملے۔ شیخ محمد عبداللہ کے مشورے پر ہندوستان کی وزیراعظم نے جموں کشمیر
 کانگریس پارٹی کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا کہ پارلیمنٹ کے ساتھ ساتھ جموں کشمیر اسمبلی کے انتخابات بھی کرانے جائیں۔ اسمبلی کی برقراری
 کا اطمینان حاصل کرنے کے بعد شیخ محمد عبداللہ نئی دہلی سے جموں آگئے جہاں انہوں نے ۴ فروری ۱۹۴۷ء کو ایک پری کانفرنس
 میں یہ انکشاف کیا کہ ان کے اور ہندوستان کی وزیراعظم کے درمیان بالائی انتخابات کے لئے سیٹوں کی تقسیم پر جھگڑا ہو چکا ہے۔
 اور اس کے مطابق راجپوتی کانگریس اور نیشنل کانفرنس میں انتخابی مقابلہ نہیں ہوگا اس کے ساتھ ہی انہوں نے ہندوستان کی پارٹی
 پارٹیوں کو خبردار کیا کہ وہ کشمیر سے الگ رہیں کیونکہ کشمیر میں کمیونزم کا داخلی جہان برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے وزیر کشمیر
 کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ جموں کشمیر میں ضلع بارہمولہ، ضلع سرنگا پور، ضلع جٹوٹ کے لئے نیشنل کانفرنس اپنے امیدوار اور ضلع
 اوچم پور، ضلع اسلام آباد اور ضلع لداخ کے لئے کانگریس اپنے امیدوار کھڑے کرنے کی چھاپہ اس فیصلے کے مطابق مرتب کرے
 ۔ یکم شیخ محمد عبداللہ کو، ضلع بارہمولہ سے عبداللہ کوئل اور ضلع جموں سے بلراج پوری کو نیشنل کانفرنس نے کھڑا کیا اور اس کے
 ساتھ ہی ضلع جموں، ضلع اسلام آباد اور لداخ میں کانگریسی امیدواروں کی کامیابی کے لئے متعادلوں کا یقین بھی دلا گیا۔ انتخابی
 میدان میں بھی اس سونے بازی پر کشمیری عوام ناخوش تھے اور انہوں نے اس کا بہت بڑا نمایا۔ اس کا ایک اندازہ نیشنل
 کانفرنس کے لیڈروں کو اس وقت ہوا جب پارلیمنٹ کے لئے پارٹی کی امیدوار یکم شیخ محمد عبداللہ جموں سے بذریعہ علیا و سرنگر
 پہنچیں اور عوام نے ان کے استقبال کے پروگرام میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ نیشنل کانفرنس کی قیادت اس بات کی زبردست
 خواہش تھی کہ اول تو اس کی دونوں پارلیمانی نشستیں بلا مقابلہ حاصل کر لی جائیں۔ اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کم از کم سرنگر
 کی سیٹ بلا مقابلہ حاصل کر لی جائے۔ لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی۔ اور سرنگر سے قانون ساز کونسل کا ایک کانگریسی ممبر

مولوی افتخار حسین انصاری اور بارہ مولہ سے جماعت اسلامی کے سید علی گیلانی جو اس وقت جیل میں تھے معاملے میں دیکھ گئے
 اور نیشنل کانفرنس کی طرف سے خوف و ڈر کی فضا پیدا کرنے کی کوششوں کے باوجود انتخابی میدان گرم ہو گیا۔ اور اس انتخابی
 میدان میں جب نیشنل کانفرنس کی طرف سے حمایت کے لینڈ گرانٹ ایکٹ میں ترمیم کا یہ موضوع بحث بنا تو نیشنل کانفرنس
 کے لیڈر پریشان ہو گئے۔ یاد رہے کہ لینڈ گرانٹ ایکٹ دو گروہ ہمارا ہے بری شکھ نے ۱۹۴۷ء میں نافذ کیا تھا جس کے تحت
 جموں کشمیر میں کوئی غیر راجپوتی باشندہ زمین نہیں خرید سکتا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد اس ایکٹ میں وقت فوقتاً ترمیموں کے ذریعے غیر
 راجپوتی باشندوں کو یہ امتیاز حاصل ہو گیا تھا کہ وہ جموں کشمیر میں پٹے پر دس دس برس کے لئے زمین حاصل کر سکتے تھے اور
 اب شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں بنائی گئی حکومت لینڈ گرانٹ ایکٹ میں ایک ایسی ترمیم کرنا چاہتی تھی جس کے مطابق کمی غیر
 راجپوتی باشندے، یعنی یا آوارے کو یہ امتیاز حاصل ہو جائے کہ وہ اس راجپوتیت میں ایک سو برس تک کھلے زمین یا جائیداد وغیرہ
 پٹے پر حاصل کر سکتا۔ لینڈ گرانٹ ایکٹ کا یہ بل جب اسمبلی میں پیش کیا گیا تو وہاں بعض ممبروں کے شدید اعتراضات کے بعد
 اسے ایک سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کیا گیا تھا۔ انتخابی میدان میں عوام کی طرف سے مخالفت کی اطلاعات موصول ہوتے ہی
 وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ یکم راج کو برنگ آئے۔ اور یہاں کشمیر پورٹ میں اپنی پارٹی کے انتخابی جلسے سے خطاب کرتے
 ہوئے اپنے خلاف کثیر پروپیگنڈا، جانبدار بنانے اور لینڈ گرانٹ ایکٹ میں ترمیم کرنے کے الزامات کی تردید کرتے ہوئے
 لوگوں سے اپیل کی کہ وہ یکم شیخ محمد عبداللہ کو ووٹ دیں۔ انہوں نے نیشنل کانفرنس کے کارکنوں سے سوال کیا کہ وہ شیخ
 صاحب کی خلاف ورزی ان الزام تراشیوں کو کس طرح برداشت کرتے ہیں؟ وزیر اعلیٰ کی اس تقریر کے فوراً بعد سرنگر کے مختلف
 حصوں میں عوام کے درمیان کشیدگی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وزیر اعلیٰ نے ضلع سرنگر اور ضلع بارہمولہ میں نیشنل کانفرنس کے
 کئی انتخابی جلسوں سے خطاب کیا۔ شہر کے بیشتر حصوں میں صورت حال بگڑ چکی تھی جس کی بنا پر بعض علاقوں میں فوج
 نافذ کر دی گئی۔ بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور مخالف امیدوار کے لئے انتخابی جیل تک کرنا ناممکن بنا دیا گیا۔ اس
 ایکشن میں بھی برار اہلکار پارٹی نے انتخابی مشینری کے ساتھ مل کر بڑے پیمانے پر دھاندلیاں کیں اور شدت کے ایسے
 واقعات رونما ہوئے جن پر عوام کو بڑی مایوسی ہوئی۔ سرنگر اور بارہمولہ میں کئی مقامات پر برار اہلکار پارٹی اور اس کے
 مخالفوں میں تصادم بھی ہوا اور پولیس اور سرکاری مشینری نے نیشنل کانفرنس کے مخالفوں کو ہر طرح سے ہراساں کیا۔

جبکہ ضلع اسلام آباد میں جہاں شیشل کانفرنس کا امیدوار نہیں تھا نہایت اٹن سکون اور آزادی کے ساتھ الیکشن لڑا تھا۔ انتخابات میں ضلع بارہ مولہ اور ضلع سرسنگرمیں برز اقتدار پارٹی کے ممبر حجت گئے لیکن جموں میں اس پارٹی کا امیدوار بڑی طرح شکست کھا گیا اسلام آباد اور ضلع اڈھم پور کے انتخابی حلقوں سے اگرچہ کانگریسی امیدوار کامیاب ہو گئے لیکن ہندوستان میں انتخابی نتائج انقلاب انگیز ثابت ہوئے کیونکہ مسز اندرا گاندھی نہ صرف خود اپنا انتخاب ہار گئیں بلکہ کانگریس کے سارے بڑے بڑے متروک کر گئے اور اسے پورے تیس برس کے بعد ہندوستانی عوام نے اقتدار سے بے دخل کر دیا اور ہندوستان کی حقانیت اور ستر ستر ارجی دلیانی اور فیڈرلٹی کے ماتھ میں چلی گئی۔

ہندوستان میں اس انقلابی تبدیلی سے کشمیر کی سیاست بھی بڑی طرح متاثر ہوئی۔ ان ہی دنوں جموں میں ریکتا اسمبلی کا بجٹ اجلاس بھی ہو رہا تھا۔ راجیاتی کانگریس کے لیڈروں نے نئے حالات میں شیخ محمد عبداللہ کی حمایت ترک کرنے اور اقتدار پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ۲۳ مارچ ۱۹۷۷ء کو جب وزیر خزانہ مٹر ٹھاکر نے اسمبلی میں نئے مالی سال کا بجٹ پیش کیا تو کانگریس کی طرف سے اس میں رکاوٹ ڈالی گئی اور ایک تحریک التوا پیش کی گئی۔ اس غیر ملکی صورت حال میں اسمبلی کا اجلاس اگلے دن تک ملتوی ہو گیا۔ چنانچہ جب وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کو یہ اطلاع ملی کہ کانگریس پارٹی جس کی ایوان میں غالب اکثریت تھی۔ شیخ صاحب کے خلاف عدم اعتماد کرنا چاہتی ہے تو وہ دوسرے دن یعنی ۲۴ مارچ ۱۹۷۷ء کو گورنر سے ملے۔ اور اس کے فوراً بعد ایک درامائی انداز میں وزیر اعلیٰ اور گورنری دہلی جا پہنچے۔ دوسرے دن کانگریس کے لیڈر بھی نئی دہلی گئے۔ اور وہاں مسز گاندھی کو اس بات پر اگاہ کر لیا کہ جموں کشمیر میں کانگریس پارٹی کو یہ اجازت دی جائے کہ وہ شیخ محمد عبداللہ کو اقتدار سے ہٹا دے اور ان کی جگہ راجیاتی کانگریس پارٹی کے صدر مفتی محمد سعید کو وزیر اعلیٰ بنایا جائے۔ شیخ صاحب نے نئی دہلی میں مسز گاندھی کے علاوہ ہندوستان کے نئے وزیر اعظم مٹر ڈیلیانی سے بھی ملاقات کی اور کشمیر کے گورنر نے بھی ساری سیاسی صورت حال سے نئے وزیر اعظم کو آگاہ کر دیا۔ مٹر ڈیلیانی نے کسی قسم کی مداخلت کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جو کچھ بھی کیا جائے آئین کے مطابق اور جمہوری طریقہ پر ہی کیا جائے۔ نئی دہلی میں قیام کے دوران ہی شیخ محمد عبداللہ نے گورنر کو یہ مراسلہ بھیجا کہ وہ کشمیر کی موجودہ اسمبلی کو توڑ کر ریاست میں گورنر راج نافذ کریں۔ گورنر نے اس مطالبے پر مٹر ڈیلیانی سے صلاح مشورہ کیا اور مٹر ڈیلیانی نے ان کو ہدایت دی کہ وہ واپس جاکر آئین کے مطابق اپنے فرائض انجام دیں۔

چنانچہ گورنر ۲۵ مارچ ۱۹۷۷ء کو واپس جموں پہنچے۔ کانگریس کے لیڈر بھی اسی روز واپس جموں آ گئے اور ۲۶ مارچ ۱۹۷۷ء کو کانگریس لیجسلیچر پارٹی کا اجلاس ہوا۔ جس میں شیخ محمد عبداللہ کی جگہ مفتی محمد سعید کو پارٹی کا لیڈر منتخب کیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ نے نئی دہلی سے واپسی کے قبل ایک اخباری بیان میں یہ اعلان کیا کہ چونکہ کانگریس پارٹی نے مجھے دیا ہوا اعتماد واپس لے لیا ہے۔ اسلئے وہ الیکارڈ جو میرے اور مسز اندرا گاندھی کے درمیان ہوا تھا۔ ختم سمجھا جانا چاہیئے۔ ان کی واپس جموں میں آمد کے تھوڑی دیر بعد انہوں نے گورنر سے ملاقات کی اور گورنر نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ وزیر اعلیٰ کے عہدہ سے مستعفی ہو جائیں۔ ۲۶ مارچ شام کو گورنر نے ملی فنون پر ہندوستان کے وزیر اعظم کے ساتھ رابطہ قائم کیا اور انہیں اس نئی صورت حال سے آگاہ کیا۔ جو کانگریس اسمبلی پارٹی جس کی ایوان میں غالب اکثریت تھی کے اس فیصلے سے کہ شیخ محمد عبداللہ کی جگہ مفتی محمد سعید کو وزارت سازی کی دعوت دی جائے۔ سے پیدا ہو گئی تھی۔ ہندوستان کے وزیر اعظم نے گورنر کو مشورہ دیا کہ وہ آئینی بحران کی بنا پر اسمبلی توڑ دیں۔ اور حکومت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیں۔ چنانچہ گورنر نے ۲۷ مارچ کو راجیاتی اسمبلی توڑ دی۔ اور گورنر راج نافذ کر دیا۔ ۱۹۷۷ء کے بعد یہ پہلا موقع تھا جبکہ کشمیر میں گورنر راج نافذ کیا گیا۔ گورنر نے حکومت کا انتظام سنبھالنے کے فوراً بعد ریاست کے چیف میگزٹری مٹر بڑی جی کو اپنا مشیر مقرر کیا۔ کانگریس پارٹی نے گورنر راج نافذ کرنے پر زبردستی احتجاج اور گورنر راج نافذ کرنے کو ایک غیر آئینی ارتد نام قرار دیا۔ اور سرسنگرمیں چونکہ وسیع پیمانے پر شیعہ بکرا فسادات ہو رہے تھے۔ اسلئے وادی میں گورنر راج کے نفاذ کا مجموعی طور پر یہ مقدمہ کیا گیا۔ کیونکہ شیخ صاحب کی حکومت کا خاتمہ ہونے کا اعلان کے ساتھ ہی سرسنگرم اور دوسرے علاقوں میں اس کشیدگی اور مار دھاڑ کا کیس ختم ہو گیا۔ جوشیل کانفرنس اور اسکے مخالفوں کے درمیان ہونے والی مشیل کانفرنس نے شیخ صاحب کی حکومت ختم ہونے پر جب شہر میں ہڑتال کوڑے کی کوشش کی تو لوگوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے برعکس شہر میں کمی جلوس نکالے گئے۔ جس میں وزارت کے خاتمے اور گورنر راج کے نفاذ کا خیر مقدم کیا گیا۔ اس کے دو دن بعد یعنی ۲۹ مارچ کو شیخ محمد عبداللہ دہلی گئے۔ جہاں انہوں نے وزیر اعظم مٹر ڈیلیانی دلیانی ہندوستان کے وزیر داخلہ مٹر چرلٹن شگھ، ہندو پارٹی کے دوسرے لیڈروں سے گفت و شنید کی۔ اس گفت و شنید کے دوران انہوں نے مشیل کانفرنس کے دونوں ممبران پارلیمنٹ بیگم عبداللہ اور عبداللہ دھیل کے یہ بیان

دلوایا کہ نیشنل کانفرنس جنتا پارٹی کی پالیسیوں اور پروگرام کی مکمل حمایت کرتی ہے۔ بعد میں اس بات پر حیرت میں مبتلا ہو گئے۔

۲ اپریل ۱۹۶۶ء کو توجہ غلام محی الدین نے اعلان کیا کہ انہیں برطیسے پر کاش نارائن کا ایک پیغام موصول ہوا ہے جس پر وہ جنتا پارٹی میں شامل ہو رہے ہیں۔ اس اعلان کی اطلاع ملنے ہی شیخ محمد عبداللہ دہلی سے بمبئی گئے اور وہاں برطیسے پر کاش نارائن سے ملاقات کی اور اگلے دن دہلی سے واپس دہلی آ گئے۔ ۴ اپریل ۱۹۶۶ء کو ہندوستان کے نئے وزیر اعظم برٹریڈیا کی کے ساتھ کوئی ڈیڑھ گھنٹے تک بات چیت کی برٹریڈیا بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اس ملاقات کے دوران برٹریڈیا نے نیشنل کانفرنس کو جنتا پارٹی میں ضم کرنے کے لیے کہا لیکن شیخ صاحب اور برٹریڈیا نے انہیں یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ جموں کشمیر میں انتخابات کے بعد ہی الیا کر سکے ہیں یہ بات چیت کی محسوس کیے بغیر پہلے ہی ختم ہو گئی اور شیخ محمد عبداللہ دہلی سے واپس آ گئے جبکہ برٹریڈیا دہلی سے برٹریڈیا واپس آ گئے۔ شیخ محمد عبداللہ جموں سے براہ راست ہانہال منتر گئے اور یہاں نیشنل کانفرنس نے ان کا استقبال کیا جبہ لال چوٹ پہنچے تو یہاں انہوں نے ایک چمک جلتے سے خطاب کیا۔ اور کہا: "جنتا پارٹی میں اگرچہ میرے کوئی دوست ہیں لیکن میں کشمیر کی تقدیر جنتا پارٹی کے ہاتھوں میں نہیں دے سکتا۔"

۹ اپریل ۱۹۶۶ء کو جنتا پارٹی کے ڈیوٹر برٹریڈیا کی واپسی اور برٹریڈیا کے فرمانڈیز برٹریڈیا نے ۱۰ اپریل ۱۹۶۶ء کو بعض شہریوں نے ان کے اعزاز میں برٹریڈیا کے بڑا دوسے ہول میں ایک استقبالیہ تقریب منعقد کی اس استقبالیہ تقریب میں بعض سرکردہ شہریوں کے علاوہ شیخ محمد عبداللہ، برٹریڈیا اور جنتا پارٹی کا قریب حاصل کرنے والے دوسرے کئی سیاسی لیڈر بھی مشترکہ طور پر موجود تھے۔ برٹریڈیا جنتا پارٹی کے وزیر خارجہ بن چکے تھے اور ان کے رفقاء نے رایتی اسمبلی کے آئے والے انتخابات کے معاملے پر شیخ صاحب سمیت دوسرے تمام لیڈروں سے طویل بات چیت کی اور انہیں یہ محسوس ہوا کہ شیخ محمد عبداللہ کشمیری عوام میں اب اس قدر مقبول نہیں ہیں جس قدر وہ دوسرے قبل تھے وہ وقت حال کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ جموں ڈوڈن میں، جہاں کے ممبران اسمبلی کی تعداد ۳۲ تھی، شیخ محمد عبداللہ کی نیشنل کانفرنس ایک نشست بھی حاصل نہیں کر سکے گی۔ ان کا یہ اندازہ کسی حد تک درست بھی تھا چنانچہ انہوں نے

نیشنل کانفرنس کے تمام تر مخالفین کو یکجا کر کے کشمیر میں اپنی پارٹی کی شاخ قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ یہ تمام غلام مکرر رایتی اسمبلی کی وادی کی ۴۲ نشستوں میں سے درجن بھر نشستیں بھی حاصل کر لیں تو یہاں جنتا پارٹی کی حکومت قائم ہو گئی ہے وادی کے مختلف خیال کے سیاسی لیڈروں کو جنتا پارٹی میں لاکر ان کی سربراہی کے لئے ان کی نگاہیں مولانا محمد سعیدی پر پڑیں۔ مولانا سعیدی کئی برس سے علی سیاست سے کنارہ کش ہو کر گاندھل میں مقیم تھے اور عوام میں ان کے متعلق یہ تاثر تھا کہ وہ بڑے شخص بے لوث اور بے غرض سیاسی مدبر ہیں جو حالات سے بدل ہو کر فقیرانہ زندگی گذار رہے ہیں بہت عوامی اور سیاسی معلقوں میں ان کے خیالات اور ان کی بے غرضی کی وجہ سے ان کو عزت اور احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ خود بھی اپنے آپ کو بطور ایک سماجی شخص اور جماعتی سیاست سے بالاتر انسان جھلاتے تھے اسی دوران ہندوستان میں سیاسی انقلاب برپا کرنے والی سب سے اہم شخصیت برطیسے پر کاش نارائن نے بھی اپنے ایک بیان میں جموں کشمیر میں جنتا پارٹی قائم کرنے کی حمایت کا اعلان کر دیا چنانچہ جب برٹریڈیا جنتا پارٹی اور ان کے رفقاء جموں کشمیر میں جنتا پارٹی کے قیام کے بارے میں بات چیت کرنے مولانا سعیدی کے پاس گاندھل گئے تو انہوں نے پہلی ہی ملاقات میں مولانا سعیدی کو اپنے شیشے میں اتار لیا۔ خود مولانا سعیدی بھی گرد و پیش کے حالات سے متاثر ہو کر یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ نیشنل کانفرنس کے مخالفین کو ایک مشترکہ لیڈ نام پر جمع کرنے سے ایک ایسی سیاسی قوت پیدا کی جاسکتی ہے جو وادی میں شیخ محمد عبداللہ اور ان کی پارٹی نیشنل کانفرنس کا مؤثر طور پر مقابلہ کر سکے گی نہایت متوجہ کار اور بطور ایک سیاسی مدبر ہونے کے باوجود مولانا سعیدی اس بات کو قطعی طور پر نظر انداز کر گئے کہ بارہ برس کی طویل مدت تک برٹریڈیا نے ان کے کارناموں میں سیاسی رشوتوں اور بے شمار مراعات دینے کے باوجود کانگریس کشمیری عوام میں قابل قبول نہیں ہو سکی۔ اور جب نئی دہلی کے لیڈروں کے ایما پر یہاں جنتا پارٹی بنانے کی بات عوام میں پھیلی تو انہوں نے کانگریس کی طرح جنتا پارٹی کی رائے کو بھی پس نہیں کیا۔ خاص طور پر وادی کے عوام شہریوں اور دیہاتیوں میں یکساں طور پر تیار تیار پایا جاتا تھا کہ جنتا پارٹی جن نگہ اور اسی قسم کی دوسری انتہا پسند جماعتوں کا مجھڑ ہے۔ اسی دوران خواجہ غلام محی الدین قزوینہوں نے از خود یہاں جنتا پارٹی کے قیام کا اعلان کر دیا تھا۔ نئی دہلی اور ممبئی کا پھر لگا کر جنتا پارٹی کے لیڈروں اور برطیسے پر کاش نارائن سے بات چیت کی۔

انہوں نے ہٹے پرے پرکاش نارائن کا ان کو بھیجا گیا، ایک مرسد بھی اخبارات میں شائع کر دیا جس میں ہٹے پرے پرکاش نارائن نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ جموں کشمیر میں جنتا پارٹی کا قیام کشمیر اور ملک کے دوسرے حصوں کے درمیان سیاسی اور انتظامی تسلیج کو پاٹ کر کشمیر کو ملک کے زیادہ مترب لائے گا۔



آئین ہند

آئین ۳۰

ریاست جموں کشمیر متعلق عارضی دفعات

۱۔ اس آئین میں کئی اور بات کے تعلق کے بغیر:-

(۱) آرٹیکل ۲۳۸ کا اطلاق ریاست جموں کشمیر پر نہیں ہوگا۔

(ب) مذکورہ ریاست کے لئے پارلیمنٹ کا قوانین بنانے کا اختیار مندرجہ ذیل تک محدود ہوگا:-

(۱) یونین لیسٹ اور کنکریٹ لیسٹ میں شامل معاملات، جو ریاستی حکومت کے مشورے سے صدر جمہوریہ کی طرف

سے، ہندوؤں کے ساتھ ریاست کے الحاق سے متعلق دستاویز الحاق میں درج ان معاملات کے مطابق قرار دیئے جائیں جن

کے بارے میں قومی قانون ساز کونسل نے ریاست کیلئے قوانین بنانے کا حق ہے، اور

(۲) مذکورہ لیسٹوں میں درج وہ دوسرے معاملات جو ریاستی حکومت کے اتفاق رائے سے صدر جمہوریہ قرار دیئے

وضاحت — اس دفعہ کے لئے حکومت جموں کشمیر اس شخص سے مطلب ہے جو قومی طور کے لئے صدر جمہوریہ کی

طرف سے، مہاراجہ کے ۵ مارچ ۱۹۴۸ء کے فرمان کے تحت قومی طور کیلئے مقرر کی گئی وزیروں کی کونسل

کے مشورے کے تحت کام چلانے والا مہاراجہ کیلئے تسلیم کیا گیا۔

(ج) آرٹیکل (۱) اور اس آرٹیکل کی دفعات ریاست پر لاگو نہیں کی۔

(د) اس آئین کی دوسری دفعات صدر جمہوریہ کی طرف سے جاری کئے گئے احکامات کے مطابق ترمیموں اور استثنائوں

کے تحت ریاست پر لاگو نہیں کیے۔

بشرطیکہ ایسا کوئی حکم جو ب کلاز (ب) کے زیر اگراف (۲) میں مذکورہ دستاویز الحاق میں درج معاملات

سے تعلق رکھتا ہو، جاری نہ کیا جائے یا صرف ریاستی حکومت کے مشورے کے تحت جاری کیا جائے۔

۲۔ ریاست کا آئین مرتب کرنے کے لئے قانون ساز اسمبلی میں اگر کلاز (۱) کی سب کلاز (ب) کے پیراگراف (۱۱) یا اس کلاز کی سب کلاز (۵) کی دوسری مد میں مذکورہ ریاستی حکومت کی امدادی ظاہر کی جائے تو یہ اس اسمبلی میں فیصلہ لئے جانے کے لئے پیش کی جانی چاہیئے۔

۳۔ اس آرٹیکل کی ایسی دفعات جن کا اسٹیک ذکر ہو چکا ہے، میں سے کسی کا لحاظ کئے بغیر صدر جمہوریہ ایک عام فرمان کے ذریعے قرار دے سکتا ہے کہ یہ آرٹیکل (دفعہ ۳۶۰) زیر عمل نہیں رہا یا پھر صدر جمہوریہ کی طرف سے قرار دی گئی استثناء اور ترمیموں کے تحت اور اس کی طرف سے مقررہ تاریخ سے زیر عمل ہوگا۔
لیکن صدر کی طرف سے ایسا کوئی فرمان جاری کئے جانے سے قبل کلاز (۲) میں مذکورہ ریاست کی قانون ساز اسمبلی کی سفارش حاصل کرنا ضروری ہوگا۔



۲۳

کوٹ مہاراج
کوٹ جیتا

اس کے بعد جنتا پارٹی کے ممبر اشوک بہت زانا جمی دیش مکھ اور بھانو پرتاپ سنگھ جتوں کشمیر کی سیاسی
 صورت حال کا جائزہ لینے کشمیر آئے کشمیر میں سیاسی صورت حال بڑی عجیب و غریب تھی۔ شیخ محمد عبداللہ کے پرانے اور
 نئے سیاسی حریف ایکٹ ایکٹ کو کے جنتا پارٹی میں جا رہے تھے۔ ان میں پذیرت پریم ناتھ بزاز خاص طور پر قابل ذکر تھے
 بزاز صاحب اگرچہ حالیہ برسوں میں کشمیر میوچلر کنونشن کے سلسلے میں شیخ محمد عبداللہ کے قویٰ نظر آتے رہے لیکن بعد میں
 بعض ذاتی وجوہات کی بنا پر بزاز صاحب شیخ محمد عبداللہ سے فزٹ ہو گئے جنتا پارٹی کے لیڈر جو کشمیر کی صورت حال
 کا جسٹ ایڑہ لینے کے لئے آئے۔ شیخ صاحب کے ہاں کھانے پر مدعو کئے گئے۔ اس موقع پر جنتا پارٹی اور
 نیشنل کانفرنس کے درمیان اشتراک و تعاون کے موضوع پر بات چیت ہوئی اس کے اگلے دن جب میں نے مرزا محمد افضل
 بیگ کی قیام گاہ پر ان سے ملاقات کی تو بیگ صاحب ایک عجیب و غریب قسم کی سیاسی کشمکش اور تذبذب میں مبتلا تھے انہوں
 نے مجھے بتایا: "میں مارچ میں ہی وزارت سے مستعفی ہو جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ مجھے شیخ محمد عبداللہ کی بیشتر پالیسیوں سے

اختلاف ثابت ہے اس سلسلے میں انہوں نے دو باتوں کا خاص طور پر ذکر کیا ایک شیخ محمد عبداللہ کے خلاف کچھ پروپیگنڈا کے الزامات اور دوسری پارلیمانی انتخابات میں دھاندلیاں جنتا پارٹی کے قیوں لیڈر جو سرنگرم میں تھے برٹلیک سے دو مرتبہ لگے۔ انہوں نے گاندھل جاکر مولانا معصومی کے ساتھ بھی دو بار ملاقات کی۔ یہ بات حجت اور اپریل تک جاری رہی۔ اور ۱۷ اپریل ۱۹۷۷ء کو جنتا پارٹی کے لیڈروں نے سرنگرم میں ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ یہاں انہیں غرضوں پر مشتمل جنتا پارٹی کا نوٹ بنایا گیا ہے جس کے سربراہ مولانا محمد معین معصومی بنائے گئے ہیں جنتا پارٹی کے لیڈروں کی سرنگرم سے واپسی پر انہوں نے نئی دہلی میں اخبارات کو جو بیان دیے۔ اُن کی بنا پر کشمیری عوام میں یہ تاثر پیدا ہو گیا کہ جنتا پارٹی جوں کثیر کی خصوصی پوزیشن جو اسے آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰ کے تحت حاصل ہے برقرار رکھنے کے حق میں نہیں اس سے پہلے کشمیری سیاست یا عوام کے دل و دماغ میں آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰ کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی لیکن کشمیر کا کچھ اور اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات نے کشمیر میں سیاسی سوچ کو کچھ تبدیل کر دیا اور اس کے ساتھ ہی سیاسی حلقوں میں آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰ کی تاویلیں اور اس کی تشریح توڑ دوڑ کر پیش کی جانے لگی اور یہ عام خیال ہو گیا کہ کشمیر کی ایک علیحدہ اور انفرادی حیثیت اس دفعہ کی وجہ سے قائم ہے اور اگر آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰ کو ختم کر دیا گیا تو اس کے نتیجے میں غیر ریاستی باشندوں کو جوں کثیر میں زمین جائیداد وغیرہ سب کے سب حق حاصل ہو جائے گا حالانکہ حقیقت میں آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰ سے ان ساری باتوں کا کوئی تعلق نہیں تھا چنانچہ سیاسی صورت حال تبدیل ہونا شروع ہو گئی۔ اور جنتا پارٹی کو غیر پسندیدہ لگا ہوں نے دیکھا جائے گا مولوی محمد فاروق کی عوامی آئین کمیٹی اور جماعت اسلامی وغیرہ کی اصول یا مقصد کے لئے نہیں بلکہ محض شیخ محمد عبداللہ کی سیاسی پوزیشن کو کمزور بنانے کے لئے جنتا پارٹی کی حمایت پر راز آئیں حالانکہ عوامی آئین کمیٹی اس وقت تک کثیر کے لئے رائے شماری اور حق خود ارادیت کا مطالبہ کرتی چلی آئی تھی۔ دوسری طرف جنتا پارٹی کے مرکزی لیڈر جو پارٹیزم کے انتخابات کے نتیجے میں اپنا ٹکٹ نئی دہلی میں برائیت دار آگئے تھے کشمیر کی ریاست اس کے آثار اور چڑھاؤ اس کے منظر اور پس منظر اس کے سیاسی مزاج اور اس کی سیاسی تاریخ سے بالکل ناواقف تھے انہوں نے جن لوگوں کو اپنی پارٹی کی ریاستی شاخ کی مرکزی کمیٹی کا ممبر نامزد کیا وہ عوام کے لئے بالکل قابل قبول نہیں تھے۔ اُن کی سیاسی ساکھ اور اقامتی نہ ہونے کے برابر تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان سب میں کوئی قدر مشترک نہیں تھی خیالات، نظریات اور کچھ دوسری وجوہات کی بنا پر ان کا جنتا پارٹی

میں شامل ہو جانا ایک مضحکہ خیز سی بات نظر آتی تھی اور ان میں سے بیشتر بعض اس لئے اس پارٹی میں شامل ہو گئے تھے کہ نئی دہلی میں چونکہ اس پارٹی کی حکومت قائم ہوتی تھی۔ اس لئے انہیں یہ یقین تھا کہ پچھلی ۳۰ سالہ ریاست کے مطابق اس مرتبہ بھی انتخابات میں وہی لوگ کامیاب ہوں گے جنہیں نئی دہلی کی پشت پناہی حاصل ہوگی۔ خود ریاستی کانگریس بھی انتخابات میں اپنی کامیابی کا چونکہ بالکل کوئی یقین نہ تھا اس لئے ریاستی کانگریس نے نیشنل کانفرنس کے ساتھ انتخابی اتحاد اور سیٹوں کی تقسیم کے لئے مذاکرات شروع کئے چنانچہ اس سلسلے میں سید میر تاج محمد نے شیخ محمد عبداللہ اور مرزا محمد افضل گیل کے ساتھ کئی ملاقاتیں کیں لیکن ان دونوں پارٹیوں کے درمیان انتخابی اتحاد کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکی انتخابی معاملات میں جو ٹوڑاؤ اور سرگرمیوں کے دوران سرنگرم میں یو تھ فیڈریشن کے نام سے نوجوانوں میں زیادہ تر شیخ صاحب کے حامی شامل تھے کی ایک نئی جماعت ڈرامائی انداز میں ابھرائی عوام میں یہ خیال تقویت پکڑا تھا کہ نئی مرکزی حکومت بھی کشمیر میں آزادانہ اوصاف ستھرے انتخابات نہیں ہونے دے گی چنانچہ جب ۱۹۷۷ء میں ۱۷ اپریل کو بمبئی کے ایک پارٹی انسر تارا والا کو گورنر کا دوسرا مشیر مقرر کیا گیا تو اس کا بھی لوگوں میں یہی تاثر پیدا ہوا کہ یہ ب انتخابات میں دھاندلیاں کرنے کے لئے کیا جا رہا ہے یو تھ فیڈریشن کے نوجوانوں نے سرنگرم میں "شیر بکر" تقسیم کا جھگڑا بھی پھر زندہ کر لیا اور اس طرح پرانی اور نئی اسپیشی دشمنی، رقابتیں اور عداوت فساد کا باعث بن گئی۔ وادی میں صورت حال آگے بڑھ چکی تھی۔ لیکن شیخ محمد عبداللہ اور نیشنل کانفرنس کے مخالف عوام کو اپنی طرف کی طرح بھی متوجہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور ان میں اس قدر صلاحیت موجود تھی کہ وہ ذاتی مفادات اور کامیابی کے لئے کوشش کرنے کی بجائے تنظیم اور اتحاد کی کوشش کرتے۔

۱۷ مئی ۱۹۷۷ء کو شیخ محمد عبداللہ نے سرنگرم سے اسلام آباد جا کر نیشنل کانفرنس کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا "جنتا پارٹی اور اس کی مرکزی حکومت کشمیر کی انفرادیت، ریاست کے آئین اور مہمانان کے آئین کی دفعہ ۳۷۰ جس کے تحت کشمیر کو داخلی خود مختاری حاصل ہے ختم کر کے اس ریاست کو مہندستان کے ساتھ ضم کرنا چاہتی ہیں اور اس کا اظہار میٹر پر کاش نرائن کے اس مراسلے میں ہوا ہے جو انہوں نے خواجہ غلام محی الدین قزو کو لکھا ہے اور جس میں کہا گیا ہے کہ کشمیر اور مہندستان کے درمیان اب تک جو صلح موجود ہے وہ پاٹ بنی جانی چاہیے اور کشمیر نے اب تک

اپنا جو علیحدہ وجود برسر رکھتا ہے۔ وہ باقی نہیں رہتا جیسے اس نے ہندوستانی لیڈروں کے غلام فاضل ہو جاتے ہیں
 جے پرکش زامن اگرچہ میرے دوست ہیں لیکن میں انہیں یا کسی اور کو یہ ہرگز اجازت نہیں دوں گا کہ وہ کشمیر کو ہندوستان
 میں دھرم کریں یا اس کی خصوصی حیثیت ختم کریں ہم ایسی کوششوں کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کریں گے نیشنل کانفرنس
 کی تحریک کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ یہاں کے عوام کو اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کرنے کا حق دلوائے میں لوگوں سے یہ حال
 کہتا ہوں کہ کیا جن گھم کے نامی و شمع آج اُن کی نظروں میں قابل اعتبار ہیں اور مزاحمت اُنھیں ایک قابل اعتبار؟
 مولانا معصومی اور جنتا پارٹی میں شامل کچھ دوسرے لوگ ۱۹۵۲ء کے غورن واقعات میں لوٹ تھے بخشی غلام محمد، اور غلام
 محمد صادق تو انبھال کر چکے ہیں لیکن مولانا معصومی ابھی زندہ ہے اور وہ اب بھی ۱۹۵۳ء کے غرام کو عمل میں لانے کے
 لیے ہے ہندوستان والیاق کی رو سے ہم نے صرف تین امور ہی دہلی کو دیتے ہیں یعنی دفاع، انور خاصہ اور ریل و سٹیشن دوسرے
 تمام معاملات میں کشمیر پر بالکل خود مختار رکھا گیا تھا۔ اور اس کی خود مختاری کی ضمانت دفعہ ۳ میں دی گئی جنتا پارٹی اس خصوصی
 پوزیشن کو ختم کرنا چاہتی ہے انہوں نے یہ تجویز کی تھی کہ نیشنل کانفرنس کو جنتا پارٹی میں مدغم کیا جائے۔ اسی جلسہ میں
 مٹریک نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ کشمیر میں جو انتخابات ہونے والے ہیں وہ ایک قسم کی رائے شماری ہے اب یہ آپ کا کام
 ہے کہ آپ کس کو ووٹ دیتے ہیں۔“

۲۳ مئی ۱۹۵۷ء کو مجاہد منزل میں نیشنل کانفرنس کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں تقریر کرتے ہوئے
 شیخ محمد عبداللہ نے کہا: ”اگر ہم ہندوستان میں عزت کا مقام حاصل نہیں کر سکتے تو ہم اس سے علیحدہ ہو جانے میں پس پشت
 نہیں کریں گے۔ کشمیر سے باہر کوئی شخص ہماری قسمت کا فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں اور نیشنل کانفرنس نے ہر دور میں یہ ثابت کر دیا
 ہے کہ باہر کوئی بھی ملک یا طاقت یہاں کے لوگوں کی قسمت کا فیصلہ نہیں کر سکتی ہندوستان کے ساتھ ہم صرف دفاع،
 انور خاصہ اور تمام معاملات کے محکموں میں تعلق قائم رکھ سکتے ہیں اور باقی تمام معاملوں میں ہم خود مختار رہنا چاہتے ہیں دفعہ
 ۳۰ میں اگر کوئی تبدیلی لائی گئی تو ہندوستان کے ساتھ الحاق کی ساری بنیادیں کھڑے ہو جائیں گی یہاں اُترتاری کوئی
 خواہش نہیں البتہ اقتدار اُن مقام کے حصول کا ایک ذریعہ بن سکتا ہے جن کے لئے ہم جدوجہد کرتے آئے ہیں جنتا
 پارٹی اور کانگریس ہندوستان سے مکمل الحاق کی حامی ہیں لیکن ہم اپنا الگ وجود برسر رکھنا چاہتے ہیں۔ اپنے والے

انتخابات کشمیر کی تقدیر کا فیصلہ کریں گے

۲۳ مئی ۱۹۵۷ء کو چیف الیکشن کمشنر نے جموں کشمیر کے انتخاباتی پروگرام کا اعلان کر دیا اور
 ریاستی آئین کی رو سے گورنر سے کہا گیا کہ وہ اس بارے میں باقاعدہ ایک نوٹیفیکیشن جاری کریں۔ اس پروگرام کے مطابق ہر
 ۲ جولائی اور ۲ جولائی ۱۹۵۷ء سے ووٹ ڈالنے کی تاریخیں مقرر کی گئیں اور اس کے ساتھ ہی ساری ریاست میں انتخاباتی محاذ
 گرم ہو گیا۔ ریاستی جنتا پارٹی، مولوی فاروق اور جنتا پارٹی اسلامی کو اگرچہ اس بات کا احساس ہوا تھا کہ نیشنل کانفرنس عوام کی
 توجہ کا مرکز بن رہی ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے باہمی اتحاد اور ایک دوسرے سے تعاون کی بجائے صرف اس بات پر توجہ
 رکھا کہ نئی دہلی کی امداد و اعانت سے وہ الیکشن میں کامیابی حاصل کر لیں گے۔ جنتا پارٹی کے سربراہ مولانا معصومی نے مولوی محمد
 فاروق کو اپنے ساتھ ملا لیا حالانکہ مولوی فاروق سرنگم میں ایک مخصوص اور محدود حلقے میں اپنے اثر و رسوخ کے بڑا اذکر کوئی
 اہمیت نہیں رکھتے تھے بلکہ مولوی فاروق کے جنتا پارٹی سے میل ملاپ کی بنا پر نیشنل کانفرنس کچھ زیادہ طاقت پر گئی تھی
 زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے، ۲۳ مئی ۱۹۵۷ء کو مجاہد منزل میں نیشنل کانفرنس کا جو انتخابی جلسہ ہوا اس
 میں سرنگم اور دوسرے لیڈروں نے اعلان کیا کہ نیشنل کانفرنس کا اولین مقصد کشمیر کے لئے مکمل داخلی خود مختاری حاصل کرنا ہے
 اور اگر نیشنل کانفرنس کو ریاستی اسمبلی میں اکثریت حاصل ہو گئی تو ہم مرکزی تحویل میں انور خاصہ، دفاع اور مواصلات کے تین محکمے
 رکھیں گے جیسا کہ ۱۹۴۷ء کی دستاویز الحاق میں درج ہے اس کے سوا کشمیر میں اپنے معاملات کے خود مالک بنیں گے۔“

کشمیر میں ہر روز کوئی نہ کوئی سیاسی واقعہ رونما ہو رہا تھا۔ ۲۳ مئی ۱۹۵۷ء کو اسی طرح کا ایک واقعہ رونما ہوا جبکہ
 شیخ صاحب کے ایک پرانے ساتھی مولوی محمد اکبر نے اپنا ایک سیاسی طور پر مہم جو کہ اتحاد آزادی کے نام سے ایک نئی پارٹی قائم
 کر لی اور اعلان کیا کہ یہ پارٹی کشمیر کے عوام کے لئے حق خود ارادیت کی بنیاد پر کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کی جدوجہد کرے گی اس
 نئی پارٹی کا قیام اور مولوی صاحب کا اعلان بھی شیخ محمد عبداللہ اور نیشنل کانفرنس کے مخالفوں کے لئے نقصان دہ اور شیخ
 صاحب پر نیشنل کانفرنس کے لئے مفید ثابت ہوا۔ کیونکہ مولوی صاحب شیخ صاحب کے ایک معتد ترین ساتھی تھے اس لئے اُن
 کے اس اقدام کا نیشنل کانفرنس نے خوب فائدہ اُٹھایا۔ ۳۰ مئی ۱۹۵۷ء کو انتخابات کے لئے جو باقاعدہ نوٹیفیکیشن جاری
 کیا گیا۔ اس کے مطابق ۲ جولائی کو ضلع بارہ پور اور ضلع سرنگم اور ۳ جولائی کو ضلع اسلام آباد کے انتخاباتی حلقوں میں ووٹ

ڈالنے کی تاریخیں مقرر کر دی گئیں۔ ۱۹ جون ۱۹۶۷ء کا عدالت نامزدگی داخل کرنے کی آخری تاریخ تھی۔ اسی دن شام کو ایکشن کمیشن کے ایک نمائندے نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ ریاست جموں کشمیر کی ۹۱ انتخابی سیٹوں کے لئے چھ سو سے زیادہ امیدواروں نے کاغذات نامزدگی داخل کئے ہیں۔ اس کے اگلے دن کاغذات نامزدگی کی جانچ پڑتال کے بعد سرکاری طور پر یہ اعلان کیا گیا کہ تمام کے تمام امیدواروں کے کاغذات نامزدگی درست قرار دیتے گئے ہیں اور کی ایک امیدوار کے کاغذات نامزدگی بھی مسترد نہیں ہوئے۔

۱۹۶۷ء کے بعد یہ پہلا موقع تھا جبکہ کشمیر میں ریاست کی قانون ساز اسمبلی کے لئے انتخابات میں عوام نے حصہ لیا کیونکہ ریاست میں گورنر راج تھا۔ نیشنل کانفرنس کی وزارت تھی اور کانگریس کی وزارت تھی۔ اس لئے کاغذات نامزدگی مسترد کرنا کسی حکومت کے ہاتھ میں نہیں تھا اور چونکہ کوئی سیاسی جماعت برلبرقت دار نہیں تھی اس لئے متقابل کرنے والوں اور ووٹروں کو مکمل آزادی تھی۔ ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۷ء تک ریاستی اسمبلی کے انتخابات جب بھی کروائے گئے برس کے حسب سب جمہوری اور کیلبر ذمہ داری کے تھے۔ اور ان میں جمہوریت اور انتخابات کے طور پر بقول عدل انصاف اور ووٹر کے حق کو بالائے طاق رکھ کر صرف اور صرف برلبرقت دار پارٹی کا مینیانی حاصل کر لیا کرتی تھی۔ گورنر راج میں ہر امیدوار کو آزادی تھی، ووٹر کو آزادی تھی۔ اخبارات کو آزادی تھی اور ساری سیاسی پارٹیوں کو کیساں طور پر آزادی حاصل تھی لیکن اس کے باوجود برلبرگز شہر بکرا افسادات کی دہرے جھڑپوں، مار دھاڑ اور خوف و ہشت کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ انتخابی تقاضا سولہ اور اسلام آباد میں بھی ہوئے لیکن برلبرگز میں حالات زیادہ بدتر تھے۔ انتخابات کے نام پر عسایہ، ہمسائے کا جانی دشمن بن گیا۔ سیاسی مخالفوں کو ڈرانے، جھکانے، مارنے پھینکنے اور لٹونے کی وارداتیں عام ہو گئیں۔ اور کسی ایک پارٹی کے حامیوں کا کسی دوسری پارٹی کے حامیوں کے علاقے میں جانا تقریباً ناممکن ہو گیا۔ اسی دوران ۱۹ جون کو اٹھارہ شہر میں یہ خبر پھیلی کہ شیخ صاحب پر دل کا دورہ پڑا ہے اور جب دو ایک مقامی اخبارات میں ان کی علالت کی خبر چھپ گئی تو یہ خبر تشویش کا باعث بن گئی۔ لوگ جوق در جوق اور بڑی تعداد میں شیخ صاحب کی قیام گاہ پر آنا شروع ہو گئے۔ عوام میں پھیلی ہوئی تشویش کو کچھ کم کرنے کے لئے جب میں نے آفتاب میں یہ خبر شائع کی کہ ”شیخ صاحب کی صحت کچھ بہتر ہو رہی ہے۔“ تو شیخ محمد عبداللہ کے موصوفی معالج ڈاکٹر جان صاحب نے مجھے ٹیلی فون پر بتایا ”آفتاب کی یہ خبر صحیح نہیں کیونکہ شیخ صاحب

کی حالت حد درجہ تشویش ناک ہے۔ ڈاکٹر کی اطلاع پر گورنر مسٹر پال کے جہاں ان کے مشیر مسٹر بیڑھی دوسرے اعلیٰ احکام اور سرکردہ مشیل کانفرنس کے لیڈر شیخ صاحب کی قیام گاہ پر گئے۔ ڈاکٹر کے مشورے پر گورنر نے نئی دہلی کو یہ تشویش ناک اطلاع دی چنانچہ مرکزی وزیر داخلہ مسٹر چرن سنگھ نے امرتسر طلب کے دو ممتاز ڈاکٹروں کو فوری طور پر سرنگر بھیجا۔ ڈاکٹر کے کہنے پر گورنر نے بیگم شیخ محمد عبداللہ اور ان کے فرزند ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو جو منسلک دورہ کے انتخابی دوسرے پرتھے، سیلی کا پٹر کے ذریعے فوراً سرنگر لانے کا انتظام کیا۔ مہندستان کے وزیر اسیم جواس وقت لندن میں تھے اور وزیر خارجہ مسٹر واجپائی کے علاوہ سابق وزیر اعظم مسٹر اندرا گاندھی نے بھی شیخ صاحب کی تشویش ناک حالت پر محمد دی کے پیغامات بھیجے جو ریڈیو پر نشر ہوئے اور اخبارات میں چھپے۔ اس سے شیخ صاحب کی صحت کے بارے میں تشویش اور زیادہ پھیل گئی۔ شیخ صاحب کی صحت کے لئے مسجول میں دھائیں مانگنے اور عام شاہراہوں پر بندر نیاز کا سلسلہ شروع ہو گیا جب میں شیخ صاحب کی مزاج پرسی کے لئے ان کی قیام گاہ پر گیا تو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر نے ان کی قیام گاہ سے اندر داخل ہونے پر پابندی لگا رکھی ہے۔ نئی دہلی سے جو دو بڑے ڈاکٹر شیخ صاحب کا معائنہ کرنے پر تیار آئے تھے، وہ ان کا معائنہ کرنے کے بعد دوسرے ہی دن بذریعہ طیارہ چھپکے سے واپس چلے گئے۔ ۱۹ جون ۱۹۶۷ء کو میں خود ڈاکٹر جان صاحب کی قیام گاہ پر گیا تاکہ شیخ صاحب کی صحت کے بلے میں اچھی طرح کچھ معلوم کر سکوں تو ڈاکٹر صاحب نے ڈرائنگ روم میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے نہایت ڈرامائی انداز میں مجھے بتایا ”شیخ صاحب کی طبیعت حد درجہ خراب ہے اور ان کی زندگی خطرے سے باہر نہیں“ انہوں نے مجھ سے یہ بھی کہا ”اگر وہ کسی طرح بچ بھی گئے۔ پھر بھی اب کوئی سیاسی و قدر داری نہیں سنبھال سکیں گے۔ اسی دن شام کو آل انڈیا ریڈیو کی خبروں کے ٹیلیں میں یہ خبر نشر ہوئی کہ ”شیخ محمد عبداللہ کی حالت ناک ہے اور ان کا علاج کرنے والے ڈاکٹر نے کہا ہے کہ ان کی زندگی خطرے سے باہر نہیں۔“

۱۹ جون ۱۹۶۷ء کو مہندستان کے مرکزی وزیر داخلہ مسٹر چرن سنگھ سرنگر آئے یہاں سے انہوں نے گورنر اعلیٰ سرکاری حکام اور سیاست پارٹی کے لیڈروں سے بات چیت کی۔ انہوں نے سرنگر کے پلو گرواؤ میں شیخ صاحب کی قیام گاہ سے چند فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔ ایک انتخابی جلسے سے بھی خطاب کیا۔ مسٹر چرن سنگھ نے اپنی تقریر میں شیخ محمد عبداللہ کی لڑی نہ چینی کرتے ہوئے لوگوں سے اپیل کی کہ صرف جنتا پارٹی کو ووٹ دیں۔ انہوں نے اپنی رائے گاہ پر سرکاری مشینری

کو بھی ہدایت دی کہ وہ مبتلا پارٹی کی کامیابی کے لئے پارٹی کی مدد کریں۔ ان کی پولوگراؤنڈ میں کی گئی تقریر کا قدرتی طور پر عوام میں سخت رد عمل ہوا۔ مگر جس دن شنگھاپنے قیام برسرِ گھر کے دوران شیخ صاحب کی مزاح پرسی کے لئے نہیں گئے۔ اس کے دو دن بعد ۱۲ جون کو ہندستان کے وزیرِ دفاع مگر جیون رام برسرِ گھر آئے اور پولوگراؤنڈ میں ایک انتخابی جلسے سے خطاب کیا۔ انہوں نے بھی شیخ محمد عبداللہ کی علالت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ شیخ محمد عبداللہ اب بوڑھے اور بیمار ہیں اس لئے انہیں سیاست سے کنارہ کش ہونا چاہیئے۔ (حالانکہ خود مگر جیون رام شیخ صاحب سے زیادہ بوڑھے تھے) جتنا پارٹی کے لیڈروں کی الٹ تقریریں سے وہ لوگ بھی جنہیں مبتلا پارٹی کے ساتھ کسی نہ کسی وجہ سے ہمدری تھی۔ اس پارٹی سے بیزار سے ہو گئے اور پھر جب مرکزی وزیرِ داخلہ کی ہدایات کے مطابق مقامی مرکزی ایڈمنسٹریشن میں بڑے پیمانے پر فزفل اور الیکٹرانک متغیر تبدیل عمل میں لایا گیا تو لوگوں کو یقین نہ ہو گیا کہ مبتلا پارٹی کی مرکزی حکومت بھی کشمیر لوئیں کو اپنی مرضی کے مطابق ووٹ دیکر اپنے نمائندے منتخب کرنے کے حق سے محروم کرنا اور زور زور سے انتخابی جتن چاہتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی برسرِ گھر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں نیشنل کانفرنس کے کارکنوں کی پکڑ دھکڑ بھی شروع ہو گئی۔

۱۵ جون ۱۹۷۷ء کو ہندستان کے وزیرِ اعظم مگر مارجی ڈیلیائی بھی کشمیر آئے۔ اور یہاں مبتلا پارٹی کے پانچ چھ انتخابی جلسوں سے خطاب کیا۔ ان کے برسرِ گھر میں قیام کے دوران گورنر نے ان کے اعزاز میں رات کے کھانے کی دعوت دی۔ اس دعوت میں مبتلا پارٹی کے لیڈروں اور مولوی محمد فاروق کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ اس موقع پر مولوی فاروق نے وزیرِ اعظم مگر ڈیلیائی کو اپنے ہاں میراعظم منزل پر آنے کی دعوت دی۔ جو مگر ڈیلیائی نے قبول کر لی۔ اس کے اگلے دن برسرِ گھر کے پولوگراؤنڈ میں ایک انتخابی جلسے میں مگر مارجی ڈیلیائی نے تقریر کرتے ہوئے نیشنل کانفرنس اور شیخ محمد عبداللہ کی طرف سے جینی کی مگر ڈیلیائی بھی برسرِ گھر میں اپنے قیام کے دوران شیخ صاحب کی مزاح پرسی کے لئے نہیں گئے۔ البتہ اسی شام جس دن دوپہر کو انہوں نے پولوگراؤنڈ کے جلسے سے خطاب کیا تھا۔ مگر مارجی ڈیلیائی میراعظم منزل گئے۔ میراعظم منزل کی تاریخ اور غلط پارٹی کی سیاست میں یہ پہلا موقع تھا جبکہ ہندستان کا وزیرِ اعظم یا کوئی سرکردہ سیاسی لیڈر وہاں گیا۔ وادی میں یہ بات یقینی خیال کی جاتی تھی کہ شیخ صاحب سبتر علالت پر ہیں اور انتخابی مگر کے میں مبتلا پارٹی، کانگریس اور جماعت اسلامی کے لیڈر اپنی تقریروں میں بلاشبہ شیخ صاحب ہی کو کٹھ پتلی کا کٹ بنائے تھے۔ اور اس ساری کاروائی کا رد عمل یہ ہوا تھا کہ نیشنل کانفرنس کی

سیاسی قوت میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وزیرِ اعظم مگر مارجی ڈیلیائی نے انتخابی جلسوں سے فراغت کے بعد اور جی وادی رواہ ہونے سے پہلے گورنر ماؤس میں ایک پرس کانفرنس سے بھی خطاب کیا۔ اگرچہ ابھی انتخابات نہیں ہوئے تھے لیکن اس کا باوجود اپنی اس پرس کانفرنس میں مگر ڈیلیائی نے بڑے اعتماد کے ساتھ اعلان کیا۔ ”کشمیر میں انتخابات کے نتائج میں جتنا پارٹی کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ اور مبتلا پارٹی کی حکومت یا حکومت کے سربراہ شیخ محمد عبداللہ کے خلاف ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کرے گی۔“ ایک اخباری نمائندے کے اس سوال پر کہ اگر انتخابات میں نیشنل کانفرنس کامیاب ہو گئی تو پھر تحقیقاتی کمیشن کون قائم کرے گا؟۔ مگر ڈیلیائی نے کہا۔ ”نیشنل کانفرنس کی حکومت قائم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ مگر ڈیلیائی نے اخباری نمائندوں کے سوالات کے جواب میں یہ بھی کہا کہ۔ ”رازے شماری کانفرنس اب ہمیشہ کلینے مرہ ہو چکا ہے اور اس کا اب کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ مگر ڈیلیائی کے اس بیان کی ریڈیو اور اخبارات میں تشہیر سے عام لوگوں میں کوئی اچھا رد عمل نہیں ہوا اور انہوں نے برطانوی طور پر یہ کہنا شروع کر دیا کہ ابھی انتخابات ہونا باقی ہیں لیکن مبتلا پارٹی والے الیکشن کے نتیجے سے پہلے ہی اپنی کامیابی کا کیوں اعلان کر رہے ہیں کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اسمبلی کو دو مرتبہ منتخب نہیں کریں گے؟۔ یہ تمام تر باتیں اور ان ساری کاروائیوں کا نیشنل کانفرنس کو بے حد سیاسی فائدہ پہنچا۔ اور عوام اس بات پر کمر بستہ ہو گئے کہ وہ ہر قیمت پر اپنے ووٹ کا استعمال کریں گے اور اپنی مرضی کے مطابق امیدواروں کو ووٹ دیں گے۔ حالانکہ ان سارے واقعات سے پہلے محاذ رازے شماری کو توڑنے اور حق خود ارادیت کے موقع سے دستبردار ہوجانے کی بنا پر شیخ محمد عبداللہ کی سیاسی پوزیشن بڑی حد تک کمزور ہو چکی تھی اور خود نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کو اس بات کا ہلکا یقین نہیں تھا کہ وہ انتخابات میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل کر سکیں گے۔ یہاں تک کہ ایک مصلحے پر نیشنل کانفرنس نے ناامی سے بچنے کے لئے انتخابات کے بانیکاٹ کی تجویز بھی غور کیا تھا۔ لیکن اب صورت حال کیسے بدل چکی تھی اور ساری سیاسی افواہوں کے حق میں ہو گئی تھی۔

ادھر پاکستان میں بڑے پیمانے پر سیاسی اُتھل پھٹل اور مگر مصلوکی حکومت کے خلاف وسیع پیمانے پر احتجاجی مٹیشن کی بنا پر بھی کشمیری عوام میں ایک قسم کی یلوی پیدا ہو رہی تھی اور پاکستان میں جو واقعات رونما ہو رہے تھے انہوں نے لوگوں کی سوچ اور ان کے سیاسی آپرچ کو بڑی طرح متاثر کیا۔ ووٹ ڈالنے کی تاریخ جب قریب آگئی تو شیخ محمد عبداللہ

کی علالت کے بارے میں تشویشناک اطلاعات بھی پھیلتی جا رہی تھیں، اور ان کے قریبی حلقے یہ کہتے تھے کہ —
 ”شیخ صاحب اس وقت زندگی اور موت کی کشمکش میں ہیں۔ اور ہمیں کہا جاسکتا کہ کیا ہونے والا ہے۔“ — یکم جولائی ۱۹۷۷ء کو اعلان کیا گیا کہ اسی روز دوپہر کو برسرِ گھر کے گول باغ میں شیخ صاحب کی بسترِ علالت سے ٹپ کی گئی تقریر کا ریکارڈ عوام کو سنایا جائے گا۔ گول باغ میں شیخ محمد عبداللہ کی ٹپ کی گئی یہ تقریر سننے کے لئے ایک جم غفیر جمع ہو گیا، اپنی ٹپ کی گئی اس تقریر میں شیخ صاحب نے وہی ہوتی آواز اور بجاری کے سبب ذلہجے میں عوام سے اسلی کی کہ وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے نیشنل کانفرنس کو ووٹ دیں، اسکے ساتھ ہی روزنامہ آفتاب میں شیخ صاحب کی بسترِ علالت پر لکھی دو ایسی تصویروں بھی شائع ہوئیں جن سے لوگ بے حد متاثر ہوئے اور ان کی تمام تر ہمدردیاں شیخ صاحب کے ساتھ ہو گئیں۔ — ۲ اور ۳ جولائی کو وادی میں راسینی اسمبلی کی ۴۲ سیٹوں کے لئے ووٹ ڈالے گئے اور ایک عام اندازے کے مطابق دوسرے سامنے صرف دو امیدوار تھے ایک ان کے خیال میں بسترِ علالت پر پڑے ہوئے شیخ محمد عبداللہ اور دوسرے ضبتا پارٹی، کانگریس اور جماعت اسلامی کے انجانے، غیر معروف اور انتہائی تیرے درجے کے امیدوار انتخابات میں ووٹوں نے نیشنل کانفرنس کے امیدوار کو نہیں بلکہ شیخ صاحب کو ووٹ دیئے۔ انتخابات میں شیخ محمد عبداللہ اور نیشنل کانفرنس کے مقابلے میں تین چار پارٹیوں کے امیدوار تھے۔ ان میں کانگریس، ضبتا پارٹی اور جماعت اسلامی وغیرہ قابل ذکر تھیں اس طرح نیشنل کانفرنس کے مخالف ووٹ تقسیم ہو گئے اور اگر ان تین چار پارٹیوں کے امیدواروں کے حق میں ایک ایک ووٹ اور نیشنل کانفرنس کے امیدوار کے حق میں صرف دو ووٹ بھی پڑے تو نیشنل کانفرنس کا امیدوار اپنے مقابل امیدواروں کے ووٹ تقسیم ہو جانے کی بنا پر بھی کامیاب ہو گیا چنانچہ ووٹ شماری کے نتیجے میں نیشنل کانفرنس نے وادی کی بیالیس سیٹوں میں سے ۳۹ جیت لیں۔ کانگریس کے سارے سارے امیدوار راسینی کانگریس پارٹی کے صدر رحمت ناکام ہو گئے۔ اور بہت سے امیدوار کی ضمانتیں تک ضبط ہو گئیں۔ ضبتا پارٹی کو صرف دو حلقوں میں کامیابی حاصل ہوئی۔ ایک ہندوارہ کے حلقہ انتخابات میں جس میں ایک سابق وزیر تعلیم مہر علی اللہ نے اپنی ذاتی مقبولیت اور زبردستی کو شش سے کامیاب ہو سکے اور دوسرے حلقہ صفا گل تھا جس میں میر واعظ خاندان کے پیروکاروں کی اکثریت تھی اور جہاں سے ضبتا پارٹی کا امیدوار بڑی مشکل سے اور ووٹوں کی معمولی سی اکثریت سے کامیاب ہو سکا۔ تیسرے حلقہ جس میں نیشنل کانفرنس کا امیدوار کامیاب نہیں ہو سکا۔ سولور کا

انتخابی حلقہ تھا جہاں سے جماعت اسلامی کے ایک لیڈر پر سید علی گھیلانی اپنی بے پناہ کوششوں اور ذاتی مقبولیت کے باوجود نیشنل کانفرنس کے امیدوار کے مقابلے میں صرف ۳۲ ووٹوں سے جیت گئے۔

انتخابی نتیجے کے اعلان کے ساتھ ہی شیخ صاحب اپنی قیام گاہ پر مبارکباد دینے والوں کو تحفے میں ادا کرنے کے لئے ڈرامائی انداز میں اپنے برآمدے میں آئے اور پھر انتخابی نتیجے کے اعلان کے صرف دو دن بعد ہی ۷ جولائی ۱۹۷۷ء کو شیخ محمد عبداللہ نے برسرِ گھر کے پلو کو گراؤنڈ میں نیشنل کانفرنس کے جشن فتح کے جلسے میں نفیس نفیس آکر تقریر کی اور عوام کو خارج تحسین ادا کیا کہ انہوں نے نیشنل کانفرنس کو کامیاب بنایا۔ اس سے قبل ۷ جولائی کی صبح کو ہی شیخ محمد عبداللہ نے ہندوستان کے مرکزی وزیر اعلیٰ مہاراجن سنگھ کو ایک لکھ بھجیا جس میں ضبتا پارٹی کی مرکزی حکومت کو انہوں نے یقین دلایا کہ — ”کمیشن میں نیشنل کانفرنس کی نئی حکومت مہاتما گاندھی کے خوابوں کا ہندوستان تعمیر کرنے میں مرکزی حکومت سے پورا پورا تعاون کرے گی۔“ اس کے اگلے دن ۸ جولائی ۱۹۷۷ء کی صبح کو نیشنل کانفرنس کے نئے منتخب ممبران اسمبلی کا اجلاس شیخ صاحب کی قیام گاہ پر ہوا جس میں شیخ محمد عبداللہ کو اسمبلی پارٹی کا لیڈر منتخب کیا گیا۔ اسی دن شیخ صاحب نماز ظہر ادا کرنے کے لئے درگاہ حضرت بل بھی گئے، جموں میں انتخابی نتائج اس کے عکس برآمد ہوئے۔ وہاں کے چھ انتخابی حلقوں کو پنجہ، درہل، کشتوار، ہمدرد، گول گلاب گٹھ اور بانہال میں جہاں کے ووٹوں کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ نیشنل کانفرنس نے کامیابی حاصل کر لی۔ جموں کے ۳۲ انتخابی حلقوں میں سے ۲۶ حلقوں میں جہاں غیر مسلم ووٹوں کی اکثریت تھی۔ ضبتا پارٹی نے گیارہ، ضبتا قریٹ نے چار اور کانگریس نے گیارہ نشستیں جیت لیں۔ اور اس طرح راسینی اسمبلی کے ۷۹ ممبروں کے ایوان میں چونکہ نیشنل کانفرنس نے اکثریت حاصل کر لی تھی اس لئے شیخ صاحب نے اسی دن ۸ جولائی ۱۹۷۷ء ہی کو اسمبلی پارٹی کے فیصلے سے گورنر کو مطلع کر دیا اور اس کے اگلے دن یعنی ۹ جولائی ۱۹۷۷ء صبح دس بجے شیخ محمد عبداللہ نے وزیر اعلیٰ کی حیثیت میں اور ان کی کابینہ کے دوسرے وزیروں نے حلف اٹھا لیا حلف اٹھانے کی اس تقریب میں شیخ صاحب نے تقریباً ۲۵ منٹ تک تقریر کی جس میں انہوں نے یقین دلایا کہ نیشنل کانفرنس کی حکومت آئین کی دفاع اسی کی اور مرکزی حکومت کے ساتھ بھرپور تعاون کرے گی۔ اسمبلی کا انکیشن جیت کر نیشنل کانفرنس برسرِ اقتدار آگئی۔

نہی کا تینہ شیشل کا نفرنس کے مہمان اسمبلی کے نصف ممبروں پر مشتمل تشکیل دی گئی اور اس طرح
 وزیریں، وزراء، مملکت اور نائب وزیروں کی تعداد ۴۴ تک جا پہنچی یہ شمیر میں اپنی نوعیت کی سب سے بڑی کابینہ
 ہے۔ اس وقت صورت حال یہی ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مستقبل کب اور کس وقت کونسی نئی لہر
 اپنے جلو میں لیکر آئے گا۔ اور کون یہ کہہ سکتا ہے کہ اس لہر کی لپیٹ میں کیا کچھ آجائے گا، کیا کچھ خاکستر ہو کر رہ
 جائے گا اور کیا کچھ باقی رہ جائے گا۔ اس کا فیصلہ وقت ہی کر سکتا ہے۔

یہ داشتال ابھی ناتمام ٹہنہ شاید
 کہ آ رہی ہے دما دم صلاتے کن فیکون

